جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان

جامعۃ

الرشاد

مرتبہ

سالانہ چندہ غیر ممالک سے پندرہ امریکی ڈالر =/15	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ الرشاد (جامعۃ)	سالانہ چندہ ہندوستان سے =/75 خصوصی معاون =/۱۰۰ قیمت فی پرچہ =/7
شمارہ نمبر ۲۱۴	جنوری، فروری ۱۹۹۹ء مطابق رمضان، شوال ۱۴۱۹ھ	جلد نمبر ۳۷

فہرست مضامین

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

دوسری جنگ عظیم سے پہلے جس طرح لیگ آف نیشنز (League of Nations) جس کا ہیڈ کوارٹر جینوا تھا بڑی طاقتوں کا آلۂ کار بن گئی تھی جس کے نتیجہ میں وہ ختم ہو گئی اسوقت بالکل اسی طرح یو۔ این۔ او کی حیثیت بن گئی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ بعض دوسرے مغربی ممالک جو امرانہ عالمی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے یو۔ این۔ او اور سیکیورٹی کونسل انکی آلۂ کار بنی ہوئی ہے اسے بوسنیا اور کوسوو میں نہ تو سربوں کا ظلم نظر آرہا ہے اور نہ اسرائیل کی پچاس سالہ دہشت گردی نظر آرہی ہے بس انھیں عراق کی ایک غلطی ایسی مل گئی ہے کہ اسے بہانہ بنا کر پورے خلیج میں اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے۔ عراق نے تو کویت کو کب کا خالی کر دیا مگر وہ ناقابل معافی غلطی ہے لیکن ان کا پروردہ اسرائیل پچاس برس سے فلسطین، اردن اور شام کے کتنے علاقے کو ہڑپ کئے ہوئے بیٹھا ہے مگر یہ طاقتیں اس کی خوشامد میں لگی ہوئی ہیں اور فلسطینیوں کو ایک ایک ٹکڑا اس طرح دیکر آزاد کرا رہی ہیں جیسے وہ اپنے ملک میں کسی غیر ملکیوں کو بسانے کا پرمٹ دے رہی ہوں۔

۵۰ برس کے اندر ہم نے برطانیہ کی عالمی حکومت کا سورج غروب ہوتے دیکھا ہے جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا وہ اب ایک جزیرہ میں بند ہو گئی ہے ہٹلر اور مسولینی کی طاقت کو بھی پاش پاش ہوتے دیکھا ہے۔ روس جسکی گرفت میں نظری یا عملی طور پر آدھی دنیا آگئی تھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے بھی دیکھا ہے اب امریکہ کی ظالمانہ کارروائیاں دیر یا سویر اس کے زوال کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ میرے ایک دوست جو رابطہ اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں وہ پندرہ مہینے امریکہ رہ کر واپس ہوئے ہیں ان سے میں نے سوال کیا کہ کیا امریکہ کا سیاسی زوال بھی جلد ممکن ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس کے زوال کے خارجی اسباب تو پیدا ہوتے جا رہے ہیں مگر داخلی طور پر کچھ اخلاقی خوبیاں ان میں ایسی

ہیں جو اس کو سنبھالے ہوئے ہیں وہ پرائیویٹ زندگی میں کیسے بھی ہوں مگر ڈیوٹی کے انتہائی پابند ہیں ان میں حسد و جلن بالکل نہیں پایا جاتا۔ دولت کی ایسی ہوس جو بددیانتی پر مبنی ہو وہ عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ عام طور پر ان کی طبیعت میں استغنا دکھائی دیا غلط صحیح طریقے سے دولت سمیٹنے کی ہوس بہت کم دکھائی دی انھوں نے بڑے افسوس کے انداز میں کہا کہ یہ سب اسلامی خوبیاں تھیں جو انھوں نے اپنالی ہیں اس لئے یہ داخلی خوبیاں ابھی ان کو کسی بڑے زوال سے روکے ہوئے ہیں۔

آزادی کے بعد مرکز یا صوبہ میں جن پارٹیوں میں حکومتیں قائم ہوئیں انھوں نے سیاسی اقتصادی اور صنعتی اعتبار سے اپنے صوبہ یا ملک کو کچھ نہ کچھ آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر بی۔ جے پی جیسی زیادہ ناکارہ حکومت کوئی دوسری ثابت نہیں ہوئی۔ نہ صوبہ کی ترقی کے لئے اس کے ذریعہ کوئی ترقیاتی کام ہوا اور نہ ایک سال سے مرکزی حکومت نے کوئی کارنامہ دکھایا! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں حکومت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ دوسری حکومتوں کی بنائی ہوئی ایٹمی طاقت کو استعمال کر کے انھوں نے اپنا سیاسی وقار بحال کرنے کی کوشش کی مگر وہ ملک کے لئے مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اقتصادی حیثیت سے ملک کنگال ہو گیا ہے حکومت کے ہر شعبہ میں لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے۔ ضروریات زندگی کی گرانی سے عوام چیخ اٹھے ہیں، اقلیتوں میں عدم تحفظ کا احساس دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ ایڈوانی کہتے ہیں کہ ہماری حکومت جب سے آئی ہے ہندو مسلم فسادات بالکل نہیں ہوئے ہیں۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ہی کی پارٹی فسادات کراتی تھی اب وہ حکومت میں آنے کے بعد اپنے کو بدنامی سے بچانے کے لئے فسادات سے دور ہٹ گئی ہے اس وقت عیسائی اقلیت پر جو ظلم ہو رہا ہے وہ آپ ہی کی ذیلی پارٹیاں کرا رہی ہیں مشہور صحافی کلدیپ نیر نے اپنے ایک انگریزی خط میں ملک کی موجودہ خراب صورت حال کی اچھی عکاسی کی ہے۔

"بی جے پی کی سربراہی میں قائم حکومت کے دس ماہ کے تجربات شاہد ہیں کہ اس کے دور اقتدار میں ملک کی گنگا جمنی تہذیب کے تار پود بکھر چکے ہیں فرقہ

پرور طاقتوں کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے۔ آر۔ ایس۔ ایس پریوار نے بنیاد پرستی کے جن کو بوتل سے باہر کر دیا ہے اب اس سے یہ کہنا کہ وہ شرارت نہ کرے جہل اور بے معنی سی بات ہے بھائی چارہ اور تحمل و برداشت کیلئے اب یہاں کوئی جگہ نہیں ہے امن وسکون غارت ہو چکا ہے ہر قسم کے بنیاد پرست خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو ابھر کر سامنے آگئے ہیں ان میں آر۔ ایس۔ ایس کے لوگ پیش پیش ہیں کیونکہ بی۔ جے۔ پی حکومت کے لئے سماج کو ہندو رنگ میں رنگنے کا ایک نادر موقع ہے تاکہ اس کے سیاسی فوائد حاصل کئے جا سکیں ایسی صورت میں ہندوں کا فرض ہے کہ اقلیتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کریں کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں۔ (دعوت، ۶ فروری بحوالہ انڈین ایکسپریس ۲ فروری ۱۹۹۹ء)

• مرکزی حکومت اپنی معاون پارٹیوں کے جرائم کی پردہ پوشی کے لئے جو خوشامدانہ اقدامات کر رہی ہے وہ سب ملک کے مفاد میں نہیں بلکہ اپنی حکومت کے بچاؤ کے لئے کر رہی ہے اس حکومت کے افراد کے پاس ضمیر نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے ورنہ اسے ان حالات میں مستعفی ہو جانا چاہئے تھا دوسرا ملک ہوتا تو اس صورت حال میں حکومت یا تو خود مستعفی ہو جاتی یا پھر عوام اسے مستعفی ہونے پر مجبور کر دیتے مگر طاقت کے پجاری یہاں کے عوام میں بھی شاید اتنی اخلاقی حس باقی نہیں رہ گئی ہے کہ وہ کوئی انقلابی قدم اٹھا سکیں۔

اوپر پوری دنیا اور اپنے ملک کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی صورت حال کی جو تھوڑی سی تفصیل کی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ان حالات میں کیا کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے جو مادی اور غیر مادی ذرائع مسلمان حکومتوں کو عطا کئے ہیں ان کیلئے یہ نادر موقع تھا کہ وہ اپنے کو دنیا کی دوسری طاقت بنا لیتے مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے اپنے محدود اقتدار کے لئے مغرب کے اشارہ پر اپنے بھائیوں ہی کا خون بہانا اپنا کارنامہ سمجھ رہے ہیں افسوس یہ ہے کہ ان کو اپنے ملک پر مغرب کا تہذیبی اور فوجی تسلط تو پسند ہے مگر اسلام کے نام لیواؤں کا سیاسی اقتدار پسند نہیں ہے وہ مغرب کو سیاسی اور اقتصادی طور پر اپنا غلام بنانے کی پوزیشن میں تھے مگر قابل افسوس بات ہے کہ ان کی سیاسی اور اقتصادی طاقت ہی کے ذریعہ مغرب

نے انھیں اپنا سیاسی اور تہذیبی غلام بنا رکھا ہے اور وہ اس غلامی پر راضی ہیں۔ کاش ان میں کوئی دوسرا شاہ فیصل پیدا ہو جاتا تو ان کی دنیا بدل جاتی۔

یہی صورت حال ہندوستان کے مسلمانوں کی ہے کہ اس وقت وہ ملک کے اندر سب سے بڑی سیاسی طاقت بن سکنے کی پوزیشن میں ہیں مگر انھوں نے سیاسی پارٹیوں کی غلامی ہی کو اپنا مقدر بنا لیا ہے حالانکہ پچاس سال کا تجربہ آواز دے رہا ہے کہ ہندوستان کی کسی سیاسی پارٹی سے مسلمانوں کا کوئی بھلا ہونے والا نہیں ہے۔ سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کا ووٹ لینا تو ضرور چاہتی ہیں مگر ان کو برابر کی حیثیت دینا نہیں چاہتی۔ ملائم سنگھ یادو کی سماجوادی پارٹی کی طرف مسلمانوں کا جھکاؤ قدرے زیادہ ہے مگر پارٹی کے اندر ان کو کوئی حیثیت نہیں دی گئی ہے اس لئے اگر مسلمان اپنی دینی اور تہذیبی شناخت باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو سیاسی سطح پر بھی اپنی ایک الگ طاقت بنانی ہوگی مگر اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ مفاد پرستوں کو اس سے دور رکھا جائے ورنہ اسے کوئی پائیداری حاصل نہ ہو سکے گی۔ ڈاکٹر فریدی مرحوم نے آزادی کے بعد جان و مال کی زبردست قربانی دے کر مسلمانوں کو پہلی بار جو سیاسی وقار عطا کیا تھا، ان کے انتقال کے بعد چند مفاد پرستوں نے اس پر پانی پھیر دیا اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان کو دور پھینکنے کے بجائے انھیں گلے لگا لیا۔

معذرت

ہم ناظرین الرشاد سے معذرت خواہ ہیں کہ جنوری و فروری کا پرچہ تاخیر سے آپ کی خدمت میں جا رہا ہے، اس میں میری مسلسل علالت کے علاوہ کاتب صاحب کی غیر ذمہ داری کو بڑا دخل ہے، امید ہے کہ ایک دو مہینے بعد کمپیوٹر سے کتابت کا انتظام ہو جائے گا تو پھر کاتبوں کی روز روز گھس گھس سے نجات مل جائے گی۔

قسط ۲۲

اُسوۂ حسنہ

جہاد و قتال کا ذکر قرآن میں دعوت و ہجرت اور جہاد و قتال کی اہمیت و فرضیت اور اس کے موقع و محل کا ایک اجمالی خاکہ اوپر ذکر آچکا ہے آئندہ صفحات میں قرآن کی آیات، ارشادات نبوی، اسوۂ نبوی اور اسوۂ صحابہ کی روشنی پر اس کی مزید تفصیل کی جارہی ہے۔

قرآن پاک میں دعوت و ہجرت کا ذکر سیکڑوں جگہ آیا ہے اسی طرح جہاد و قتال کا ذکر بھی پچاسوں جگہ ہوا ہے۔ کہیں ماضی کے صیغہ (جَاهَدُوا) کے ساتھ کہیں حال و مستقبل کے صیغہ (یُجَاهِدُونَ) کے ساتھ اور کہیں امر کے صیغہ (جاهدوا) کے ساتھ اور کہیں اسم فاعل کے صیغہ (المجاهدون) کے ساتھ۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ قرآن پاک نے دعوت و ہجرت اور جہاد و قتال کے ذکر کے ساتھ اس کے موقع و محل کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

اسلام ایک داعیانہ مذہب ہے اس لئے وہ بنیادی طور پر ایک پُر امن ماحول چاہتا ہے مگر جب اس پرامن ماحول کو بگاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے یا اس میں جارحانہ رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے تو لامحالہ عارضی طور پر ایسے سرکش افراد کے ساتھ طاقت کے استعمال کی اجازت دینی پڑتی ہے اسی کا نام جہاد و قتال ہے۔ جہاد و قتال کی آیات قرآنی کے اسی موقع و محل کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا سمجھتے ہوئے غیر مسلموں کا اور خاص طور پر مستشرقین کا ایک طبقہ اسلام کی اس پرامن تصویر کو جنگ جویانہ مذہب کی حیثیت سے پیش کرتا ہے تاکہ اس کے بارے میں ایک نفرت کا ماحول پیدا ہو جائے اور اسلام کی دعوت کا بنیادی کام رک جائے ورنہ اس کا عام حکم یہ ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (انفال)

اگر وہ امن وصلح کے لئے جھکیں تو تم امن و صلح کا ہاتھ ان کی طرف بڑھاؤ اس سلسلہ میں اللہ پر بھروسہ رکھو وہ سننے اور جاننے والا ہے اگر وہ تم سے امن وصلح کرنے میں دھوکہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے لئے کافی ہے وہی ذات ہے جسنے اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ تمھاری مدد کی ہے۔

اس میں واضح طور پر کہدیا گیا کہ اگر اسلام نہ قبول کرنے والے اپنی جارحانہ کارروائی بند کرکے اگر صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اس کو قبول کرلو۔ اگر ان کی طرف سے دھوکہ کا خطرہ ہو جب بھی اگر وہ امن وصلح کے لئے آگے بڑھیں تو تم اللہ پر بھروسہ کرکے امن وصلح پر آمادہ ہو جاؤ اگر ان کی نیت میں کھوٹ ہوگا تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کے دوسرے اسباب پیدا کردے گا جیسا کہ حدیبیہ[1] کے امن وصلح کے معاہدہ کی قریش نے خلاف ورزی کی جس کے نتیجہ میں اللہ نے ایسے اسباب پیدا کردیئے کہ بغیر کسی بڑی کشمکش کے مسلمان فتح خیبر اور فتح مکہ سے ہمکنار ہو گئے مگر جہاں بھی جنگ کی اجازت دی گئی ہے وہاں ہر جگہ یہ قید لگی رہی ہے کہ

لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

جنگ میں بھی ظلم وزیادتی نہ ہونے پائے اللہ تعالیٰ ظلم وزیادتی کو پسند نہیں کرتا۔

اسی لئے جہاد کو فی سبیل اللہ کہا گیا ہے یعنی یہ جنگ اللہ کی رضا کے لئے ہو ایسا نہ ہو کہ خواہش نفس اور شیطان تمھیں اللہ کے راستے سے دور نہ کردے۔

غرض یہ کہ اسلام بنیادی طور پر امن ماحول چاہتا ہے تاکہ اسکی دعوت کا

---

[1] صلح حدیبیہ جسمیں امن وصلح کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دب کر قریش سے صلح کا معاہدہ کیا تھا جسے عام مسلمان اپنی شکست تصور کرتے تھے۔

میدان زیادہ سے زیادہ وسیع ہو مگر جب اس میں شدید رکاوٹ پیدا ہوتی ہے یا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے تو اسے طاقت استعمال کرنا پڑتی ہے اسی پُرامن ماحول بنانے کے لئے مدینہ منورہ پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے تمام قبائل سے امن و صلح کا ایک معاہدہ کر لیا تاکہ مسلمانوں کی نئی طاقت کو وہ اپنے اقتدار کے لئے خطرہ نہ سمجھیں مگر انھوں نے اس کی کوئی قدر نہیں کی اور برابر مدینہ کے پرامن ماحول کو بگاڑنے اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش میں لگے رہے جسکی وجہ سے ان کو مدینہ سے باہر چلے جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

اوپر ذکر آچکا کہ اسلام اپنی دعوت کے کام کا آغاز دعوت توحید سے کرتا ہے توحید کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آدمی ایک خدا کو مان لے یا زبانی اقرار کر لے بلکہ اس کو جاننے اور ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس پوری کائنات اور ہماری اس پوری دنیا کے تکوینی نظام[1] کو وہی چلا رہا ہے، زمین و آسمان سورج و چاند اور ستاروں کی تخلیق اور ہزاروں برس سے ایک متوازن گردش اسی کے حکم سے ہو رہی ہے، ہوا اور پانی پر اسی کا حکم چلتا ہے ہماری دنیا کے اردگرد دو سو کلومیٹر ہوا کا جو غلاف چڑھا ہوا ہے اور وہی ہماری زندگی کی بقا کا سبب بنا ہوا ہے سمندر کے کھارے پانی کا بھاپ بنا کر ہمہ گیر پیمانہ[2] پر میٹھے پانی میں تبدیل ہو جانا اسی کے قدرت سے ہوتا ہے۔ زندگی اور موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ان تمام چیزوں کے نہ بنانے اور پیدا کرنے میں اس کا کوئی دوسرا شریک ہے اور نہ اس کے چلانے میں اس کا کوئی معاون اور مددگار ہے۔ اسی کی کسی شاعر نے بڑی اچھی ترجمانی کی ہے:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کس نے بھر دی خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

---

[1] وہ کام جو انسانوں کی قدرت سے باہر ہو۔ [2] ایک محدود پیمانہ پر اب انسان بھی کھارے پانی کو میٹھا بنانے لگا ہے مگر ہمہ گیر پیمانہ پر اس سے بارش کا یہ وسیع نظام اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے یہ انسان کے بس سے باہر ہے۔

اس دنیا میں یہ ایک نظام توحید ہے جو خدا کا بھیجا ہوا اور اس کا بتایا ہوا سیدھا راستہ ہے جس کا داعی اسلام ہے جس کے پیچھے پختہ دلائل ہیں اس کی ایک یکساں قدیم تاریخ ہے ایک کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ آپ دنیا کے جس خطہ میں جائیں اس کا ایک ہی رنگ اور ایک ہی انداز پائیں گے پھر دنیا کے جتنے بہترین انسان ہوئے ہیں جنھیں ہم انبیاء کرام کہتے ہیں ان سب نے متفقہ طور پر اسی نظام توحید کی دعوت دی ہے سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ رہا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ اسی کو قرآن پاک کے ذریعہ جہاد کرنا کہا گیا ہے وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں توحید کے عقلی و نقلی دلائل بڑی وضاحت سے ملیں گے اس کا تعلق ایک ہی ہمہ گیر ذات سے ہے وہ بہت سے خانوں میں بٹا ہوا نہیں ہے اس کی ایک مضبوط بنیاد ہے وہ انسان کی زندگی کے ہر موڑ پر اس کی رہنمائی کرتا ہے اس کے پیچھے ایک زندہ تاریخ ہے جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے اس نظام کی توحید کی تصویر کشی قرآن پاک نے ان الفاظ میں کی ہے:

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا	آپ نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ یعنی کلمۂ
کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا	توحید کی مثال اس درخت کی سی بیان کی
ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ	ہے جس کی جڑیں نہایت گہری اور مضبوط ہیں
تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ	اور اس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں
رَبِّھَا وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ	اس میں پھل اللہ کے حکم سے ہر وقت آتا رہتا ہے
لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ	یہ مثالیں اللہ تعالیٰ اس توقع پر بیان کرتا ہے
(ابراہیم)	کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

مقصد یہ ہے کہ جب ایسی ہمہ گیر اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب آپ کے پاس موجود ہے تو پھر پوری قوت کے ساتھ اس کے پیغام کو آپ لوگوں تک پہنچائیں دوسری کسی چیز کیطرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس نظام توحید کے مقابلہ میں ایک دوسرا نظام شرک ہے جس کی سرے سے کوئی پختہ بنیاد نہیں ہے نہ وہ کسی ایک ملک یا خطہ میں یکساں نظر آئے گا اور نہ دنیا میں اس کی کوئی ایک شکل دکھائی دے گی بلکہ وہ ہزاروں خانوں میں بٹا ہوا نظر آئے گا اس لئے کہ نہ اس کا کوئی تعلق کسی ہمہ گیر ذات سے ہے اور نہ اس کے داعیوں کا کوئی پتہ ہے نہ اس کے پیچھے کوئی عقلی و نقلی دلیل ہے بلکہ اس کا سرا توہمات سے جڑا ہوا ہے حتی کہ اس کے ماننے والے کیڑے مکوڑوں میں کوئی طاقت محسوس کرلیں تو اس کو پوجنے لگیں گے قرآن نے اہل شرک کو جب یہ چیلنج دیا

قُلْ اَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلُ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ	تم لوگ جن بتوں کی پرستش کرتے ہو کیا زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ اگر ہے تو دکھاؤ کہ وہ کون سا حصہ انکا پیدا کیا ہوا ہے یا شرک کیلئے کوئی آسمانی کتاب یا کوئی تاریخی معلومات ہو تو سامنے لاؤ۔

تو وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے۔

قرآن پاک نے شرک کی مثال اس پودے اور لتا سے دی ہے جو بغیر کسی بنیاد کے اوپر اگ آتا ہے:

مثل كلمة خبيثة ن اجتثت من فوق الارض مالها من قرار (ابراہیم)	اور کلمۂ شرک کی مثال اس بیل کی ہے جو زمین کے اوپر سے اگ آتی ہے اور اسمیں کوئی پائداری نہیں ہوتی۔

ظاہر ہے کہ جب بھی اس نظام کے مقابلہ میں نظام توحید کی دعوت دی گئی ہے یا جب بھی دی جائے گی تو نظام شرک اس کے مدمقابل آئے گا۔ وہ نہ صرف اس کی مخالفت کرے گا بلکہ اس کے پھیلنے میں ہر طرح کی رکاوٹ ڈالے گا اور اس نظام توحید کے قبول کرنے والوں کو اپنے ظلم و جور کا نشانہ بنائے گا ابتدائے آفرینش سے ایسا ہوتا رہا ہے اور اسلامی تاریخ تو اس صورت حال سے ماضی

میں بھی دوچار رہی ہے اور حال میں بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے یہی صورت حال جب توحید کے ماننے والوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو اس وقت ان کو ہجرت کرنے کا بشرطیکہ اس کے لئے کوئی پرامن جگہ موجود ہو ورنہ صبر وتحمل کے جانگداز مراحل سے گزارنے کے بعد پھر طاقت کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔

مکہ میں تیرہ برس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کو جن اذیت ناک حالات اور جاں گداز صورت حال سے گزرنا پڑا تھا اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ غربیت صحابہ صبر و ثبات کا پہاڑ بنے کھڑے رہے مگر عام مسلمانوں کو پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی گئی اور جب انصار مدینہ کی حمایت حاصل ہو گئی تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی گئی اور سب سے آخر میں حکم خداوندی سے آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں ہجرت فرمائی مدینہ منورہ پہنچکر خیال تھا کہ اب سکون ملے گا مگر یہاں کئی اور طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی میں اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے،

"عام خیال ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا مصائب گوناگوں کا آماجگاہ تھا، مدینہ میں آکر اس کی کلفتیں دور ہوئیں مگر یہ خیال صحیح نہیں، مکہ میں جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی، مدینہ میں آکر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی مکہ کل ایک قوم تھا، مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے۔ اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو میں آجاتا تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہو جاتیں لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا، مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ وغضب کا آماجگاہ بنا دیا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش

نے عبداللہ بن ابی کو جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اسکی تاجپوشی کی بھی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیار کرلی تھی خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم	تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے
باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ او	ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو
لنسیرن الیکم باجمعنا حتی	قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم تم پر
نقتل مقاتلتکم ونستبیح	حملہ کریں گے اور تم کو فنا کرکے تمھاری عورتوں
نسائکم۔	پر تصرف کریں گے۔

(سنن ابو داؤد صفحہ ۶۷ جلد ۲ باب خبر النضیر)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے اس کو سمجھایا کہ کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے"۔ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبداللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی، تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود و مدینہ کا سر پھر چکا تھا، اسی زمانہ میں یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے گدھے کے چلنے سے گرد اڑی تو عبداللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈال دیا اور حقارت سے بولا "گرد نہ اڑاؤ"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں، عبداللہ نے کہا، "اے شخص مجھکو یہ پسند نہیں" اگر تمھاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس میں آکر ہم کو نہ سنایا کرو جو تمھارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو"۔ مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہو گئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعد بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے رئیس الاعظم تھے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے امیہ بن خلف سے اور ان سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا اس تعلق سے حضرت سعد اب بھی امیہ ہی کے مہمان ہوئے ایک دن

وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے اتفاق سے ابوجہل سامنے آگیا، امیہ سے اس نے پوچھا کہ تمھارے ساتھ کون ہیں؟ امیہ نے کہا "سعد ہیں" ابوجہل نے کہا "تم لوگوں نے صابیوں (کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے میں کبھی یہ دیکھ نہیں سکتا کہ تم کعبہ میں آسکو، خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے، حضرت سعد نے کہا" اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمھارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم کی) خدمت میں عرض کی کہ مصر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہیں دیتے اس لئے ہم صرف ایام حج میں جبکہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے آپ کی خدمت میں آسکتے ہیں۔

قریش نے انھیں باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جیسا کہ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے صحیح نسائی میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول من قدم المدینۃ یسھر من اللیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ میں آئے تو رات کو جاگا کرتے تھے۔

صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا" چنانچہ حضرت سعد بن وقاصؓ نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا تب آپ نے آرام فرمایا اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں:

عن ابی کعب قال لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ جب مدینہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو

المدینۃ وا وتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح و لا یصبحون الا فیہ۔

تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے۔ صحابہ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔

مورخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہیں کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی لیکن ایک دقیقہ میں انہی تصریحات سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا، مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر سنہ ۲ھ میں جہاد کی اجازت دی اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے:

اول آیۃ نزلت فی الاذن بالقتال اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیرہ
زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ا ص ۴۴۸

پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے اُذن للذین الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (بقرہ ۲۴)

اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

لیکن غور سے دیکھو کہ دونوں آیتوں میں ان ہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمان سے لڑنے آتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ (سیرت النبی ج ۱ ص ۳۰)

پورے جزیرۂ عرب میں ظلم و زیادتی کا سلسلہ قریش نے شروع کیا تو وہ فتح مکہ پر جا کر ختم ہوا مسلمانوں کو جنگ کی اجازت ان ہی روح فرسا حالت میں دی گئی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا مگر جزیرہ عرب کے اندرونی حصہ میں جنگ ختم ہوئی تو اس کی سرحد پر جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں رومیوں (عیسائیوں) یا ایرانیوں کے

زیر اثر قائم تھیں ان کی طرف سے مدینہ پر بار بار حملہ کی تیاری ہوتی رہی، غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک وغیرہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں مگر بروقت مسلمانوں کے اقدام کی وجہ سے ان کے ارادے پورے نہ ہو سکے خلافت راشدہ میں ان پر حملہ اسی بنیاد پر کیا گیا کہ وہ نہ صرف دعوتِ توحید کے دائرہ کو پھیلنے میں رکاوٹ ڈال رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے وجود کو مٹا دینا چاہتے تھے اسی موقع پر قرآن پاک نے یہ حکم دیا:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ — ان کافروں سے لڑتے رہو جو تمہارے قریب ہیں تاکہ
وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً — وہ تمہارے اندر مضبوطی محسوس کریں

یہ آیت غزوۂ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی جس میں یہ حکم دیا گیا کہ گو تبوک میں دشمن پیچھے ہٹ گئے مگر ان کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہئے، آس پاس کی دشمن طاقتوں پر تمہاری کمزوری ظاہر نہ ہو بلکہ وہ تمہارے اندر مقابلہ کی قوت محسوس کریں ورنہ یہ پھر تم کو مٹانے اور اسلام کی دعوت کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

غرض یہ کہ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت اسی وقت دی گئی جب دعوت حق میں جارحانہ رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی یا ان کی جان و مال اور عزت و ناموس کو خطرہ لاحق ہوا۔

جہاد و قتال کی چند آیتیں ان کے موقع و محل کے لحاظ سے ہم نقل کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے یا تو دفاع کے لئے تلوار اٹھائی یا اس وقت جب دعوت حق میں مسلح رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی یا ان کے وجود کو خطرہ لاحق ہوا تو انھوں نے دفاع سے آگے بڑھ کر اقدام کی پوزیشن اختیار کی۔

قرآن پاک میں مواقع و محل کے لحاظ سے کہیں نرم انداز میں اور کہیں سخت انداز میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے اور اس کے وجود کو مٹانے والوں کو مذمت کی گئی ہے مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے کے بعد سب سے پہلا معرکہ بدر میں پیش آیا جس میں قریش نے دعوت حق کو دبانے اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے اپنی پوری طاقت لگا دی تھی، اس موقع پر متعدد آیتیں نازل ہوئیں جن مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں کسی

طرح کمزوری نہ دکھانے کی تاکید کی گئی۔ حضور کو خطاب کرکے فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جنگ پر ابھاریئے اگر یہ بیس صابر قسم کے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ (انفال)

اسی طرح غزوۂ احد کے موقع پر کئی رکوع میں ان لوگوں سے مقابلہ کرنے کیلئے ابھارا گیا جو مدینہ منورہ پر حملہ کے ارادہ سے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ چڑھ دوڑے تھے جو لوگ مقابلہ سے جی چرا رہے تھے خاص طور پر منافقین کا گروہ ان کو سخت الفاظ میں تنبیہ کیا گیا ان کی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اسی کو بہانہ بنا کر وہ جنگ سے علیحدہ ہو گئے۔ ابتدا میں مسلمان کامیاب تھے مگر ایک غلطی کی وجہ سے ان کو کچھ دیر کے لئے شکست اٹھانی پڑی اس موقع پر منافقین یہ بات کہنے لگے:

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ۔

منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مانی گئی ہوتی تو ہم کو شکست کا منھ دیکھنا نہ پڑتا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم گھر میں بھی ہوتے تو جن کو قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ اپنے بستر پر قتل کئے جاتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے سے پہلے اور اس کے بعد عام صحابہ اور صحابیات بھی بڑی تعداد تک ہجرت کرکے مدینہ آ گئی تھیں حتیٰ کہ قرب و جوار کے دیہات کے بہت سے مسلمان بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے مگر ابھی ان کے قبیلہ کے بے شمار لوگ مکہ مکرمہ اور آس پاس کی بستیوں میں رہ گئے تھے جن کو ہجرت کا موقع نہ ملا یا ان کی ہجرت میں قریش کے لوگ روک بن گئے تھے۔ ایسے بے سہارا مردوں، عورتوں اور بچوں کو وہ اپنے ظلم و جور اور اذیت ناک تکلیفوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھے انکی مظلومیت

کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضور ان کی رہائی کے لئے خصوصی دعا فرماتے تھے ان میں سے بعض حضرات کا نام لے کر آپ دعا فرماتے تھے۔

اللّٰھم انج الولید بن الولید و سلمۃ بن ھشام وعیاش ابن ربیعۃ والمستضعفین من المؤمنین ۔	اے اللہ ولید بن الولید و سلمہ بن ہشام و عیاش ابن ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ (بخاری)

قرآن پاک نے ان مظلوموں کی فریاد اور دادرسی کی ان الفاظ میں تصویر کشی کی ہے اور مسلمانوں کو ظالموں کے خلاف جنگ پر ابھارا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ (النساء)	مسلمانوں تم کو کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں دشمنوں سے جنگ نہیں کرتے حالانکہ بہت کمزور مسلمان مرد، عورتیں اور بچے کفار کی اذیتوں اور تکلیفوں سے عاجز آکر یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں تو اپنی طرف کوئی حامی اور کوئی مددگار بھیج دے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میری والدہ بھی ان لوگوں میں تھے جو ہجرت نہیں کر سکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو معذور قرار دیا۔

اوپر کی تفصیل سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کفار قریش اور ان کے زیر اثر قبائل کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و جور کی گہری سازشیں اور پھر جنگ کا سلسلہ بعثت نبوی کے بعد سے شروع ہوا تو وہ اکیس برس کے بعد فتح مکہ پر کسی حد تک ختم ہوا، مگر پورے جزیرہ عرب پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جانے کے بعد جزیرے کے باہر روم و ایران کی حکومتوں نے اس نئی طاقت کو اپنے لئے خطرہ محسوس کیا اس لئے سرحد پر جو ان کی باجگذار ریاستیں قائم تھیں انھوں نے ان کے ذریعہ کئی بار مدینہ پر حملہ کی تیاری کا ارادہ کیا مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اقدام سے پہلے خود اقدام کرکے ان کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا۔ غزوہ موتہ اور

غزوۂ تبوک بھی جو اسی سلسلہ میں پیش آئی خاص طور پر غزوۂ تبوک کی اہمیت اس لئے زیادہ ہوگئی تھی کہ قبیلہ غسان جو رومی حکومت کے زیر اثر تھا اپنی پوری طاقت تبوک میں اکٹھا کرلی تھی اسی بنا پر آپ نے اعلان فرمادیا کہ بالغ مسلمان مرد کے لئے اس مہم میں شریک ہونا ضروری ہے (اسی کو اسلامی جہاد کی اصطلاح میں نفیر عام کہتے ہیں) اسی موقع پر سورہ توبہ کا بڑا حصہ نازل ہوا جس میں مسلمانوں کو اس میں حصہ لینے کے لئے ابھارا گیا اس لئے اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو کئی سال کی ساری جدوجہد بے کار چلی جاتی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ اِنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ۔ (توبہ)

اے مسلمانو! تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ گھروں سے جہاد کے لئے نکل پڑو تو تم زمین سے لگ جاتے ہو یعنی کمزوری اور بزدلی دکھاتے ہو۔

آگے چند آیتوں کے بعد تاکید کی جا رہی ہے کہ جس حال میں بھی ہو اس موقع پر نکل پڑو۔

اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ؎

تم جہاد کے لئے نکل پڑو چاہے تمھارے پاس سامان جہاد کم ہو یا زیادہ اور اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے لگا دو یہی تمھارے لئے بہتر ہے۔

؎ غزوہ تبوک فتح مکہ سے ایک سال بعد ۹ھ میں پیش آیا اس کا پس منظر یہ تھا کہ جب پورے جزیرۂ عرب پر اسلامی سلطنت قائم ہوگئی تو شام کی سرحد پر تبوک سے ملے ہوئے حصہ پر قبیلہ غسان کی حکومت تھی جو نسلاً عرب ہوتے ہوئے کچھ سال پہلے عیسائی ہوگئے تھے یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا اس نے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا اور اپنی مدد کیلئے شاہ روم کو لکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ارادہ فرمالیا کہ آگے بڑھ کر ان کو اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہونے سے روکا جائے اس سلسلہ میں آپؐ نے شاہ روم کو خط بھی لکھا اور اسلام کی دعوت بھی دی جب آپ کی تبوک کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو غسانیوں نے شاہ روم کو مدد کیلئے لکھا مگر اس نے کوئی مدد نہیں کی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی اور غسانیوں نے اطاعت قبول کرلی اس سے پہلے غزوۂ موتہ میں بھی یہی ہوا اس میں دشمنوں کا پلہ بھاری تھا اسلئے حضرت خالد نے مسلمان فوج کو بچا کر نکال لے آئے بعد میں یہ حصہ فتح ہوا۔

یہاں یہ چند آیتیں نقل کی گئی ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ اگر ان آیتوں کو ان کے موقع محل سے کاٹ دیا جائے تو اسلام کی دوسری تصویر بن جاتی ہے لیکن ان کے موقع و محل کو سامنے رکھا جائے تو انسانی زندگی کے بقا کے لئے ایسا کرنا ضروری قرار پائے گا۔ قرآن نے جنگ کا اصول یہ بتادیا ہے کہ ہم اگر کبھی کبھی جنگ کے ذریعہ ظالم قوتوں کا زور توڑتے نہ رہیں تو وہ زمین کو فساد سے بھر دیں گے اور کار خیر کے سارے مرکزوں کو تباہ و برباد کر ڈالیں جیسا ظالم قوتوں کا وطیرہ رہا ہے قرآن پاک نے دو جگہ اس فطری اصول کا ذکر کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض کے ساتھ نہ دفع کرتا رہے تو زمین فساد سے بھر جائے لیکن اللہ تعالیٰ سارے عالم کو اپنے فضل سے محفوظ رکھتا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔

(الحج)

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کا زور نہ توڑتا رہتا تو وہ عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے عبادت خانے اور دوسری متبرک جگہوں کو اور مسجدوں کو جس میں کثرت سے اللہ نام لیا جاتا ہے وہ سب گرا دی جائیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں طاقت کے استعمال کا راستہ ان طاقتوں کے خلاف اختیار کیا جاتا ہے جو زمین میں بدنظمی اور فساد برپا کریں، ان کے ظلم و جور کی وجہ سے کمزور انسانوں کو اپنے دین و اخلاق و کردار کو بچانا مشکل ہو جائے اور جو متبرک جگہیں خدا کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں ان کی حفاظت کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ قرآن پاک نے مسجدوں کیساتھ غیر مسلموں کے گرجوں اور عبادت خانوں کی حفاظت کو وہی اہمیت دی ہے جو مسجدوں کی ہے قرطبی وغیرہ نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے:

اقتدار کیلئے جنگ دنیا کی تاریخ میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں ان کے پیچھے ہوس اقتدار کی تسکین اور توسیع پسندی کے علاوہ کوئی بلند مقصد آپ کو نظر نہیں آئے گا یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے

کہ اس کی جنگوں کے پیچھے کوئی نہ کوئی نیک مقصد رہا ہے اگر کبھی وہ مقصد فوت ہوتا نظر آتا تو میدان جنگ سے اس کو پسپائی اختیار کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ عہد نبوی کے زمانہ سے عیسائی، یہودی اور مشرکین عرب برابر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ صرف سازش کرتے رہے بلکہ ان کو مٹانے کے لئے بار بار فوجی طاقت بھی استعمال کرتے رہے مگر اس کے باوجود ایک مثال ایسی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے ان کے خلاف بلا وجہ محض توسیع پسندی کے لئے کوئی اقدام کیا ہو بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان ہمیشہ فوجی ٹکراؤ سے بچنے رہتے۔ ان قوتوں کی طرف سے جب بھی امن و صلح کے معاہدہ کئے گئے اس میں ان کی نیت کبھی صاف نہیں رہی مگر اس کے باوجود امن و صلح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گریز نہیں فرمایا۔ مدینہ پہنچکر آپ نے یہود سے اور آس پاس کے قبائل سے سب سے پہلے امن و صلح کا معاہدہ اسی مقصد سے فرمایا، یہی صورت حال خلفاء راشدین کے عہد میں تھی مگر بعد کی صدیوں میں جب اسلامی حکومت میں قدرے ملوکیت کا انداز آگیا اس وقت بھی امن و معاہدہ کی پابندی سے گریز نہیں کیا گیا، چند واقعات ملاحظہ ہوں

حضرت معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں رومیوں (عیسائیوں) سے ایک متعین مدت کے لئے امن و صلح کا معاہدہ کیا تھا، معاہدہ کی مدت ابھی ختم ہونے میں کچھ دن باقی تھے کہ انھوں نے سرحد پر فوجیں جمع کر دیں کہ مدت ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا جائے جب مشہور صحابی عنبسہ کو معلوم ہوا تو فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں فوج جمع تھی وہاں پہنچ گئے اور بلند آواز سے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر وفا ولا غدر (معاہدہ کی پابندی لازمی ہے) لوگوں نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ یہ آواز عمرو بن عنبہ لگا رہے ہیں۔ حضرت معاویہ کو علم ہوا تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، وہ بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

من کان بینہ وبین قوم عھد	جس قوم سے کوئی معاہدہ ہو اس کو نہ توڑا جائے
فلا یحلن ولا یشد نہ حتی یمضی	اور نہ ان پر ظلم کیا جائے یہاں تک کہ اسکی مدت
امدہ وینبذ الیھم علی سواء	ختم ہو جائے اور انکو اسکی اطلاع دیدی جائے۔

یہ سنکر حضرت معاویہ پوری فوج لے کر واپس ہو گئے[1]

[1] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد باب الامان ص ۳۴۷

کیا دنیا کی جنگی تاریخ میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

شام اور حجاز کی سرحد پر عیسائیوں کا ایک مشہور اور طاقتور قبیلہ بنو تغلب آباد تھا جس کے ساتھ حضرت عمرؓ نے جان و مال کے تحفظ کی شرط پر ایک معاہدہ کیا تھا مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید اپنی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس معاہدہ کو توڑ دینا چاہتا تھا لیکن اس کے لئے شرعی جواز چاہئے تھا ایک روز دربار میں جبکہ امام محمد ابن حسن رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے ہارون نے امام محمدؒ کو تخلیہ میں بلا کر لے گیا اور کہا کہ بنو تغلب کے عیسائیوں کا معاہدہ ختم کر کے انھیں قتل کرانا چاہتا ہوں امام محمد نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے انھیں امان دی ہے اس لئے شرعی طور پر معاہدہ توڑنے کی گنجائش نہیں۔ اس نے پھر کہا کہ حضرت عمرؓ نے انھیں اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے بچوں کا بپتسمہ (عیسائی بنانا) نہ کریں گے، امام محمد نے جواب میں کہا کہ اس کے باوجود انھوں نے معاہدہ امن کیا تھا اسکے بعد ہارون نے کہا کہ حضرت عمرؓ کو ان سے جنگ کا موقع نہیں مل سکا۔ امام محمد نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو ان کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی کو ان سے جنگ کرنی چاہئے تھی حالانکہ ان حضرات نے ان سے کوئی تعارض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بلا شرط معاہدہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہارون نے جب کوئی جواب نہیں بن پڑا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے سخت ناراض ہوا اور دربار سے باہر کر دیا۔[۱]

یہ واقعات عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین کے پر سعادت دور کے نہیں بلکہ یہ اس وقت کے واقعات ہیں جب سیاسی سطح پر اسلامی حکومت قدرے شخصی حکومت کا رخ اختیار کرتی جا رہی تھی مگر اسلامی تعلیمات کا معاشرہ پر اتنا اثر تھا کہ شخصی حکمراں بھی اس سے ہٹنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ معاہدہ کے سلسلہ میں چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا	اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو جب بھی کوئی عہد باندھو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کی خبر رکھتا ہے تمہاری

---

(۱) تبع تابعین ج اول

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ
قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ
دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ
أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ
أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُضِلُّ مَن
يَشَاءُ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ
وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا
بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا
وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدتُّمْ
عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ
عَظِيمٌ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا إِنَّمَا عِندَ اللَّهِ هُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تعملون
مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ
بَاقٍ ٥

حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے
بہت مضبوطی سے سوت کاتا اور خود ہی اسے
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو آپس
کے معاملات میں دھوکہ و فریب کا ذریعہ
بناتے ہو تاکہ ایک قوم سے دوسری قوم بڑھ جائے بیشک
اللہ تعالیٰ اس عہد و پیمان کے ذریعہ تم کو
آزمائش میں ڈالتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ
تمہارے تمام اختلافات کی حقیقت قیامت
کے دن تمہارے اوپر کھول دیگا اللہ تعالیٰ
چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت بنا کر ایک
ہی طریقہ پر چلا دیتا مگر وہ جسے چاہتا ہے
گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت
دیتا ہے اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی
بازپرس ہوگی۔ مسلمانوں تم اپنی قسموں کو یعنی
(عہد و پیمان) کو آپس میں ایک دوسرے کو
دھوکہ دینے اور فساد برپا کرنے کا ذریعہ نہ
بناؤ ایسا نہ ہو کہ کوئی قدم جمنے کے بعد اکھڑ
جائے اور تم اس جرم کی پاداش میں کہ تم نے
اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا برا نتیجہ دیکھو
اور سخت سزا بھگتو اللہ کے عہد و پیمان کو
تھوڑے سے فائدے کیلئے نہ بیچ ڈالو جو کچھ
اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر
ہے اور تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہونیوالا ہے

ان آیات کی روشنی میں چند مفسرین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

هذا مما يأمر الله تعالىٰ به وهو الوفاء بالعهود والمواثيق والمحافظة على الايمان۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ جس بات کا حکم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ زبانی وعدے اور معاہدے اور تحریری دستاویزات کی پابندی کی جائے اور اپنی قسموں کی حفاظت کی جائے

پھر قسموں کی حفاظت سے کیا مراد ہے اس کی مزید تفصیل کرتے ہیں،

لان هذه الايمان المراد بما داخلة العهود والمواثيق

یہاں قسموں سے مراد یہ ہے کہ تم وعدوں اور معاہدوں میں جو قسمیں کھا کر یا تاکیدی الفاظ سے اسے پختہ کرتے ہو تو اسے دھوکہ و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ۔

امام رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

ان المراد كل عهد يلتزمه الانسان باختياره قال ابن عباس والوعد من العهود وقال ميمون بن مهران من عاهدته اوف بعهده مسلما كان او كافرا فانما العهد لله تعالى

اس آیت میں عہد سے مراد وہ معاہدہ ہے جو انسان اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے ذمہ لیتا ہے حضرت بن عباس فرماتے ہیں کہ وعدہ بھی ایک معاہدہ ہے میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی معاہدہ کرو تو اسے پورا کرو خواہ تم نے مسلمان سے معاہدہ کیا ہو یا کافر سے اس لئے کہ گویا عہد و معاہدہ تم نے کسی انسان سے نہیں بلکہ خدا سے کیا ہے

لیکن اگر دوسری طرف سے بدعہدی ہو تو پھر ان سے جنگ کی جا سکتی ہے:

اَلَا تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ (توبہ)

کیا تم نہ لڑو گے ان لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے ہیں اور جنھوں نے رسول کو ملک سے باہر نکال دینے کا قصد کیا تھا اور ظلم و زیادتی کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوتی رہی۔

اسلام میں امن وصلح کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر دشمن قوم یا جن سے عملاً جنگ جاری ہے ان کے افراد بھی اگر اسلامی حکومت میں اپنی کسی ضرورت سے ویزا لے کر آجائیں تو ان کو ہر طرح کی آزادی حاصل رہے گی

مستامن ایسے تمام لوگوں کو جو پاسپورٹ یا ویزا لے کر کسی دینی یا دنیاوی غرض سے عارضی طور پر قیام کے لئے دارالاسلام میں آئیں فقہ کی اصطلاح میں ان کو مستامن کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح قرآن کے لفظ امن اور امانت سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص جس کی جان و مال اور عزت و آبرو مسلمانوں کے لئے ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہوتی ہے اب یہی شخص مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کرے تو اس کی حیثیت ذمی کی ہو جائے گی۔

ان دونوں قسم کے لوگوں کے حقوق اور پابندیوں کے بارے میں کچھ تفصیل کیجاتی ہے تاکہ اسلام کی امن پسندی کا اندازہ ہو سکے۔ اسلامی حکومت میں رنگ ونسل یا قوم وطن یا اختلاف عقیدہ کی بنا پر دنیاوی معاملات میں خواہ وہ ملکی معاملات ہوں یا بین الاقوامی معاملات ہوں کوئی امتیاز اور تفریق نہیں برتی جائے گی حتیٰ کہ اگر کسی ملک سے اسلامی ملک کی جنگ ہو رہی ہو اس وقت بھی دشمن ملک کے افراد پر آمد و رفت یا کاروبار پر کوئی پابندی نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کریں جو سیاسی یا دینی حیثیت سے قابل اعتراض ہو مثلاً وہ جاسوسی کے لئے آئیں یا ملک کے دشمنوں یا باغیوں کو اسلحہ فروخت کرنے کے لئے یا کوئی حرام چیز کے کاروبار کرنے کے لئے آئیں تو ایسے افراد کی آمد ورفت پر پابندی عائد کیجا سکتی ہے۔ عام حالت میں ان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے گی اور ان کی آمد ورفت پر کوئی پابندی نہیں ہوگی امام سرخسیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

اموالهم مضمونة بحكم الامان فلا يمكن اخذها بحكم اباحة۔

ان کا مال محفوظ رہے گا پروانۂ امن کی وجہ سے تو مباح قرار دے کر اس کا لینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

شیخ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں:

اذا دخل حربی دار الاسلام بامان فاودع ماله مسلما او ذمیا او اقرضها ایاہ ثم عاد الی دار الحرب نظرنا فان دخل تاجرا او رسولا او متنزها او لحاجۃ یقضیہا ثم یعود الی دار الاسلام فھو فی امانہ فی نفسہ ومالہ لانہ لم یخرج بذالک عن نیہ الاقامۃ بدار الاسلام فاشبہ الذی لذلک اذا دخل لذالک۔ (المغنی ج ۸ ص ۴۰۰)

اگر کوئی دشمن ملک کا آدمی امان لے کر دار الاسلام میں آئے اور اپنا مال کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت رکھدے یا ان میں سے کسی کو قرض دے کر پھر دار الحرب واپس چلا جائے تو ہم غور کریں گے اگر وہ تاجر کی حیثیت سے یا قاصد کی حیثیت سے یا تفریح کے لئے یا کسی اور ضرورت کے لئے دار الحرب گیا ہے اور پھر دار الاسلام لوٹ آئے تو جان و مال کے سلسلہ میں اس کا امان باقی رہے گا اسلئے کہ وہ مستقل واپس نہیں گیا اس لئے اس کی حیثیت وہ نہیں۔

البتہ اگر ایسا شخص مستقلاً دار الحرب میں واپس چلا گیا تو جان کے سلسلہ میں اس کا پروانۂ امن یا ویزا بیکار ہو جائے گا مگر مال میں اس کا حق باقی رہے گا اگر وہ دار الحرب میں جاکر انتقال کر جائے تو جمہور فقہا تو اس کے قائل ہیں کہ اس کا مال اس کے ورثہ کو واپس بھیجدیا جائے گا۔

وان مات فی دار الحرب انتقل الی وارثہ ولم یبطل الامان فی مالہ (المغنی ج ۸ ص ۴۰۰)

اور اگر دار الحرب میں جاکر مر جائے تو اس کا مال اس کے ورثہ کو بھیجا جائے گا اس لئے کہ مال میں اس کی امان ختم نہیں ہوئی۔

البتہ اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ پروانۂ امن کا تعلق اس شخص سے تھا اس کے ورثہ سے تو تھا نہیں اس لئے اس کا واپس کرنا ضروری نہیں۔ جمہور فقہا کہتے ہیں کہ گو وہ دشمن ملک کا آدمی ہے مگر اس کا مالی حق ہر حال میں باقی رہے گا۔

ان الامان حق لہ لازم متعلق بالمال لان المال ملک للمستامن منتقل الی وارثہ۔ (المغنی ج ۸ ص ۴۰۱)

امان ایک ضروری ولازمی حق ہے جو مال سے متعلق بھی ہے اور مال مستامن کی ملک ہے اسی لئے اسکے ورثہ کو وہ واپس دیا جائے گا۔

مقصد یہ ہے کہ اس نے جسمانی طور پر اپنی حیثیت بدل لی ہے یا بدل گئی ہے مال کی حیثیت میں تو بغیر اس کے تصرف کے کوئی فرق نہیں ہوتا۔

مستامن پر پابندیاں اوپر ذکر آچکا ہے کہ دشمن ملک کے جو لوگ دارالاسلام میں آئیں گے ان کو ہر طرح کی آزادی ہوگی البتہ ان پر دو تین طرح کی پابندیاں ہوں گی۔

۱۔ ایک یہ کہ سود اور جوئے کا کاروبار یا لین دین کرنے اور سودی بینکنگ یا کوئی دوسرا سودی یا قماری ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہ ہوگی خواہ آپس میں کریں یا مسلمانوں کے ساتھ کریں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی فوجداری یا دیوانی جرم ان سے سرزد ہوگا تو ان کو اسلام کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی مثلاً کوئی مستامن چوری کرے یا زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے تو اس پر اسلامی قانون کے مطابق حد جاری کی جائے گی یا قصاص لیا جائے گا۔ جمہور فقہا کی یہی رائے ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کہتے ہیں کہ جن جرائم کا تعلق حقوق اللہ سے ہے یا ان پر حق اللہ غالب ہے جیسے چوری تو اس میں ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی البتہ حقوق العباد میں ان کو سزا دی جا سکتی ہے وہ کہتے ہیں کہ مستامن عدل و انصاف کی حد تک قانون کا پابند ہے اور یہ حقوق العباد میں ہوتا ہے اور جو خالص اسلامی سزائیں ہیں ان میں مسلم حاکم کو ان پر ولایت کاملہ حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا قیام دارالاسلام میں مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ان کی مذہبی آزادی کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے لیکن عملی اعتبار سے جمہور فقہا کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ موجودہ اباحیت پسندوں دور میں اگر یہ آسانی اور آزادی فراہم کر دی گئی تو پورا معاشرہ فتنہ و فساد سے بھر جائے گا اور ساری اسلامی قدریں پامال ہو جائیں گی اور حدود کے اجراء کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے گا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ صرف حدود کے اجراء کے مخالف ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ کسی سزا کے قائل نہیں ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ وہ حالت جنگ میں اسلحہ کی خرید و فروخت نہیں کر سکتے اور نہ دشمن کے لئے جاسوسی کر سکتے ہیں۔

از :۔ محمد خالد صدیقی
سماج کلیان سمیتی، نیپال

حیلہ

لغوی تحقیق

حول کے معنی حیلہ کے ہیں اور قوت کے بھی۔ والحول الحیلۃ والقوۃ ایضًا۔ ابن سیدہ کہتے ہیں۔

حول، الحیل، الحِوَل، الحَویل، المحالۃ، الاحتیال، التحول والتحیل یہ تمام کی تمام ذہانت وفطانت، جودت نظر اور دقت تصرف سے عبارت ہیں۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۳۹۹)

اس طرح حیلہ کا اصل مادہ ح و ل ثابت ہوتا ہے اور اس کا لغوی معنی ذہانت و فطانت اور حذاقت وطباعی معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اس کے طریق استعمال، اس کے متعلق علماء لغت کی دی ہوئی مثالوں اور عرف عام سے وہ ذہانت وفطانت اور حذاقت وطباعی مراد معلوم پڑتی ہے جس میں چالاکی، عیاری اور کہہ لیں کہ منفی ذہانت وفطانت ہو۔

کسی کا ذہین ہونا الگ بات ہے اور اس ذہانت کو مخفی اور دوسروں کے لئے غیر محسوس انداز میں استعمال الگ شے ہے، اول الذکر سے کسی کو نقصان نہیں ہوتا جب کہ دوسرے سے فائدہ کے ساتھ ساتھ نقصان کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے رجل حُوَّل اس سے مراد حیلہ (بہانہ) کرنے والا مراد ہوتا ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں۔

ویقال ھو احول منک ای اکثر حیلۃ ۔ ۔ ۔ والمحالۃ، الحیلۃ نفسھا و یقال تحول الرجل واحتال اذا طلب الحیلۃ۔ ومن امثالھم: من کان ذا حیلۃ تحول ویقال ھو احول من ذئب، من الحیلۃ۔

کہتے ہیں ھو احول منک یعنی وہ تم سے زیادہ حیلہ کرنے والا ہے۔ محالۃ سے حیلہ

ہی مراد ہے، اور تحول الرجل واحتال اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ کوئی حیلہ کرنا چاہے اور اس کی مثالوں میں سے یہ ہے۔ من کان ذاحیلۃ تحول یعنی جو حیلہ کرنا چاہے کرے اور هو احول من ذئب بھی حیلہ سے ہی متعلق ہے یعنی وہ بھیڑیئے سے زیادہ مکار ہے۔

(لسان العرب ۳/۴۰۰)

جب کسی چیز کو حیلہ کے ذریعہ حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس عمل کو الاحتیال والمحاولۃ کہتے ہیں (ایضاً) اور جب اس کے ساتھ الکلام ملحق ہو تو اس سے ایسی گفتگو مراد ہوگی جس کے اصل منشا و مطلب سے اعراض کیا گیا ہو۔ والمحال من الکلام ما عدل بہ عن وجھہ (ایضاً)

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مادہ میں ہٹنے، منتقل ہونے کا معنی بھی تبلایا ہے اور اس کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

من احال دخل الجنۃ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا ریں وہ شخص ہے جس نے اسلام قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوگیا "احال" سے اسلم کا معنی اس لئے سمجھا گیا کہ اسلام لانے والے نے کفر اور حالت کفر میں عبادت کرنے والی چیزوں سے منہ موڑ کر اسلام کی طرف خود کو منتقل کر لیا۔

(لسان العرب ۳/۴۰۱) یرید من اسلم لانہ تحول من الکفر مما کان یعبد الی الاسلام۔

عرب و ہند کے مشہور ماہر لغت علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی رقم طراز ہیں۔

" الحول، الحیال، الحِوَل (عنب کے وزن پر) الحولۃ، الحیلۃ، الحویل، المحالۃ، المحال، الاحتیال، التحول، التحیل کا معنی ہے، ذہانت، جودت نظر، (دقت نظر) اور تصرف پر قدرت حاصل ہونا۔

اس کی جمع حِوَل، حِیَل اور حیلات آتی ہے" علامہ نے آگے تقریباً وہی تفصیلات ذکر فرمائی ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ (القاموس المحیط ۱۲۸۷/ م بیروت)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والحیلۃ: مشتقۃ من التحول، وھی النوع والحالۃ کالجلسۃ والعقدۃ والرکبۃ

فانها بالكسرة للحالة وبالفتح للمرة، كما قيل: الفعلة للمرة والفعلة للحالة، والمفعل للموضع والمفعل للآلة وهي من ذوات الواو فانها من التحول من حال يحول وانما انقلبت الواو ياء لانكسار ما قبلها...

حیلہ تحول سے مشتق ہے، یہ نوع اور حالۃ ہے، جیسے کہ جلسۃ، قعدۃ، رکبۃ، اس کا استعمال کسرہ کے ساتھ حالت کے لئے اور فتح کے ساتھ مرۃ (ایک بار) کے لئے ہوتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فعلۃ، مرۃ کے لئے ہے اور فعلۃ حالت کے لئے، مفعل جگہ کے لئے اور مفعل آلہ کے لئے اور یہ واو والے الفاظ میں سے ہے، کیونکہ وہ تحول سے مشتق ہے جو کہ حال یحول سے نکلا ہوا ہے، واو کو یا سے اس لئے بدل دیا گیا کہ اس سے پہلے کسرہ تھا۔"

(اعلام الموقعین ۳/۲۵۲ بیروت)

واضح رہے کہ اس کا معنی سبیل، مشکلات سے نکلنے کا راستہ، طریقہ بھی آتا ہے، جیسا کہ مشہور محدث و مفسر علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں سورہ نساء کی آیت نمبر ۹۸ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ عام لفظ ہے اور اس کا اطلاق ہر اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں پر مشکلات سے چھٹکارا کے اسباب اختیار کئے جائیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں

الحيلة لفظ عام للانواع اسباب التخلص

(فتح القدير للشوكانى ۱/۵۵۵، م رياض)

حیلہ خلاصی کے اسباب کی اقسام کے لئے ایک عام لفظ ہے۔

اصطلاحی تعریف

علامہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حیلہ کی تعریف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حیلہ دراصل تصرف کی ایک خاص قسم ہے، اور یہ وہ عمل ہے جس کے ذریعہ اس کا انجام دینے والا ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب منتقل ہوتا ہے۔

پھر عرف عام میں اس کا استعمال اس پوشیدہ راستہ پر چلنے کے معنی میں غالب آگیا جس کے ذریعہ آدمی اپنی غرض کے حصول تک پہنچ سکے، اور وہ بھی اس طرح کہ کوئی دوسرا اس حرکت کو، خاص ذہانت و فطانت کے استعمال کے بغیر نہ سمجھ سکے۔ فالحيلة هي نوع مخصوص من التصرف والعمل الذي يتحول به فاعله من حال الى حال، ثم غلب

عليها بالعرف استعمالها فى سلوك الطرق الخفية التى يتوصل بها
الرجل الى حصول غرضه بحيث لا يتفطن له الا بنوع من الذكاء والفطنة
(اعلام الموقعين ۳/۲۵۲)

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ۔
معاملات کو انجام دینے میں ذہانت کا نام حیلہ ہے۔ وھی الحذق فی تدبیر الامور وھی تقلیب الفکر حتیٰ یھتدی الی المقصود۔
(الاشباہ والنظائر/۲۱۸ م دہلی)

حیلہ کا استعمال قرآن میں

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا (النساء ۹۸-۹۷)

بے شک ایسے لوگ جن کی جان فرشتے اس حالت میں نکالتے ہیں کہ وہ برا کر رہے ہوتے ہیں۔ فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس سرزمین میں بے بس تھے تو فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ اس میں ہجرت کر جاتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ سوائے مرد، عورتوں اور بچوں میں سے ان کمزور لوگوں کے جو ...

ترجمہ سے ہی آیت کا پس منظر واضح ہو گیا ہو گا، یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ 'حیلہ' کا استعمال کیا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ "تدبیر" فرمایا ہے۔ اور تشریح میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے بھی تدبیر ہی ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں معارف القرآن ۲/۱۰۰ وما بعدہا م کراچی)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے (جیسا کہ گزرا) اس کی ان الفاظ میں تشریح کی ہے۔

الحیلۃ لفظ عام لانواع اسباب التخلص ای لا یجدون حیلۃ ولا طریقۃ الی ذالک۔
(فتح القدیر ۱/۵۵۷)

"حیلہ (مشکلات سے) خلاصی کے اسباب کی اقسام کے لئے ایک عام لفظ ہے مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ ہجرت کے لئے کوئی حیلہ پاتے ہیں نہ طریقہ۔"

حیلہ کا استعمال حدیث میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث میں اس لفظ کا ذکر ملتا ہے۔ ذیل کی اس روایت کو ملاحظہ فرمائیے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے۔

لا ترتکبوا ما ارتکبت الیھود فتستحلوا محارم اللہ بأدنی الحیل

(احمد نقلا عن اسیر التفاسیر لکلام العلی الکبیر ۱/۶۷)

ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو معمولی حیلوں[1] کے ذریعہ حلال کرنا شروع کردو۔

اوپر مذکور حیلہ کے قرآنی استعمال کے برعکس یہاں حدیث شریف سے حیلہ کا وہ مفہوم و منشا مراد ہے جس کے ذریعہ اللہ کی حدود میں دست درازی کی جائے اور اس کے احکام کو توڑنے مروڑنے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے میں استعمال کیا جائے، ایسا حقیقۃً منفی ذہانت کے حامل افراد کرتے ہیں۔ جن کے پاس حذاقت و طباعی تو ہوتی ہے لیکن اس کی نکیل وہ شیطان کے ہاتھ میں چھوڑ دیتے ہیں۔

حیلہ کتب فقہیہ میں

جس طرح فقہا اصولیین نے ادلہ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) کے بعد استحسان، سد ذرائع، مصالح مرسلہ، استصحاب، عرف و عادت، حاجت و ضرورت، شرائع من قبلنا وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ان اصولوں کو مسائل شرعیہ کے اخذ و استنباط کے لئے ایک مواد بنایا ہے اور جس طرح ان پر ہزاروں صفحات میں برسہا برس محنت کر کے عرق ریزی کی گئی ہے اس طرح حیلہ کے وجود کا ثبوت نہیں ملتا۔

---

[1] : لفظ "معمولی حیلوں" سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بڑا حیلہ بہانہ کر کے اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اصول علمی طور پر تقریباً مسلم ہے کہ کتاب و سنت میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، مثلاً قرآن نے کہا: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا تو اس کا مفہوم ہرگز یہ نہیں کہ زیادہ قیمت کے عوض اللہ کی آیات کے ساتھ سودہ بازی کی جائے

البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الحیل" باضابطہ ایک باب قائم کیا ہے جس کا مقصد اسے اصول کی حیثیت سے ذکر کرنا نہیں بلکہ اس کی اکثر صورتوں کی نفی ہے۔

البتہ ابن نجیم اور کچھ دوسرے فقہاء نے "کتاب الحیل" لکھا ہے، ابن نجیمؒ کی الاشباہ والنظائر میں موجود کتاب الحیل کو پڑھنے سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ حیلہ سے متعلق ان کے ہاں باضابطہ کوئی اصول وکلیات نہیں ہیں انہوں نے اسے اشباہ ونظائر کی ایک قسم بتایا ہے۔ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں۔

فھذا ھو النوع الخامس من الاشباہ والنظائر وھو فن الحیل (الاشباہ ۲۱۶/۵)

تو یہ اشباہ ونظائر کی پانچویں قسم ہے اور وہ "حیلوں" کا فن ہے۔

ابن نجیم کی اس عبارت کو سامنے رکھیں، اور حیلہ کی اصطلاحی تعریف کو، ساتھ ہی ذیل میں دی جارہی الاشباہ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں اس سے معلوم ہوجائے گا کہ علامہ ابن نجیم کا فن حیل کو الاشباہ میں داخل کرنا محل نظر ہے۔ تاج الدین سبکی وغیرہم فرماتے ہیں۔

ان الاشباہ ھو ان یجتذب الفرع اصلان ویتنازع ماخذان ینظر الی اولاھما شبھا فیلحق بہ (علی احمد ندوی۔ القواعد الفقہیہ ۶۴)

"اشباہ یہ ہے کہ فرع کو دو اصل اپنی جانب کھینچیں اور دو ماخذ میں نزاع ہو (کہ وہ ہر ایک سے منسلک ہو) اس وقت ان میں سے نسبتہً زیادہ قریب اور زیادہ مشابہ کی طرف دیکھا جائے گا اور اس فرع پر اس مشابہ اور قریبی اصل کا حکم لگایا جائے گا"

(اشباہ ونظائر وفروق وغیرہ کی تفصیلات جاننے کے لئے راقم الحروف کی تحریر "فقہی قواعد" ملاحظہ فرمائیں)

ملتقط میں بھی کتاب الحیل آیا ہے لیکن وہاں تعبیر بدلی ہوئی ہے اور کتاب المخارج کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے "کتاب الحیل" کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا ہے۔

(شرح العقیدۃ الطحاویہ ۱/ تحقیق بشیر محمد عیون)

علامہ شامی کے صاحبزادے سید محمد علاء الدین آفندی نے ردالمحتار کے تکملہ میں امام خصاف کی جانب "کتاب الحیل" کی نسبت کی ہے (دیکھیں تکملہ ردالمحتار ۳۵۴/۱) اور کچھ ان مسائل

پر بھی بحث کی ہے جن کا ذکر امام خصاف نے کتاب الحیل میں کیا ہے ۔

اس عاجز کے ناقص مطالعہ کے مطابق اس موضوع پر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ مواد اہل علم کے سامنے پیش کیا ہے ۔ چنانچہ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف اعلام الموقعین کی تیسری جلد کا دو تہائی حصہ اور چوتھی جلد کا ایک تہائی حصہ حیلہ پر ہی مشتمل ہے اور انہوں نے بڑے شرح و بسط کے ساتھ ایک ایک مسئلہ پر بحث کی ہے ۔

کتب فقہ میں مختلف مسائل کے تحت حیلہ کا ذکر ملتا ہے ۔ بالعموم فقہ کی اکثر مفصل کتابوں کی "کتاب الزکاۃ" "کتاب الوقف، کتاب الطلاق اور کتاب الایمان وغیرہ میں حیلہ سے متعلق مسائل سامنے آتے ہیں ۔ علامہ وہبہ زحیلی نے اپنی مشہور تالیف" الفقہ الاسلامی وادلتہ" کی فہرست میں حیلہ سے متعلق چند مسائل کی فہرست یکجا کر دی ہے ۔

حیلہ عرف و عادت میں

جب لفظ حیلہ بولا جاتا ہے تو اس سے عام لوگوں کے ذہن میں کون سا مفہوم آتا ہے، اس سے عام لوگ کیا مراد لیتے ہیں ۔

عربی زبان کی بے پناہ وسعت اور ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے اور اس کے طرق استعمال و محل استعمال کے تتبع و تلاش کے بعد پتہ چلتا ہے کہ عام طور پر عربی داں حضرات اس کے دو ہی معنی مراد لیتے ہیں، ایک تدبیر اختیار کرنا، دوسرے بہانہ، مکر، کلام کو اپنے منشا و مراد سے پھیر دینا وغیرہ ۔

اردو زبان میں بھی حیلہ کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے ایک روزگار کام کے، اور دوسرے بہانہ و مکر کے، لیکن ہمارے ہاں عام رواج میں دوسرا معنی ہی سمجھا جاتا ہے ۔ پہلا معنی تقریباً متروک ہے ۔ (دیکھیں فیروز اللغات / ۳۰۸ دہلی)

چند متقارب الفاظ کی تشریح

حیلہ کے بعد یہاں اب ہم کچھ ان الفاظ کا ذکر کرتے ہیں جو کہ حیلہ کے ہم معنی یا متقارب المعنیٰ ہیں ۔ یہاں ان کے ذکر سے منشا یہ ہے کہ حیلہ اور اس سے متقارب الفاظ واضح ہو کر سامنے آجائیں اور بعد میں جب ان سے متعلق حرمت و حلت کے دلائل، متعلقہ مسائل اور مدارج

احکام ذکر کیے جائیں تو ان کے بارے میں کسی قسم کی ژولیدگی پیش نہ آئے یوں بھی جب کسی فنی لفظ پر بحث ہوتی ہے تو بحث و نظر کا تقاضا ہوتا ہے کہ مؤلف حتی الامکان اس کے متعلقات کا بھی ذکر کرے۔ اس سے مؤلف و قاری دونوں ہی کی حذاقت و طباعی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مطالعہ کے وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ معلومات میں وسعت اور نظر میں دقت پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ تعریض | بات کو گول مول بیان کرنے کو کہتے ہیں، وہ بات اتنی غیر واضح ہوتی ہے کہ اصل منشا سمجھ میں نہیں آپاتا۔ علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں۔

التعریض ضد التصریح (القاموس المحیط/۸۳۴) تعریض، تصریح کی ضد ہے۔

لسان العرب میں ہے۔

والمعاریض من الکلام ما عرض بہ ولم یصرح، واعراض الکلام معارضۃ ومعاریضہ: کلام یشبہ بعضہ بعضا فی المعانی کالرجل تسألہ: ھل رأیت فلانا فیکرہ ان یکذب وقد رآہ فیقول ان فلانا لیری۔

"معاریض من الکلام" اس گفتگو کو کہتے ہیں جس کو پیش کیا جائے لیکن صراحت نہیں کی جائے، اور جب اعراض الکلام معارضۃ ومعاریضۃ بولا جائے تو اس سے ایسی گفتگو سمجھی جاتی ہے جس کے معانی کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے مشابہ ہو مثلاً آپ کسی سے سوال کریں کہ آپ نے فلاں کو دیکھا ہے؟ اب وہ آپ سے جھوٹ بولنا پسند نہ کرے۔ حالانکہ اس نے فلاں شخص کو دیکھ رکھا ہے، تو وہ کہے گا کہ فلاں شخص دکھا گیا ہے[۱]۔

ایک دوسری مثال سے یوں سمجھیں کہ کوئی شخص جو آپ کو جانتا نہیں ہے آپ کو تلاش کرتا ہوا آیا اور آپ سے ہی دریافت کیا کہ آپ نے فلاں کو دیکھا ہے؟ اب آپ اسے اپنے متعلق بتانا بھی پسند نہیں کرتے اور جھوٹ بولنا بھی نہیں چاہتے، تو اس وقت آپ نے یہ کہا کہ آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے چند قدم ہٹ گئے اور جواب دیا کہ ہاں! فلاں ابھی یہیں تھے۔ احادیث میں متعدد مواقع پر تعریض کا ذکر آیا ہے، انشاء اللہ اس کا بیان آگے آئیگا۔

۱۔ خدع | خدع کے معنی دھوکہ کے ہیں۔ علامہ فیروز آبادی تحریر فرماتے ہیں۔
خدعہ کمنعہ، خدعا، ویکسر، ختلہ، واراد بہ المکروہ

[۱] لسان العرب ۱۴۹/۹

من حیث لا یعلم۔

خدعہ منعہ کے وزن پر ہے، مصدر خدع ہے، اور دال پر کسرہ بھی آتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ اسے دھوکہ دیا، اور اس کے ساتھ ناپسندیدہ حرکت کا ارادہ کیا، اس طرح کہ اسے معلوم نہیں ہو۔ (القاموس/۹۱۹)

ابن منظور فرماتے ہیں

الخدع اظہار خلاف ما تخفیہ — خدع بات کو اس کے خلاف ظاہر کرنا ہے جسے آپ چھپا رہے ہیں۔ لسان العرب ۴/۳۷

رجل مخدع ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے، جسے جنگ میں پے درپے دھوکہ کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ یہاں تک کہ اس معاملہ میں وہ ذہین اور تجربہ کار ہو گیا ہو۔ خدع فی الحرب مرۃ بعد مرۃ حتی حذق وصار مجربا (ایضاً)

خدع مطلقاً کسی چیز کے چھپانے کو بھی کہتے ہیں، اسی وجہ سے بڑے گھر کے اندرونی حصہ میں موجود کوٹھری کو "مخدع" کہتے ہیں: اخفاء الشئ وبہ سمی المخدع وھو البیت الصغیر الذی یکون داخل البیت الکبیر (ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں پر قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے مثلاً

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (البقرۃ ۹۔)

وہ اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے "خدع" سے وہی مراد لیا ہے جسے ہم دھوکہ اور فریب سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں تقریباً تمام جگہوں پر اس لفظ کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔

خداع کے معنی روکنے کے بھی ہیں، والخداع المنع (لسان العرب ۴/۳۸) اور جب عرب بولتے ہیں خدع الضب فی جحرہ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ گوہ بل میں داخل ہو گیا (القاموس ۹۱۹) نیز یہ "حیلہ" کا بھی ہم معنی ہے والخدع الحیلۃ (لسان العرب)

۳۔ مکر | مکر دھوکہ کے معنی میں آتا ہے، القاموس میں ہے۔

المکر الخدیعۃ (ص۶۱۴)

امام لیث فرماتے ہیں کہ چھپے ہوئے معاملات میں حیلہ اختیار کرنے کو مکر کہتے ہیں

المکر احتیال فی خفیۃ انہیں کا بیان ہے وسمعنا ان الکید فی الحروب حلال والمکر فی کل حلال حرام (ہم نے سنا ہے کہ جنگ میں کید حلال ہے اور ہر حلال میں مکر حرام ہے۔

ابن سیدہ کا قول ہے۔

المکر الخدیعۃ والاحتیال مکر دھوکہ اور حیلہ اختیار کرنا ہے۔

(لسان العرب ۱۳/۱۵۹)

حدیث علی میں کوفہ کی مسجد کے بارے میں مذکور ہے۔

جانبہ الایسر مکر، قیل کانت السوق الی جانبہ الایسر وفیھا یقع المکر والخداع۔ مسجد کے بائیں جانب مکر تھا، بعضوں نے کہا اس کے بائیں جانب بازار واقع تھا جس میں مکر و فریب اور دھوکہ ہوا کرتا تھا۔ (ایضاً)

قرآن مجید میں کئی جگہوں پر لفظ مکر آیا ہے۔ جیسے کہ

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (آل عمران: ۵۴) انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا، اور اللہ بہترین مکر کرنے والا ہے۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (النمل: ۵۰) اور انہوں نے ایک مکر کیا، اور ہم نے ایک مکر کیا اور وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

یہاں اللہ نے مکر سے کیا مراد لیا ہے اس سلسلہ میں ابن اثیر فرماتے ہیں۔

مکر اللہ ایقاع بلائہ باعدائہ اللہ کا مکر یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں پر بلا نازل کردے۔

امام راغب کی رائے ہے کہ

مکر اللہ امھالہ العبد وتمکینہ من اعراض الدنیا اللہ کا مکر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ڈھیل دے اور دنیاوی ساز و سامان پر قدرت دیدے

ایک رائے یہ بھی ہے کہ بندہ کو طاعات کے معاملات میں ڈھیل دی جاتی ہے۔ بندہ سمجھتا ہے کہ میری عبادت مقبول ہے حالانکہ وہ مردود ہوتی ہے۔ وقیل هو استدراج العبد بالطاعات فیتوهم انها مقبولة وهی مردودة

(حاشیہ القاموس ۶۱۴/۲ ، لسان العرب ۱۵۹/۱۳)

حاصل یہ ہے کہ مکر میں خدع کی طرح ایک فریق دوسرے کی اصل حرکت و ارادہ سے بے خبر رہتا ہے، البتہ اللہ کے مکر اور بندہ کے مکر میں بڑا فرق ہے۔

مکر کی اصل دھوکہ، فریب اور عیاری ہے۔ واصل المکر هو الخداع۔ (ایضاً) اس طرح نتیجہ کے لحاظ سے یہ حیلہ کے مترادف ہو جاتا ہے۔

۴۔ کید

'کید' کاد سے ہے، کہتے ہیں کاد یفعل کذا کیداً، قارب (لسان العرب ۱۱۹/۱۲) یعنی معنی قریب ہوا قرار پایا۔

کید کوے کی اس چیخ کو بھی کہتے ہیں جس میں وہ زور لگاتا ہے۔ الکید صیاح الغراب بجهد (ایضاً) اور کید کے معنی کبھی قے کے آتے ہیں (القاموس المحیط ۳۰۲/۱) مشہور صاحب لغت علامہ ابن منظور علیہ الرحمۃ نے حضرت قتادہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اذا بلغ الصائم الکید افطر — جب روزہ دار کو قے ہو جائے تو وہ مفطر ہو گیا۔ (لسان العرب ۲۰۰/۱۲)

اگر اس کا استعمال عورت کے ساتھ ہو تو پھر حیض کے معنی ہوں گے، جو عورت حائضہ ہونے لگے / ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: کادت تکید کیداً، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں 'کدن' کا لفظ آیا ہے، روایت یوں ہے۔

انه نظر الی جوار قد کدن فی الطریق فامران یتنحین — انہوں نے لفظ میں دیکھا تو راستہ میں عورتیں حائضہ ہو گئی تھیں آپ نے انہیں پرے ہٹ جانے کا حکم فرمایا۔ (ایضاً)

علامہ فیروز آبادی کی نقل کے مطابق اس کا معنی مکر، خبث، گندگی، حیلہ اور لڑائی ہے نیز اس کے معنی میں مکر و خبث بھی شامل ہے (القاموس ۳۳۲/۱)

قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہوں پر آیا ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَّاَكِيدُ كَيْدًا ‎ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں۔

(الطارق ۱۶-۱۵)

حضرت شیخ الہند نے کید کا ترجمہ "داؤ لگانا" فرمایا ہے، اور دوسرے اکابرین نے تدبیریں کرنا، حقیقۃً نتیجہ کے لحاظ سے دونوں معنی میں کوئی فرق نہیں ہے، تدبیریں اللہ کی جانب سے ہو رہی ہیں، اور کفار ومشرکین کی جانب سے بھی۔ زجاج کہتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ جو کچھ اندر سے ہیں اسکے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر کرتے ہیں، یہ مطلب ہوا اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا کا، اور اللہ جل شانہ ان کی مکاری اور بدعملی پر اس انداز سے ڈھیل دے رہا ہے کہ انہیں احساس بھی نہیں ہو پاتا یہ مطلب ہوا وَاَكِيدُ كَيْدًا کا، انهم يخاتلون النبی صلی اللہ علیہ وسلم ويظهرون ما هم علی خلافه، واكيد كيدا، قال، كيد الله تعالٰی لهم استدراجهم من حيث لا يعلمون ‎ (لسان العرب ۱۲/۲۰۰)

آیت کے ترجمہ میں کید کا ترجمہ جو "تدبیر" سے کیا گیا ہے وہ بھی علماء لغت سے ثابت ہے۔ علامہ ابن منظور تحریر فرماتے ہیں۔

والكيد التدبير بباطل او حق ‎ (ایضا) ‎ کید حق یا باطل کے ذریعہ تدبیر کرنے کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو تدبیر ہوتی ہے وہ حق کے ساتھ اور حق کے لئے ہے جب کہ کفار کی تدبیر باطل کے ساتھ اور باطل کے لئے ہوتی ہے۔

۵۔ دجل

دجل کے معنی ڈھانپنے کے ہیں۔ (ایضا ۴/۲۹۴)

اسی سے دجال کو دجال کہا گیا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے حق پر پردہ ڈال دے گا۔ حق کی صورت واضح نہیں ہونے دے گا۔ اور باطل کو اس انداز میں پیش کرے گا کہ لگے گویا یہی حق ہے کیونکہ اس نے باطل پر حق کی ملمع سازی کر رکھی ہوگی۔ اور جس طرح پیتل پر سونے کا پانی چڑھانے کے بعد لوگوں کو وہ پیتل سونا دکھائی دیتا ہے اسی طرح دجال کی تلبیس اور باطل کو مزین و آراستہ کر کے پیش کرنے کی وجہ سے وہ حق نظر آئے گا۔

غطی و طلی بالذھب لتموبیھہ بالباطل (فیروزآبادی القاموس المحیط ۱۲۸۹) سمی دجالا لتموبھہ علی الناس وتلبیسہ وتزیینہ الباطل (لسان العرب ۴/ ۲۹۴)

اس کے معنی میں جھوٹ بھی شامل ہے (القاموس) اور کبھی کبھی اس کا استعمال دھوکہ وفریب کے لئے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل لغت نے حضرت ابوبکر کی ذیل کی حدیث سے دھوکہ کے معنی پر استدلال کیا ہے۔

ان ابابکر رضی اللہ عنہ خطب فاطمہ رضی اللہ عنہا الی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انی وعدتہا لعلی ولست بدجال (ای بخداع) (لسان العرب)	حضرت ابوبکر رضی اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے نکاح کا پیغام دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فاطمہ کے سلسلہ میں علی کے واسطے وعدہ کر رکھا ہے اور میں دجال نہیں ہوں یعنی دھوکہ دینے والا

متقارب الفاظ پر بحث کو اب یہیں ختم کیا جاتا ہے، اب ہم موضوع کے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوں گے، جس میں اس پر غور وفکر کیا جائے گا کہ حیلہ کو۔ یا جو نام دے لیں شرعی لحاظ سے درست قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حیلہ جائز ہے تو کیوں؟ اور حرام ہے تو کیوں؟ حلت وحرمت دونوں ہی قسم کے دلائل انشاء اللہ کتاب وسنت وکتب فقہیہ سے دینے کی کوشش کی جائے گی۔

چنانچہ پہلے حرمت کے دلائل پیش کئے جائیں گے، بعد میں حلت کے دلائل پیش کئے جائیں گے۔

(جاری)

از:۔ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی
القضاء الشرعی، ابوظبی

الہلال

اور

حضرت سید صاحبؒ

الہلال کی ادبی و سیاسی اہمیت، اس کے گوناگوں کارناموں اور دور رس نتائج کا کریڈٹ عام طور پر مولانا آزاد کو دیا جاتا ہے اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ لیکن الہلال کے چمن کو سدا بہار بلکہ فردوس نظیر بنانے میں اس کے اڈیٹوریل اسٹاف میں شامل ملک کے دوسرے نامور اہل قلم نے بھی اپنا خونِ جگر شامل کیا ہے۔

الہلال کے دورِ اول میں اس کا ادارۂ تحریر کچھ تو مولانا آزاد کی دلکش شخصیت اور زیادہ تر اخبار کی دعوتی و تحریکی اہمیت اور غلغلہ کے باعث ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم اور بہترین اشخاص کا مجموعہ ہو گیا تھا۔ جس کا اندازہ ناموں کی اس فہرست سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ سید سلیمان ندوی، خواجہ عبدالواحد ندوی، عبداللہ عمادی اور حامد علی صدیقی[1] الہلال کا تنوع ابوالکلام آزاد کے ساتھ ساتھ ان ممتاز قلم کاروں کا رہین منت ہے۔ بقول عبدالماجد دریابادی۔

"روزنامہ کے لئے نہیں ایک ہفتہ وار کے لئے اتنا بڑا اور ایسا کھرا اسٹاف اردو صحافت کی تاریخ میں کسی اور کو کیوں نصیب ہوا ہوگا۔"[2]

مالک رام نے بہت درست لکھا ہے۔

" الہلال کے تمام کارناموں سے قطع نظر اس کی اہمیت اور معیار کا اندازہ لگانے کے لئے صرف اس کا حیرت انگیز ادارۂ تحریر ہی کافی ہے۔ جو ملک کے صف اول کے ادیبوں اور انشا پردازوں پر مشتمل تھا۔ ہفتہ وار تو درکنار کسی اردو

ماہنامے کو بھی آج تک ایسا شاندار اڈیٹوریل اسٹاف نہ ملا ہوگا۔[3]

الہلال کی اس ادارتی کہکشاں میں علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت خصوصیت کے ساتھ کوکب تاباں کی حیثیت رکھتی ہے۔ سید صاحب سے مولانا آزاد کے روابط الندوہ کی سب اڈیٹری کے زمانہ ہی میں قائم ہو چکے تھے۔ علامہ شبلی کے واسطے سے دونوں خواجہ تاش اور پرانے رفیق تھے اور باہم اخلاص و مودت کے ساتھ دونوں ایک دوسرے کی صلاحیتوں کے کھلے دل سے معترف تھے۔ جس پر سید صاحب کے نام مولانا آزاد کے خطوط شاہد عدل ہیں۔

۱۹۱۲ء میں جب الہلال طلوع ہوا تو کچھ عرصہ تک مولانا آزاد نے اس کو تنہا سنبھالا مگر پھر اپنی گوناگوں سیاسی مصروفیتوں کے باعث معاونین کے متلاشی ہوئے۔ اور سید صاحب کو جن کی صلاحیتوں سے وہ کماحقہ واقف اور معترف تھے۔ اس اخبار کے عملۂ ادارت میں شرکت کے لئے اصرار کیا۔ ادھر سید صاحب علامہ شبلی کے ندوہ سے مستعفی ہو جانے کے باعث وہاں سے دل برداشتہ ہو چکے تھے چنانچہ الہلال کے مشن و دعوت کو اپنے خاص ذوق و رجحان کے مطابق پاکر وہ مئی ۱۹۱۳ء میں اس کے ادارہ تحریر میں شامل ہو گئے[4] سید صاحب نے اس سلسلہ میں خود ہی لکھا ہے کہ اس زمانہ میں الہلال ایک سیاسی بین الاسلامی تحریک سمجھی جاتی تھی اور مجھے حضرت الاستاذ کی صحبت و تربیت میں اس سے دلچسپی تھی۔ اس لئے مولانا ابوالکلام کے کہنے سے مولانا شبلی کے پاس سے مولانا ابوالکلام کے پاس الہلال میں چلا آیا[5] شاہ معین الدین ندوی نے سید صاحب کے الہلال سے تعلق کا ۱۹۱۴ء بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے[6]

بہر حال سید صاحب الہلال کے ادارۂ تحریر سے چار پانچ ماہ وابستہ رہے[7] اس مختصر مدت میں انہوں نے بہت سے گرانقدر علمی و مذہبی مقالات لکھے۔ خاص طور پر اسلامی و دینی موضوعات پر ان کے اور عبدالسلام ندوی کے مضامین نے الہلال کے مشن و دعوت کی تکمیل میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ عبدالماجد دریابادی رقم طراز ہیں۔

"سید صاحب جب الہلال میں پہنچے تو نام کا تو یہ اب بھی الہلال ہی رہا لیکن اہل بصیرت دیکھ رہے تھے کہ ہلال بدر کامل بن گیا ہے ..... خود عربی کے

قدیم و جدید ماخذوں کی مدد سے مسلمانوں کے لئے دینی و تمدنی اور سیاسی و تاریخی ہر عنوان سے متعلق بہترین معلومات پیش کرنا، یہ کام تو سید صاحب کا تھا ہی۔ باقی خود ہندوستان کی سیاسیات حاضرہ پر مقالہ لکھنے میں سید صاحب اپنے چیف اڈیٹر سے پیچھے نہ رہے"۔[۸]

لیکن اسی چند ماہ میں مولانا آزاد کے عادات و خصائل کی بعض بوالعجبیوں کے باعث ان کا دل الہلال سے اُچاٹ ہوگیا۔ اور وہ وہاں سے علیحدہ ہوکر پونا کالج میں فارسی کے استاذ ہوکر چلے گئے۔ مولانا آزاد کو سید صاحب کی علیحدگی کا بے حد ملال ہوا اور انہوں نے سید صاحب سے دوبارہ شرکت و مصالحت کے لئے ملتجیانہ اصرار کیا مگر وہ تیار نہیں ہوتے۔

الہلال میں ادارے کی طرف سے جو مضامین شائع ہوتے تھے عموماً لکھنے والوں کے ناموں سے معرے ہوتے تھے۔ اس لئے یہ پتہ لگانا بہت دشوار رہا ہے کہ سید صاحب نے الہلال میں کتنے اور کون کون سے مضامین لکھے۔ جن مضامین پر "السید سلیمان الزیدی" یا "سید سلیمان دسنوی" لکھا ملتا ہے وہ یا تو مولانا ابوالکلام آزاد کی غیر موجودگی میں چھپے ہیں یا پھر سید صاحب کی الہلال سے علیحدگی کے بعد شائع ہوئے۔ موخر الذکر کے ساتھ اسی لئے "پروفیسر عربی کالج پونا" بھی لکھا ہوا ہے۔ مدیر الہلال سے سید صاحب کی جملہ شکایات میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ مضامین کو نام سے معرے کرکے اور اپنے "خامۂ اصلاح کی ضربات شدیدہ" کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔[۹] چنانچہ جب مولانا آزاد کلکتہ سے باہر ہوتے تو سید صاحب اپنے مضمون کو نام کی صراحت کے ساتھ شائع کرتے تھے۔

الہلال میں ناموں سے معریٰ مضامین کی اشاعت بعد میں بڑے فتنے کا باعث ہوئی۔ کیونکہ ادارہ میں شامل ہر اہل قلم اپنی تحریروں میں مخصوص ابوالکلامی رنگ سے ہم آہنگ ہوکر لکھنے کی کوشش کرتا تھا اور وہ سب ابوالکلام کے سحر کار قلم کی تراوش سمجھ کر پڑھے جاتے تھے۔ غالباً اس وقت یہ پالیسی صحافیانہ مصلحت کے پیش نظر اختیار کی گئی ہوگی۔ لیکن اس کے باعث سب سے بڑا علمی نقصان یہ ہوا کہ عملۂ ادارت کے تمام ارکان کی تحریری کاوشوں پر پردہ پڑ گیا۔ علامہ شبلی نے عبدالسلام ندوی کو اسی لئے یہ دوررس مشورہ دیا تھا کہ "تم الہلال میں جاؤ مضائقہ

نہیں لیکن شرط یہ کرلو تم الہلال میں جذب نہ ہو جاؤ، یعنی جو لکھو اپنے نام سے لکھو ورنہ تمہاری زندگی پر بالکل پردہ پڑ جائے گا اور آئندہ ترقیوں کے لئے مضر ہوگا۔[۱۰] ان ہی نام ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

"تمہارے مضامین الہلال میں دیکھتا ہوں۔ مولوی ابوالکلام صاحب اجازت دیں تو نام لکھا کرو۔ ایسے مضامین گمنام ٹھیک نہیں ہوتے اس لئے کیا فائدہ کہ ایک شخص کی زندگی گم ہو جائے۔"[۱۱]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد جب مضامین الہلال کے مجموعے مرتب کئے جانے لگے تو بلاتحقیق اس رنگ کے تمام مضامین ابوالکلام کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔ حالانکہ ان مضامین میں کشف ساق اسوۂ نوحی، اور اسوۂ ابراہیمی عبداللہ عادی، الحرب فی الاسلام، مولانا عبدالسلام ندوی اور "انسانیت موت کے دروازے پر" عبدالرزاق ملیح آبادی کے کاوش فکر و قلم کا ثمرہ ہیں مگر ناشرین نے سب کو ابوالکلام کے نام سے شائع کر دیا ہے۔[۱۲] خود عبدالرزاق ملیح آبادی نے بھی صراحت سے لکھا ہے کہ

"الہلال میں میرا نام نہیں چھپتا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ "عالم انسانیت موت کے دروازے پر" کے جتنے مضامین نکلے انھیں لوگوں نے مولانا کی تصنیف قرار دے کر کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔"[۱۳]

اسی طرح بہت سے نقوش سلیمانی مثلاً "مشہد اکبر"، "تذکار نزول قرآن"، احرار اسلام اور قصص بنی اسرائیل اور الحریتہ فی الاسلام بھی مولانا آزاد کے کھاتے میں ڈال دیئے گئے ظفر حسین خاں نے بہت صحیح لکھا ہے کہ "مولانا آزاد کا اسلوب بلاشبہہ ناقابل نقل ہے لیکن الہلال کی بعض تحریریں جید سے جید ناقدین کے سامنے رکھ دی جائیں اور پوچھا جائے کہ کون سی تحریر سید صاحب کی ہے اور کون سی مولانا آزاد کی تو بتانا مشکل ہوگا۔ مولانا ابوالکلام کے مضامین اور مقالات جمع کرنے والی کمیٹی میں ایسا شخص ہونا چاہئے جو سید صاحب کے مضمونوں کو مولانا آزاد کے مضمونوں سے الگ کر سکے۔"[۱۴]

راقم سطور کے نزدیک الہلال کے تمام مختلف فیہ مضامین کے ابوالکلام کی طرف منسوب

ہوجانے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ الہلال کے عملۂ ادارت میں شامل سارے اہلِ قلم ابوالکلامی اسلوب کی تتبع کی کوشش کرتے تھے۔ گو ان میں "مولوی مدن" والی بات پیدا نہ ہو پاتی۔ تاہم یہ فرق اتنا باریک ہوتا تھا کہ کوئی دقیقہ رس نکتہ سنج اور وسیع النظر نقاد ہی اس کو محسوس کر سکتا تھا۔ غالباً الہلال کی مقبولیت و شہرت کی بقا کے لئے اس رنگ میں لکھنا ضروری خیال کیا جاتا تھا اگر یہ مضمون نگار اپنے فطری اسلوب میں لکھتے تو پھر یہ اختلافی مسئلہ نہ کھڑا ہوتا۔

بہرحال ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم الہلال میں شائع شدہ سید سلیمان ندوی کے تمام مضامین کی نشاندہی کر سکیں لیکن خود سید صاحب کے بیانات اور بعض دوسرے قرائن سے الہلال کے نقوش سلیمانی کی حسب ذیل فہرست مرتب ہوتی ہے۔

۱۔	الحریۃ فی الاسلام	قسط اول	۲ر جولائی ۱۹۱۳ء
۲۔	" "	" دوم	۹ر " "
۳۔	" "	" سوم	۱۶ر " "
۴۔	" "	" چہارم	۲۴ر " "
۵۔	" "	" پنجم	یکم اکتوبر "
۶۔	" "	" ششم	۸ر " "
۷۔	تذکار نزول قرآن		۶ر اگست "
۸۔	مشہد اکبر اول ۱۳ھ		۱۳ر " "
۹۔	تاریخ اسلام کا ایک غیر معروف صفحہ	قسط اول	۱۰ر ستمبر "
۱۰۔	" " "	" دوم	۱۷ر " "
۱۱۔	" " "	" سوم	۲۴ر " "
۱۲۔	" " "	" چہارم	یکم اکتوبر "
۱۳۔	قصص بنی اسرائیل	قسط اول	۲۴ر ستمبر "
۱۴	" "	" دوم	۱۵ر اکتوبر ۱۳ء
۱۵	" "	" سوم	۱۲ر، ۱۹ر، نومبر "

۱۶-	عربی زبان اور علمی اصطلاحات	قسط اول	۲۷ر اگست ۱۹۱۳ء
۱۷-	" " "	" دوم	۳ر ستمبر "
۱۸-	افکار وحوادث ۶ـلہ	" اول	۱۷ر " "
۱۹-	" " "	" دوم	۸ر اکتوبر "
۲۰-	" " "	" سوم	۱۵ر " "
۲۱-	" " "	" چہارم	۲۲ر " "
۲۲-	" " "	" پنجم	۲۹ر " "
۲۳-	" " "	" ششم	۵ر نومبر "
۲۴-	علوم القرآن	قسط اول	۱۱ر فروری ۱۹۱۴ء
۲۵-	" " "	" دوم	۲۵ر مارچ "
۲۶-	" " "	" سوم	۸ر جولائی "
۲۷-	اساطیر الاولین	" اول	۱۵- ۲۲- اپریل ۱۹۱۴ء
۲۸-	آثار اسلامیہ	" اول	البلاغ ۱۲ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۵ء
۲۹-	" "	" دوم	" ۲۶ر " "
۳۰-	اسلام اور سوشلزم		" ۱۱ر فروری ۱۶ء
۳۱-	اصلاح معاشرت اور اسلام	" اول	" ۱۸ر " "
۳۲-	" " "	" دوم	" ۲۵ " "
۳۳-	مدارس اسلامیہ (جامعہ ازہر)	" اول	" ۳ر ۱۰ر مارچ "
۳۴-	" " "	" دوم	" ۱۷ر ۲۴ر ۳۱ر "

مشہد اکبرؒ کا قضیہ

الہلال اور سید سلیمان ندوی کا ذکر آتے ہی ذہنی افق پر مشہد اکبرؒ کا وہ قضیہ خود بخود ابھرنے لگتا ہے جس نے ایک زمانہ میں دنیائے اردو کو بحث و جدال کی مبارزگاہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ اور ابوالکلام و سید صاحب دونوں کے عقیدت کیشوں کے سلسلۂ مضامین سے اخبارات و رسائل کے سیکڑوں صفحے سیاہ ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ کتنا ہی

ناخوشگوار سہی لیکن متعدد دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے الہلال ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کے اداریہ "مُشہد اکبر ۱" کی ملکیت کا فیصلہ سید صاحب کے حق میں ہو چکا ہے۱۷ اس لئے سید صاحب کا کوئی محقق ان کی ادبی زندگی کے اس رخ سے صرف نظر کر کے حق تحقیق ادا نہیں کر سکتا کیونکہ اس مضمون سے سید صاحب کے طرز نگارش کے ارتقا اور مختلف اسالیب تحریر سے ہم آہنگ ہو کر کامیاب گزر جانے کے غیر معمولی کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس نزاعی مضمون کے سبب تحریر کی تفصیل یہ ہے کانپور کے محلہ مچھلی بازار میں لب سڑک ایک مسجد اور اس کے قریب ہی ایک مندر تھا۔ کانپور کی میونسپلٹی اس کے پاس سے ایک نئی سڑک نکالنا چاہتی تھی۔ اور مندر کے بچانے میں مسجد کا وضو خانہ اس سڑک کی راہ میں حائل ہوتا تھا مقامی حکام نے اس کو مسلمانوں کی مرضی کے خلاف بجبر منہدم کرا دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانان ہند میں غم و غصہ کی عام لہر دوڑ گئی۔ گاؤں گاؤں کے مسلم گھرانوں میں بے چینی اور اضطراب پھیل گیا۔ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کو جب رمضان المبارک کی دسویں تاریخ تھی کانپور کے مسلمانوں نے مولانا آزاد سبحانی کی سرکردگی میں اس کے خلاف عظیم الشان احتجاجی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ نے جوش و خروش میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کا ایک گروہ جن میں بچے بھی تھے مسجد پہنچا اور وضو خانہ کی گری ہوئی اینٹیں اٹھا کر منہدم دیوار پر چننے لگا۔ یہ دیکھ کر مسٹر ٹیلر ڈپٹی کمشنر کانپور نے مسجد پر متعین فوج کو ان نہتے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ فوجی پولیس کے سپاہیوں نے ان پر نہایت بے رحمی سے فائرنگ کر دی اور قریب سے برچھے مارے اس میں بہت سے مسلمانوں نے جن کی تعداد کا صحیح علم کسی کو نہیں ہو سکا۔ جام شہادت نوش کیا، شہیدوں اور زخمیوں میں ننھے ننھے بچے بھی شامل تھے۱۸

اس خونیں واقعہ نے تمام ہندوستانی مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی آتش فشاں مقرروں، شعلہ فشاں اہل قلم اور شعلہ نفس شاعروں نے اپنی تقریروں، تحریروں اور نظموں سے پورے ہندوستان میں آگ لگا دی۱۹ علامہ شبلی کی معرکۃ الآرا پُر درد نظم "معرکہ کانپور" اس موقع کی تخلیق ہے۔ جس کا ہر شعر غم و درد اور بے چینی و اضطراب قلب کی تصویر کشی کرتا ہے۔ ہر مسلم اخبار نے اس المیہ کی مذمت میں اداریے لکھے۔ چنانچہ الہلال نے بھی اس واقعہ محزنہ کے سلسلہ میں

مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۱۳ء کی اخبار کی دوسری جلد کا اہم ترین مسئلہ یہی ہے سید سلیمان ندوی اس واقعہ سے کچھ عرصہ پیشتر الہلال کے عملۂ ادارت میں شامل ہو چکے تھے۔ اپنے استاذ کی طرح ان کا بھی دل اس دردناک المیہ سے تڑپ اٹھا اور فرطِ تاثر میں "مشہدِ اکبر" کی سرخی سے الہلال کے اوراق کو رنگین بنا دیا[20]۔ اس آتش بار مقالے نے علمی و سیاسی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا بقول سید صباح الدین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے اس مقالہ کو سیاہی سے لکھنے کے بجائے خونِ جگر سے تحریر کیا ہے۔ الفاظ کے بجائے کاغذ کے صفحہ پر اپنے لختہائے جگر بکھیر کر رکھ دیئے۔ اس کی ہر ہر سطر میں اندوہ و غم۔ جوش و ولولہ اور کرب و بے چینی کا ایک طوفان بپا نظر آتا ہے[21]۔ حکومت کو اس کی اشاعت سے نقضِ امن کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اس اشاعت کو ضبط کر لیا۔ اور الہلال سے دو ہزار کی ضمانت طلب کر لی۔

سید صاحب کے اس مضمون کا طرزِ بیان اس قدر مختلف تھا کہ خود علامہ شبلی بھی جن سے زیادہ سید صاحب کے "اندازِ قد" کا عارف کون ہو سکتا تھا، اندازہ نہ کر سکے کہ یہ مضمون کس کا ہے[22]۔ اب ذیل میں اس آتش بار مضمون کے کچھ اہم اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہو گا کہ جسدِ سلیمانی میں روحِ ابوالکلامی کس شدت کے ساتھ حلول کر گئی ہے۔ مضمون کا آغاز فارسی کے چند اشعار اور آیاتِ قرآنی سے کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

> "زمین پیاسی ہے اس کو خون چاہیئے[1] لیکن کس کا ؟ مسلمانوں کا ! طرابلس کی زمین کس کے خون سے سیراب ہے ؟ مسلمانوں کے ! ایران پر کس کی لاشیں تڑپتی ہیں ؟ مسلمانوں کی ! سرزمین بلقان میں کس کا خون بہتا ہے ؟ مسلمانوں کا ! ہندوستان کی زمین بھی پیاسی ہے۔ خون چاہتی ہے، کس کا ؟ مسلمانوں کا ! آخر کار سرزمین کانپور پر خون برسا اور ہندوستان کی خاک سیراب ہوئی۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

> "مسلم ہستی تو اب کہاں بسے گی ؟ کہ تیرے لئے ہندوستان بھی امن کا گھر نہیں رہا جس کو تو سب سے بڑی اسلامی حکومت کہتی تھی وہ بھی تیرا خون مانگتی ہے لیکن دشمنی سے نہیں محبت سے۔ وہ تیری محبت اور وفاداری کا امتحان لیتی ہے

سر دستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ع

"ہمالیہ تو دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ ہے، تو تند و تیز ہوا کو روک لیتا ہے، تو پُر غیظ و غضب بادل کو ٹھکرا کر پیچھے ہٹا دیتا ہے کیا تو ہمارے شدائد و مصائب کا طوفان نہیں روک سکتا۔ کیا تو ہمارے خوف و غم کے بادل کو پیچھے نہیں ہٹا سکتا"۔

پھر لکھتے ہیں۔

"۴ر اگست کی صبح انقلاب حکومت برطانیہ کی تاریخ ہے۔ بہادر سپاہی جس وقت غریب و ناتواں اور غیر مسلح نوجوانوں پر گولیاں برسا رہے تھے انہیں کیا خبر تھی کہ یہ گولیاں ان نوجوان انسانوں کے سینوں کو توڑ توڑ کر برطانی عدل و انصاف کو زخمی کر رہی ہیں۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ اس گولی کا نشانہ اس ستون کو کمزور کر رہا ہے جس پر حکومت برطانیہ کی عمارت قائم ہے۔ وہ مسرور ہیں کہ ہم وفاداری کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ نادانو! تم اس سے عداوت کر رہے ہو۔ جس کی محبت کا اظہار کر رہے ہو"

مشہد اکبر کی مرقع کشی اس طرح کرتے ہیں۔

"وہ کیا عجیب منظر تھا جب کربلائے کانپور میں کئی ہزار بے دست و پا برطانوی رعایا برہنہ سر، برہنہ پا، باچشم نم، بادل پرغم ایک سیاہ علم کے نیچے جو اسلام کی مظلومی و بے کسی کا نشان تھا، کئی معصوم بچوں کے ساتھ چند اینٹوں اور پتھروں کا ڈھیر لگا رہی تھی اور اس کی زبان پر وہ دعا جاری تھی جو وقت تعمیر کعبہ ابراہیم و اسمٰعیل کی زبان پر جاری تھی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔۔ پروردگار (اپنے گھر کے لئے ہماری ان چند اینٹوں کو) قبول کر تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ پُر اثر مقدس نظارہ ختم نہیں ہوا تھا کہ مسٹر ٹائیلر (مجسٹریٹ کانپور) کی سپہ سالاری میں ایک مختصر سوار اور پیدل فوج تمام اسلحہ سے مسلح نمودار ہوتی ہے۔ اور دس منٹ تک اپنی بندوقوں سے اڑا اڑا کر گولیوں کی ایک چادر ہوا میں پھیلا

دیتی ہے۔ پردہ جب چاک ہوتا ہے، میدان میں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی لاشیں نظر آتی ہیں۔ جن میں بعض معصوم جانیں بھی ہیں جو افسوس دم توڑ چلیں"

اور آخر میں مقتولین، مجروحین اور معصومین کانپور کو اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ غم کا طوفان امنڈنے لگتا ہے۔

"مقتولین کانپور! تم پر نمازیں نہیں پڑھی گئیں کہ تم مغفور تھے، ہم گنہ گار تمہاری مغفرت کی کیا دعا مانگتے۔ لیکن سنا ہے کہ تم کو کفن نہیں ملا۔ گولیوں اور بندوقوں کی قطع برید کے بعد تمہارے جسم اسپتال کی قینچیوں اور چھریوں کے کام آئیں گے غزوۂ بنی لحیان میں شہدائے اسلام کی لاشیں فرشتوں نے اٹھائی تھیں۔ ہم آج بھی یقین رکھتے ہیں کہ اخفائے راز کے لئے اگر پولیس نے تمہاری لاشیں دریا میں پھینک دیں اور زمین میں دفن نہیں کیں تو یقیناً تمہاری لاشوں کو فرشتوں نے اٹھالیا کہ رضوان الٰہی ان کا منتظر تھا۔"

مجروحین کانپور! تم نے گولیاں کھائی ہیں۔ نیزوں سے تمہارے سینوں میں سوراخ کیا گیا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں سنگیں بھونکی گئی ہیں، تمہارے ایک ایک عضو کو زخموں سے چور کیا گیا ہے تمھیں یاد ہوگا کہ فرات کے کنارے بھی اسلام کا ایک قافلہ اسی طرح لٹا تھا۔ جس کے بعد بنی امیہ کی تاریخ کا ورق الٹ گیا۔"

معصوم بچو اور ریاض کے نودمیدہ غنچو! تمھیں کس نے مرجھا دیا؟ مسٹر جیمس مسٹن کے طعن نے تمہارے بے گناہ و ناآشنائے جرم دلوں کو مضطرب کر دیا۔ تم بڑھے کہ دھن زخم سے اس الزام کی تکذیب کرو۔ اے طائران قدس اڑ جاؤ کہ عرش کی سبز قندیلیں تمہاری منتظر ہیں"[۲۳]

جیسا کہ اقتباسات بالا سے ظاہر ہے یہ مضمون الہلال کے روایتی رنگ میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں وہ آنکھ بند کر کے اس کو مولانا ابوالکلام ہی کے اشہب قلم کی جولانی خیال کرتے ہیں۔ عبدالماجد دریابادی نے درست لکھا ہے کہ "اس مضمون کو آج بھی اٹھا کر دیکھئے۔ کہیں سے پتہ بھی نہ چلنے پائے گا کہ مضمون ابوالکلام کا

نہیں ان کے ادبی ہم زاد کے قلم کا ہے"[۲۴] اسی غلط فہمی کے باعث الہلال میں نام سے معریٰ شائع شدہ سید صاحب کے بعض مضامین کے ساتھ مذکورہ بالا مقالہ بھی مولانا ابوالکلام کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ راقم کی تحقیق کے مطابق سید صاحب نے مشہد اکبر پر اپنے دعوے کا اظہار سب سے پہلے مکاتیب شبلی جلد دوم کے ایک مکتوب کے سلسلہ میں کیا ہے[۲۵] علامہ شبلی نے الہلال کی شرکت ادارت کے زمانے میں سید صاحب کو ایک خط لکھا جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ

"الٰہ آباد گورنمنٹ نے الہلال کا پرچہ مشہد اکبر قابلِ ضبطی قرار دیا ہے"۔

اس پر سید صاحب نے حاشیہ میں یہ توضیحی نوٹ سپرد قلم کیا ہے۔

"مشہد اکبر کی سرخی سے مکتوب الیہ ہی کا لکھا ہوا مضمون الہلال کے لیڈنگ آرٹیکل میں واقعہ کان پور کی نسبت شائع ہوا تھا۔ تمام ملک نے اس مضمون کو پسند کیا اور اب تک اس کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ مضمون اس قدر پرجوش تھا کہ گورنمنٹ نے اس کو قابل ضبطی قرار دیا اور اس جرم میں الہلال سے دو ہزار کی ضمانت طلب کی۔ مولانا شبلی کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کس کا لکھا ہوا تھا"[۲۶]

مکاتیب شبلی کی یہ جلد ۱۹۱۷ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی تھی اور دار المصنفین کی تمام نئی مطبوعات کی طرح حسب معمول یہ کتاب بھی مولانا آزاد کے مطالعہ سے ضرور گزری ہوگی۔ اس وقت سے ۱۹۴۵ء تک نہ تو خود مولانا آزاد نے اور نہ کسی اور ہی اہل فطر نے سید صاحب کے مذکورہ بالا دعوے کی تغلیط و تردید کی کوشش کی۔ اس بنا پر ہمیشہ یہ حقیقت ثابتہ خیال کی جاتی رہی ہے کہ مشہد اکبر کا مذکورہ الصدر اداریہ سید سلیمان ندوی کے قلم کا رہین منت ہے۔

اس کے ۲۴ برس کے بعد رسالہ معارف کے متعدد نمبروں میں "اسلامی نظریہ سیاست" پر مولانا حیدر زماں صدیقی کا ایک عالمانہ مقالہ شائع ہوا جس کی افادیت کے پیش نظر بعد میں مضمون نگار نے اس کو علیحدہ کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اس پر سید صاحب سے مقدمہ لکھوایا۔ اس مقدمہ میں سید صاحب نے تحدیث نعمت کے طور پر لکھا کہ "اب تو الحمدللہ اس موضوع پر لکھنے والے بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن آج سے ۲۵۔۳۰ برس پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور الندوہ ۱۹۰۸ء میں اشتراکیت اور اسلام کے

عنوان سے ایک مضمون لکھا جو اس وقت بہت پسند کیا گیا۔ پھر اس کو الہلال کی شرکت ادارت کے زمانے میں از سر نو لکھا اور وہ الحریۃ فی الاسلام کے عنوان سے الہلال کے کئی نمبروں میں شائع ہوا۔ چونکہ حسب معمول یہ سلسلہ مضمون بھی الہلال میں مضمون نگار کے نام سے معرّیٰ شائع ہوا تھا۔ اس لئے محض اظہار واقعہ کے لئے اس پر سید صاحب نے یہ حاشیہ لکھا۔

" الہلال میں چونکہ مضمون نگاروں کے نام نہیں لکھے جاتے تھے اس لئے الہلال کے مضمونوں کے مجموعے شائع کرنے والوں نے بلا تحقیق ہر مضمون کو مولانا ابوالکلام کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ الحریۃ فی الاسلام[۲۷] تذکار نزول قرآن، حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق۔ قصص بنی اسرائیل، مشہد اکبر نمبر اول وغیرہ میرے مضامین ہیں"[۲۸]

مذکورہ کتاب کا یہ مقدمہ بعد میں سید ریاست علی ندوی نے اپنی سب اڈیٹری کے زمانے میں" سیاسیات اسلام کے نظریے "کے عنوان سے حاشیہ مذکور کے ساتھ معارف میں شائع کر دیا۔ اور پھر وہاں سے اس کو کراچی کے رسالہ مستقبل (اکتوبر ۴۹ء) نے اپنے صفحات میں نقل کیا اور اس طرح رفتہ رفتہ نقل در نقل سے یہ راز سربستہ واشگاف ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ مولانا ابوالکلام کے کسی ارادت مند نے ان سے اس سلسلہ میں رجوع کیا تو مولانا نے جو جواب دیا وہ ان کی طبعی فراخ دلی، بلندی مرتبت اور معروف انانیت پسندی کے شایان شان نہیں معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا۔

" میرے بھائی! اگر سید سلیمان کسی مضمون کو اپنا بتاتے ہیں تو لے لیں اس میں میرا کیا بگڑتا ہے"۔

مولانا آزاد کے اس بیان نے دنیائے ادب میں ایک جدید بحث اور نئے فتنہ کا دروازہ کھول دیا اور اخبار مدینہ (بجنور) ہماری زبان (علی گڑھ) فاران (کراچی) معارف (اعظم گڑھ) میں سید صاحب اور ابوالکلام کے عقیدت کیشوں کے مضامین و مراسلات کا سیلاب سا آگیا۔ چنانچہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے مئی ۱۹۵۲ء میں سید صاحب کو براہ راست ایک خط لکھا جس میں اس قضیہ پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی گئی تھی۔ سید صاحب نے

۲۵ جون ۵۲ء کو اس کا جواب دیتے ہوئے بہت تفصیل سے لکھا کہ۔

۔ ۔ ۔" مسجد کانپور کے واقعہ کے زمانے میں اڈیٹر صاحب کسی مصلحت سے مہینہ دو مہینہ کے لئے مسوری تشریف لے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں میری اور عمادی صاحب کی تحریریں ۔ ۔ ۔ ۔ شائع ہوئیں۔ ان تحریروں میں مشہد اکبر، تذکار نزول قرآن، قصص بنی اسرائیل، وغیرہ میرے مضامین ہیں۔ جہاں تک یاد آتا ہے۔ حریت اسلام کے سلسلہ میں اسلام کے نظام سیاسی کا مضمون میں نے لکھا تھا۔ جو اس سے پہلے الندوہ میں اسلام اور اشتراکیت سے عنوان سے چھپ چکا ہے اس کو دوبارہ الہلال کے رنگ میں لکھا۔"

پھر بعض دوسرے لوگوں کے لکھے ہوئے مضامین کی نشاندہی کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

" مگر ناشرین نے ان سب کو ابوالکلام کے نام سے شائع کر دیا ہے اس میں ابوالکلام کا قصور خاموشی کے سوا کچھ دوسرا نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنی شہرت کے لئے ہمارے قلم کے محتاج نہیں ہیں اور ہم لوگ بھی ان کے محتاج نہیں مگر واقعہ واقعہ ہے۔"

سید صاحب کا یہ متوازن وضاحتی مراسلہ ظہیر احمد صدیقی نے اپنے تبصرہ ورائے کے ساتھ ہفتہ وار "ہماری زبان" (علی گڑھ) ۵ / جولائی ۱۹۶۰ء میں شائع کر دیا۔ راقم سطور کا خیال ہے کہ مولانا آزاد کا مستفسر کو مذکورہ بالا جواب، جو اس بحث کا باب آغاز ہے۔ ضرور کسی غلط فہمی پر مبنی ہے یعنی یا تو سوال اس انداز سے کیا گیا جو مولانا کو ناگوار گزرا یا پھر وہ خود اس وقت کسی دوسرے موڈ میں تھے۔ یہ بھی امکان ہے کہ مولانا آزاد کے جواب کو سمجھنے میں سائل سے غلطی ہوئی ہو۔ اس لئے کہ مذکورہ جواب کے الفاظ مولانا کے نہیں بلکہ سائل کے ہیں۔ صرف ان کا مفہوم مولانا سے منسوب ہے۔

میرے اس خیال کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ اس طرز کا جواب ابوالکلام کے مزاج اور فطرت کے قطعی خلاف ہے۔ ان کے آرٹ کا دیوتا اتنا غیور اور مغرور تھا کہ وہ اپنی انفرادیت میں شرک کو کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اور ارباب نظر بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں

کہ شہد اکبر دوسرے نمبر (۳ر ستمبر ۱۹۱۳ء) جو بالاتفاق مولانا آزاد کے سحر نگار قلم سے نکلا ہے، کے اسلوب اور شہد اکبر نمبر ایک کے طرز میں حیرت انگیز مماثلت ہونے کے باوجود اصل و نقل کا فرق بہرحال موجود ہے۔ دونوں کے مخصوص الفاظ و تراکیب کو بالمقابل رکھ کر مطالعہ کرنے سے یہ داخلی شہادت قوی سے قوی تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اداریہ نمبر دو میں جو پرشکوہ الفاظ شاندار ترکیبیں، پُرزور تشبیہات، لطیف استعارات، اردو اور فارسی کے نگینہ کی طرح جڑے ہوئے اشعار، قرآن پاک کی برمحل آیات، شانِ خطابت اور رنگینی و رعنائی پھوٹی پڑ رہی ہے اس سے شہد اکبر نمبر ایک (۱) عاری ہے۔ لہٰذا مولانا آزاد کی معروف انانیت اور انفرادیت پسندی کسی طرح سید صاحب کے لکھے ہوئے مقالے کو اپنا قرار دینا پسند نہیں کر سکتی تھی۔

آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ الہلال کا مذکورہ صدر مقالہ افتتاحیہ تمام تر وقتی جوش و خروش اور عارضی نوعیت کے اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی یا بعض اور مضامین کی ملکیت اور عدم ملکیت سے مرحومین کے فضل و کمال پر قطعی اثر نہیں پڑتا ہے۔ الہلال کی عظمت کی بنیاد تو ان مضامین پر ضرور قائم ہے لیکن سید سلیمان ندوی کی عظمت کی اصل بنیاد وہ ضخیم علمی و تحقیقی تصانیف ہیں۔ جنھوں نے مستشرقین یورپ سے داد و تحسین حاصل کی ہے۔ ان کے مقابلہ میں شہد اکبر کا مضمون کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

مراجع

۱ه عبدالماجد دریابادی: الہلال کا ادارۂ تحریر۔ مکتوب بنام عابد رضا بیدار۔ مطبوعہ اردو ادب آزاد نمبر ص ۱۶۶

۲ه عبدالماجد دریابادی، مولانا آزاد، چند یادیں۔ (مضمون) سہ ماہی صبح دہلی ابوالکلام نمبر ص ۴۸

۳ه مالک رام: آزاد صحافی و ادیب (مضمون) مشمولہ سہ ماہی صبح دہلی آزاد نمبر ص ۵

۴ه ملک زادہ منظور احمد، ابوالکلام فکر و فن ص ۱۴۷

۵ه الہلال کا ادارہ تحریر، مکتوب سید صاحب بنام فضل امام مطبوعہ "ہماری زبان" علی گڑھ یکم ستمبر ۱۹۶۵ء

۶ه شاہ معین الدین۔ حیات سلیمان ص ۵۰

۷ مکتوب سید صاحب بنام ظہیر احمد صدیقی۔ مطبوعہ ہماری زبان علی گڑھ یکم ستمبر ۱۹۶۵ء

۸ عبدالماجد دریابادی۔ سید سلیمان ندوی اڈیٹر کی حیثیت سے" (مضمون) صدق جدید لکھنؤ۔ ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء ص ۴۔

۹ مکتوبات سلیمانی، مرتبہ عبدالماجد دریابادی ج ۱، ص ۱۴۔

۱۰ مکاتیب شبلی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۵، بنام عبدالسلام ندوی ص ۱۷۶۔

۱۱ " " " مکتوب نمبر ۸، " " ص ۱۷۹۔

۱۲ مکتوب سید سلیمان ندوی بنام شاہ فضل امام واقف مطبوعہ ہماری زبان علی گڑھ یکم ستمبر ۶۵ء ص ۴

۱۳ عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ذکر آزاد ص ۲۳۴ (بار اول، اجالا پریس کلکتہ ۱۹۶۰ء)

۱۴ ظفر حسین خاں۔ ابوالکلام بحیثیت انشا پرداز (مضمون) مشمولہ آج کل دہلی، آزاد نمبر ص ۴۵۔

۱۵ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے مشہد اکبر کی دوسری قسط (شائع شدہ ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء) کو بھی سید صاحب کے الہلالی مضامین میں شمار کرایا ہے (ابوالکلام فکر و فن ص ۱۵۸) جو صحیح نہیں ہے۔ دراصل کانپور کے حادثہ فاجعہ پر الہلال میں اس عنوان سے ایک مستقل کالم کا آغاز کیا گیا تھا جس کے تحت مختلف اہل قلم کے مضامین اور مراسلات شائع کئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ کا صرف پہلا مقالہ افتتاحیہ سید صاحب کا رشحۂ قلم تھا۔ دوسرے نمبر کے بارے میں اتفاق رائے ہے کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کا لکھا ہوا ہے۔

۱۶ سید سلیمان ندوی کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک وہ الہلال میں رہے افکار و حوادث کا مستقل کالم وہی لکھتے رہے (مکتوبات سلیمانی جلد اول۔ مرتبہ عبدالماجد دریابادی ص ۱۸۔

۱۷ رفعت حسینی "آزاد کے لمحات غم" سہ ماہی صبح دہلی ابوالکلام نمبر ص ۱۸۰۔

۱۸ عابد رضا بیدار۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۲

۱۹ شاہ معین الدین ندوی: حیات سلیمان ص ۵۷، مکاتیب شبلی ج ۲، ص ۱۱۳ ابوعلی "الہلال کا ۱۳ اگست کا اداریہ" ماہنامہ فاران ص ۵۳ ستمبر ۱۹۶۰ء

۲۰ عبدالقوی دسنوی: سات تحریریں ص ۹۳۔ نظامی پریس لکھنؤ ۷۵ء

۲۱ سید صباح الدین: سید صاحب کی علمی و ادبی خدمات (مضمون) معارف اعظم گڑھ ستمبر ۷۶ء

ص ۲۰۰

۲۲؎ مکاتیب شبلی ج ۲ مکتوب نمبر ۵۶ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۶ء۔

۲۳؎ الہلال ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء۔

۲۴؎ عبدالماجد دریابادی، "سید سلیمان اڈیٹر کی حیثیت سے" (مضمون) صدق جدید لکھنؤ۔ ۲۲ جولائی ۵۴ء ص ۴۔

۲۵؎ یعنی مضمون لکھنے کے ۴ برس اور الہلال دور اول کے بند ہونے کے ایک سال بعد۔

۲۶؎ مکاتیب شبلی ج ۲، بار اول ص ۱۱۳، مکتوب نمبر ۵۲

۲۷؎ مولانا آزاد سید صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "الحریۃ فی الاسلام" کے چند نمبر جو آپ نے لکھے تھے شاید آپ لے گئے۔ انہیں ضرور ہی بھیج دیجئے اسی طرح چھپ جائے گا اور سلسلہ مکمل ہو جائے گا۔ (معارف جنوری ۵۴ء ص ۷۶)

۲۸؎ معارف ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء

سید بشارت شکوہ

اسلامی معاشرہ

اسلامی معاشرے کے نظام کی جڑیں قرآن کریم اور احادیث نبوی میں ہیں اور ان دونوں کی ابتدائی اور اصل عبارتیں عربی زبان میں ہیں۔ عربی زبان کی کسی قدیم لغت یا ڈکشنری میں لفظ 'ذات' کے وہ معنی اور مطلب نہیں ملتے جس معنی میں لفظ 'ذات' اردو زبان میں مستعمل ہے۔

قرآن کریم میں لفظ ذات تیس بار استعمال ہوا ہے کبھی خود (SELF) کے معنی میں کبھی 'والا' کے معنی میں اور کبھی 'ظرف' کے معنی میں مگر کسی جگہ بھی نسب، پیشہ یا گروہ یا قبیلہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

قبل اسلام عرب بت پرست تھے، مشرک تھے اور وہ اپنے اپنے قبیلوں پر فخر بھی کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے قصائد میں قبیلے پر تفاخر اور قبائلی عصبیت اہم موضوعات ہیں۔ اپنے قبیلے کی شجاعت اور سخاوت پر نازان کا خاص انداز تھا۔ وہ عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فوقیت بھی دیتے تھے مگر کسی کو اس کے پیشے یا اس کے آباء واجداد کے پیشے کی وجہ سے اچھا یا برا نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ نور اسلام کے پھیلنے کے بعد ان کا قبائلی تفاخر صرف اخلاقی اقدار پر موقوف ہوگیا، روزانہ پانچ بار مسجد میں "ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز" کے درس نے ان میں سے غریب وامیر، غلام وآقا، شاہ وگدا مقامی اور مقیمی اور شہری ودیہاتی کی تفریق کو غائب کردیا۔ کوئی اونچ، نیچ نہ رہی، سب ایک دوسرے کے برابر ہوگئے یہ مساوات مزید مضبوط ہوگئی جب قرآن کریم نے نکاح کے احکامات دیئے۔ زانیہ، فاحشہ اور مشرک وکافر سے نکاح پر پابندی لگاکر بتادیا کہ اسلام

انسانوں کو بدکرداروں اور نیک کرداروں میں الگ الگ بانٹا ہے اور اعمال کے مطابق ایک کو دوسرے پر فوقیت بھی عطا کرتا ہے۔ پیشہ۔ تجارت، دولت مندی یا غربت کی بنا پر طبقے نہیں بناتا۔ سورۂ نور کی ۳۲ ویں آیت میں ارشاد ہوا "اور اپنے غیر شادی شدہ افراد (علاوہ ان عورتوں کے جو کسی مرد کے نکاح میں ہیں) سے اور اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے نکاح کرو۔ اگرچہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے گا۔ خدا بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔"

اسلامی معاشرہ میں بعض لوگوں کی شناخت کے لئے ان کے پیشے کو ان کے نام کے آگے لگایا گیا ہے کہ اس دور میں (جس شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے) ان کے نام کے کئی دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ شناخت کے لئے پیشہ بیان کرنا کسی تضحیک کے لئے نہیں تھا بلکہ تعارف کے لئے تھا۔ مثلاً حضرت علی کے ایک خاص دوست کھجوریں بیچتے تھے اس لئے میثم تمار کے نام سے مشہور ہیں۔ لفظ تمار سے مراد کوئی طبقہ، گروہ یا قبیلہ نہیں ہے نہ ہی اس سے ان کی عزت میں کمی یا بیشی ہوتی ہے میثم تمار تاریخ اسلام کے ایک عظیم مرد مومن ہیں۔ جن کی عظمت سے عام پڑھے لکھے لوگ واقف ہیں۔ تمار صرف ان کی شناخت کے لئے ہے۔ خود سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت حداد تھے۔ آپ اصحاب میں اتنے مشہور ہیں کہ لوگ نام کم جانتے ہیں ان کے پیشے سے متعلق کنیت سے زیادہ واقف ہیں۔ ورنہ مسلمانوں میں لوہاروں کا کوئی طبقہ۔ ذات یا گروہ کبھی نہیں تھا کہ حضرت حداد جنکی نمائندگی کرتے ہوں۔ حضور کی صحبت میں بیٹھنے والے اس وقت کے معاشرے میں رائج تمام جائز پیشے والے لوگ تھے مگر انہیں باعتبار پیشہ نہیں بانٹا گیا تھا ہاں اگر فوقیت کسی کو تھی تو اسکے تقوے کی بنا پر تھی۔

یوں جب جدید عربی لغت میں لفظ ذات کا استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں نچوڑ، فطرت، خود، شخص یا شخصیت۔ اردو میں لفظ ذات کو دو طرح استعمال کیا جاتا ہے ایک ہے شخصیت اور نجی کے معنی میں جیسے ہم کہیں کہ سچائی اس کی ذات سے وابستہ

ہے۔ یا یہ معاملہ اس کا ذاتی ہے، یا اللہ کی ذات بے نیاز ہے۔

دوسرے معنی ہندو معاشرے اور ہندو رسم و رواج سے لئے گئے ہیں جیسے ہم ذات پات کہتے ہیں مگر یہ دوسرے معنی اسلامی معاشرے کے سراسر خلاف ہیں۔

اسلام پیشے سے کسی کے نسب کی علامت نہیں بنا تا یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو مسلمانوں میں پیشہ کی بنا پر انصاری، قریشی، سید، شیخ، مغل، پٹھان کیوں ہیں۔ انصاری اور قریش وغیرہ وغیرہ کا مسئلہ حل ہو جائے گا اگر ہم نے پہلے سید، مغل، شیخ، پٹھان کی وضاحت کر دیں۔

ہمارے ملک میں اور ساتھ ہی ساتھ پاکستان میں جو ہمارے ہی ملک کا ایک حصہ تھا مسلمان چار گروہوں میں تھے۔ ان میں بعض وہ تھے جو مسلم ممالک سے آکر ہندوستان میں بسے اور بعض وہ تھے جو ہندوستان کے اصل باشندے تھے اور مسلمانوں کی آمد کے بعد اسلام کے اصولوں سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

سادات وہ ہیں جن کی اصل بانیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا کر ملتی ہے یہ ہمارے نبی کو اللہ کی طرف سے " إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ " کی دین ہے یعنی حضور کی نسل پاک جو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کی اولادوں سے پھیلی وہ سادات ہیں عرب ممالک میں صرف دو نسبوں کے مسلمان ملتے ہیں۔ سادات اور غیر سادات، ان دونوں کی الگ الگ شناخت نہایت ضروری ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بڑی اہمیت ہے۔ اسکے بعد صدقہ ہے جس کے لئے بار بار حکم دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اکٹھا کرنا اور اسے مناسب امور میں خرچ کرنا اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا اسلامی یا مسلم حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مگر سادات یعنی اولاد رسول اکرم پر زکوٰۃ اور صدقہ دونوں حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی دور میں کوئی گمراہ حاکم یا حکومت اولاد رسول کا استحصال نہ کر سکے اور زکوٰۃ کی رقم کی خاطر سادات کو حق سے منحرف نہ کر سکے۔ اور اسی لئے اس طاہر نسل کو سب سے بلند رکھا گیا مگر زکوٰۃ اور صدقات سے محروم کر کے خمس کا مستحق قرار دیا گیا۔

خمس کی رقم حکومت کے ذریعے نہیں بلکہ حاکم شرع کے ذریعے وصول اور تقسیم کی جاتی ہے۔ اس طرح اولادِ رسول کو ایک حد تک حکومت وقت کے معاشی استحصال سے بچایا گیا۔ تاکہ اولادِ رسول کی زبان سے حق گوئی کے علاوہ کچھ نہ نکلے اور حکومت انہیں خرید نہ سکے۔

شیخ وہ عرب نژاد لوگ تھے جو اس وقت کے حملہ آوروں کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے یا حکمرانوں نے مدعو کیا یا وہ خود آکر اس دور میں بس گئے یہ وہ لوگ تھے جو عربی النسل تھے مگر اولادِ رسول نہیں تھے۔

مغل وہ مسلمان تھے جن کے آباء واجداد ترکستان و بخارا وغیرہ میں دائرہ اسلام میں آئے تھے۔ یہ مسلمان مسلم حملہ آوروں کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے یا بعد میں آکر بس گئے۔ مگر بہرحال یہ ہندی نژاد نہیں تھے۔

پٹھان وہ تھے جو افغانی علاقوں کے رہنے والے حملہ آوروں کی فوج میں شامل تھے یہ لوگ ہندوستان اور پاکستان کے بعض علاقوں میں زیادہ تعداد میں بس گئے۔ چنانچہ پاکستان کے صوبہ سرحد اور بلوچستان کے کچھ علاقوں کے رہنے والے کو پٹھان کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ لوگ روہیل کھنڈ، بندیل کھنڈ، بریلی، رام پور وغیرہ میں زیادہ بس گئے ان کے علاوہ ہندوستان کے وہ ہندو جنہوں نے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا وہ بیچارے کیا کرتے، وہ کسی نہ کسی ذات سے وابستہ تھے اس لئے انہوں نے بھی اپنے نام کے پہلے شیخ لکھا تو شیخ ہو گئے اور اگر مزاج میں بانکپن تھا تو خان لکھا اور پٹھانوں میں شامل ہو گئے۔

اب رہی بات انصاری، قریشی وغیرہ کی۔ وہ مسلمان جن کا پیشہ کپڑا بننا ہے وہ عرصہ ساٹھ سال پہلے تک بلکہ اس کے کچھ بعد تک اپنے آپ کو مومن لکھتے تھے۔ اب وہ اپنے آپ کو انصاری کہلوانے لگے۔ اسی طرح گوشت کا کاروبار کرنے والے مسلمان حضرات نے اپنے آپ کو قریشی کہا۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضور کے سب انصار کپڑا بننے کا کام کرتے تھے یا مکہ معظمہ

میں رہنے والے قریش سب کے سب گوشت کا کاروبار کرتے تھے؟ یہ تو صرف اظہار عقیدت میں حضور سے قربت جتانے کے لئے ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ اگر ان کنیتوں کا کوئی تعلق اسلام سے ہے تو عرب میں مغل، پٹھان، قریشی، انصاری وغیرہ کیوں نہیں پائے جاتے۔ یا وہ دوسرے ممالک جہاں عرب سے جاکر مسلمان بسے اور نسلیں پھیلیں جیسے انڈونیشیا، ملیشیا، افریقہ وغیرہ، وہاں یہ نسلیں کیوں نہیں ہیں۔ یہاں پر یہ وضاحت نہایت ضروری ہے کہ وہ انصاری ہوں کہ قریشی، مغل ہوں کہ پٹھان یا شیخ ہوں کہ سید عزت کے معاملے میں سب برابر ہیں اور اسی لئے ایک کا دوسرے سے نکاح جائز ہے اور نکاح کا جائز ہونا برابری کا ثبوت ہے[1]۔ مگر کچھ عرصے سے نہ جانے کیوں ہندوستان کے کچھ مسلمان دانشور اس بات پر زور لگا رہے ہیں کہ مسلمان بھی طبقوں میں تقسیم ہیں اور مسلمانوں میں بھی اشراف اور غیر اشراف، دھنئے، جلاہے، نداف وغیرہ کے نسلی گروہ ہیں اور ان گروہوں کو ذات میں تقسیم کیا جانا چاہئے۔

ان دانشوروں میں ایک پروفیسر ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لئے پروفیسر موصوف کے وہ بیانات ہم بھلا دیں جو انہوں نے سلمان رشدی کے لئے دیئے تھے تو وہ یقیناً ایک مفکر ہیں جن کی فکر و نظر اور علمی تبحر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک دوسرے حضرت ہیں کہ اگر ہم یہ بھول جائیں کہ انہیں بوہرہ جماعت سے خارج کیا گیا ہے تو ہم ان کو ایک فعال صاحب قلم پاتے ہیں۔ یا راقم السطور کے کرم فرما کہ جن کی تحریروں کا اردو قارئین کو انتظار رہتا ہے موصوف کی شگفتہ کالم نگاری سے اردو دنیا کا عموماً اور انقلاب کا خصوصاً ہر قاری واقف ہے۔ خود مجھے آپ کے مضامین کا اشتیاق رہتا ہے۔

مگر ان تینوں دانشوروں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ تینوں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی وقت اور کسی نہ کسی شکل میں اشتراکی تحریک سے وابستہ رہے ہیں۔ سوویت روس کی کمیونسٹ حکومت کے زوال کے بعد ترقی پسند فکر و عمل کی دنیا میں ایک افراتفری سی پھیل گئی ہے۔ اسکی وجہ سے ایک بڑے طبقے میں اشتراکی طرز فکر و عمل کے بارے میں نظر ثانی کی ضرورت کو اہمیت دی گئی اور کم و بیش سب نے عالمی برادری کے مسائل سے ہٹ کر

---

[1] اس سلسلہ میں محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کی کتاب مسئلہ کفاءت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل پر توجہ دینے کا رجحان اپنا لیا۔ اسی رجحان کی عکاسی ان تینوں کے فکر وعمل میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بالفاظ دیگر کمیونسٹ روس کے احکامات نہ سہی کمیونزم کے رجحانات نہ سہی مگر کمیونزم بوباس تو ہے۔ بقول شاعر "جو عادت ہو کسی کی وہ آسانی نہیں جاتی"۔ عامۃ المسلمین اور مسلم زعمائے فکر ونظر میں تقسیم کے بعد جو پراگندگی ملت کا نصیب بن چکی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ پھر بھی جواں ہمت احباب متواتر انہماک و جد وجہد سے اپنے لہو کو گرم رکھنے کی مشقیں جاری رکھے ہوئے ہیں کانگریس کی بیخ کنی اور تیسری طاقت کی پر امید شیرازہ بندی میں انہیں ہم جوکھم کوں کی کاوشیں شامل ہیں۔ ایک بڑی جہت کی طرف اب کچھ فعال کارکنوں کی نظر گئی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی نئی شناخت پچھڑے طبقے میں بنائی جائے اور اسی جہت کی نشاندہی ان تینوں حضرات کے فکری اجتہاد کی دین ہے اپنی بے شمار تحریروں اور تقریروں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں پر یہ حقیقت واشگاف کر رہے ہیں کہ مسلم قوم نہ کبھی ایک تھی نہ ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہندو معاشرے کی طرح مسلم معاشرہ بھی طبقوں اور ذاتوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس میں شروع سے اشراف واجلاف کی تقسیم رہی ہے۔ برٹش حکومت نے اصطلاحات کو اپنے عہد استعمار میں جس پالیسی کے تحت وضع کیا تھا وہ تاریخ کا حصہ ہو چکی ہے مگر ان معدوم اور موہوم اصطلاحات کا اجرا و تجدید ان دانشوران کے لائحہ فکر وعمل کا سب سے اہم اور اساسی جز بن کر سامنے آیا ہے جو احباب او' بی' سی (O.B.C.) کی تحریک کو مسلمانوں کی فوری بلکہ وقتی فلاح وبہبود کی خاطر آگے بڑھانے میں پیش پیش ہیں۔ ان کے نظریاتی جواز مہیا کرنے کی ذمہ داری انہی دانشوروں نے اپنے سر لے لی ہے اب مستقبل ہی واضح کرے گا کہ عوام اس فسوں کاری سے کتنی مطابقت رکھتے ہیں اور سیاسی گروہ اس شعبدہ بازی سے کتنی مطلب براری کے محل تعمیر کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ تحریک مسلمانوں میں کسی نئے انداز سے پراگندگی اور تفرقے کا باعث ہو بہتر ہے کہ منزل اور اسکے راستے کے تعین کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر کو اولیت دی جائے

محترم مرتب الرشاد کی قابل قدر علمی و دینی تصانیف

اسلامی فقہ حصہ اول، دوم، سوم		قیمت حصہ اول ۹۰/- دوم ۱۱۰/- سوم ۸۰/- روپئے
قرآن پاک اور اسکی تعلیم	قیمت	۸/۰۰ "
اہل دل کی باتیں	"	۲۵/۰۰ "
خطبۂ نکاح	"	۱۰/۰۰ "
مسئلہ کفارت	"	۸/۰۰ "
جہیز کی شرعی حیثیت	"	۸/۰۰ "
دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں	"	۱۲/۰۰ "
عبادت اور خدمت	"	۱۵/۰۰ "
سرمد اور ان کی رباعیاں	"	۴۰/۰۰ "
خواجہ میر درد اور ان کی شاعری		
ریاض الحدیث	"	۲۵/۰۰ "
وقت ایک دولت ہے	"	۴/۰۰ "
اسلامی قانون اُجرت (زیر طبع ہندوستان میں)	"	۳۵/۰۰ "
تبع تابعین	"	۵۵/۰۰ "
اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات	"	۶۵/۰۰ "
اہل کتاب صحابہ و تابعین	"	۳۵/۰۰ "
اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام (زیر طبع ہندوستان میں)	"	۶۵/۰۰ "
فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مؤلفین (" " ")	"	۵۵/۰۰ "
فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل	"	۴۵/۰۰ "
اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم	قیمت سیٹ	۳۶/۰۰ "
نماز اور خشوع اور تواضع	قیمت	۵-۵/۰۰ "
خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ	"	۲۵/۰۰ "
ثبوت رجم	"	۳۵/۰۰ "
ایمان و عقیدہ	"	۳۵/۰۰
مقالات علامہ سید سلیمان ندوی سیمنار	زیر طبع	

ملنے کا پتہ: مہتمم مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ، یو پی

سالانہ چندہ	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان	سالانہ چندہ
ہندوستان سے 75/=	ماہنامہ	غیر ممالک سے
خصوصی معاون ۱۰۰/=	جامعۃ الرشاد	پندرہ ڈالر امریکی
قیمت فی پرچہ 8/=		15/= 5

جلد نمبر ۳۷	مارچ، اپریل سنہ 1999 مطابق ذی الحجہ، محرم سنہ ۲۰-۱۴۱۹ھ	شمارہ ۱۶-۲۱۵

فہرست مضامین

منیجر توسیع و اشاعت	کاتب
مولوی عقیل احمد صاحب ندوی، مولانا عبدالحی صاحب قاسمی بستوی	اشرف بستوی ممتاز احمد قاسمی بستوی

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

رشحات

بی جے پی اور کانگریس کے علاوہ جو سیاسی پارٹیاں اپنے کو سیکولر کہتی ہیں انکے لیڈروں کی انانیت اور آپسی انتشار کی وجہ سے بی جے پی ملک پر مسلط ہوگئی اور تیرہ مہینے تک مسلط رہی، تیرہ مہینے بعد ان سب نے مل کر بڑی مشکل سے اس سے پیچھا چھڑایا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان حالات سے کوئی سبق نہیں ملا اور ان کا آپسی انتشار پھر بی جے پی یا کانگریس کو ہمارے سروں پر مسلط کرے گا اگر ایسا ہوا تو بڑی بے نصیبی کی بات ہوگی اب بی جے پی کا مقصد اور طرز عمل اقلیتوں کے بارے میں تو واضح ہے چاہے وہ نیشنل ایجنڈا کچھ بھی بنائے اس لئے مسلمان اس سے ہمیشہ دور رہے، البتہ کانگریس جو سیکولر ہونے کی دعویدار ہے اس کا ماضی بھی مسلمانوں کے لحاظ سے بڑا سیاہ رہا ہے ہماری زبان، تعلیم، تہذیب اور پرسنل لا کو جو کچھ نقصان پہنچا سب اسی کے دور حکومت میں پہنچا۔ اس لئے مسلمانوں کو کانگریس کے بارے میں کسی حسن ظن کا شکار نہ ہونا چاہئے جہاں مجبوری ہو اسے ووٹ دے دینے میں کوئی حرج نہیں مگر اس سے کسی بھلائی کی امید رکھنا انتہائی نادانی کی بات ہوگی، یہ بات بارہا لکھی جا چکی ہے کہ جب تک ہماری خود کوئی سیاسی طاقت نہ ہوگی ہم کو کوئی عزت اور برابری کا مقام نہیں مل سکتا۔ ایک بڑے سیاسی لیڈر نے جامعۃ الرشاد میں یہ بات کہی تھی کہ آپ ہم سے کیوں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ یہ حق دیجئے، آپ اپنی طاقت خود بنا لیجئے پھر آپ برابر کی حیثیت سے سیاسی پارٹیوں سے بات کیجئے حقوق مانگے نہیں جاتے لئے جاتے ہیں۔ کاش ہم اس غیرت دلانے والے اس لیڈر کی بات پر غور کرتے۔

الہ آباد ہائی کورٹ کا ایک اہم فیصلہ

الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کے ہر شہری کو اپنی طرف سے عبادت گاہ کی تعمیر کا حق حاصل ہے جس کیلئے ضلع مجسٹریٹ سے اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں لیکن مساجد، منادر اور گرجا گھروں کی بجائے اگر مدارس، دواخانے اور فنی تربیت کے ادارے قائم کئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے[1]

دستوری بنچ نے اپنے فیصلے میں عوام سے عدالتی اپیل پر غور کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ ہم کو عبادت گاہوں سے زیادہ درسگاہوں کی ضرورت ہے، فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین پر مسجد تعمیر کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے اور اس سلسلے میں ضلع مجسٹریٹ سے رجوع ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

(رہنمائے دکن ۔ ۳۱ر جنوری ۹۹ء)

ہندومت کو اسلام اور عیسائیت سے خطرہ

وشو ہندو پریشد کے کیندریہ مارگ درشن منڈل کے رکن اچاریہ دھرمیندر جی مہاراج نے آٹھویں سنسد کے ایجنڈے پر تقریر میں کہا کہ اب فائنل میچ کھیلا جانا چاہئے۔ ایک طویل عرصہ سے ہم سیمی فائنل کھیل رہے ہیں۔ سنت ہندوتو کا پرچم لہرانے کے لئے راولپنڈی، لاہور، کراچی اور دریائے سندھ کے کنارے جانے کے لئے تیار رہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستانی تہذیب اور ہندوؤں کو ان مذاہب سے خطرہ درپیش ہے جو محض (۱۴۰۰) سال اور (۲۰۰۰) برس قدیم ہیں۔ ہندومت (۵۱۰۰) سال پرانا ہے۔

دھرم سنسد میں تبدیلی مذہب، سماجی مساوات، منادر کی خودمختاری، سودیشی گاؤکشی، گنگا مکتی (۴۰) نکاتی ہندو ایجنڈا، خالصہ کی تین صد سالہ تقاریب اور ملک میں اسلام اور عیسائیت کے فروغ سے نمٹنے سنت طاقت کے استعمال پر ۱۰ قراردادیں

---

[1] افسوس ہے کہ جج حضرات عام عبادت گاہوں اور مسجد کے فرق کو محسوس نہ کرسکے۔

منظور کی گئیں۔ (سیاست ، فروری ۹۹ء)

علامہ اقبال اور حسن نظامی مرحوم

خواجہ حسن نظامی نے ایک مرتبہ اپنے اخبار "منادی" میں لکھا کہ میں ڈاکٹر اقبال کو ہندوستان کا عظیم شاعر نہیں سمجھتا۔ انہیں دنوں ڈاکٹر اقبال کے گھٹنوں میں درد ہوگیا خواجہ صاحب نے انہیں اپنا روغن فاسفورس بھیجا جس سے انہیں افاقہ ہوگیا۔ لہذا انہوں نے خواجہ صاحب کو لکھا کہ مجھے آپ کے روغن سے افاقہ ہوا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے وہ خط اپنے اخبار "منادی" میں شائع کر دیا کہ اس تیل کے متعلق شاعر اعظم ڈاکٹر اقبال کی کیا رائے ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے "منادی" اخبار پڑھ کر کہا کہ شکر ہے خواجہ صاحب کے روغن فاسفورس نے مجھے شاعر اعظم تو بنا دیا۔

معذرت نہیں شرمندگی

چار مہینے کی مسلسل علالت کی وجہ سے قارئین الرشاد کی خدمت میں کئی کئی مہینے کی تاخیر سے پرچہ پہنچ رہا ہے جس سے بڑی شرمندگی ہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ کاتب صاحب بھی کچھ خانگی معاملات میں دو ڈھائی مہینہ الجھے رہے جو تاخیر کا دوسرا سبب ہوا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ایک دو مہینے میں پرچہ کی اشاعت معمول پر آجائیگی

قسط ۲

از
مجیب اللہ ندوی

اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام

وہ آیاتِ قرآنی جن سے تبدیلیٔ احکام پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ)	اللہ احکام میں آسانی چاہتا ہے دشواری اور تنگی نہیں۔
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج)	اس نے دین کے سلسلہ میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔
مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدۃ)	اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم کو کسی دشواری میں ڈالے بلکہ ان احکام کے ذریعہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے۔
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ)	اللہ ہر شخص کو اس کی طاقت وقدرت بھر تکلیف دیتا ہے۔

وہ احادیثِ نبوی جن سے تبدیلیٔ احکام پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

بعثت بالحنیفۃ السمحۃ	میں آسان دین حنیفی (ابراہیمی) دے کر بھیجا گیا ہوں۔
وما خیر بین شیئین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما	آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ ان میں آسان تر کو اختیار فرماتے تھے جب کہ آسان تر کا انتخاب کرنا گناہ نہ ہو۔

لاضرر ولاضرار — اسلام میں نہ تکلیف پہنچانا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔

ان آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں بلاشبہ آسانی، سہولت اور رخصت دی گئی ہے لیکن ان سے جو لوگ تبدیلیٔ احکام پر استدلال کرتے ہیں وہ حق بات کہہ کر ایک باطل معنی نکالتے ہیں۔ کلمۃ حق اُرید بھا الباطل

غور کیجئے پہلی آیت میں یسر و عسر کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ مطلقاً نہیں بلکہ ایک مہینے کے روزے کے احکام دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ سفر میں ہوں، یا مریض ہوں ان کے لئے یہ سہولت دی گئی ہے کہ جب وہ سفر ختم کرلیں یا تندرست ہوجائیں تو اس کی قضا دوسرے دنوں میں کرلیں۔ اس حکم دینے کے بعد کہا گیا ہے کہ خدا نے احکام کی بجا آوری میں دشواری نہیں بلکہ سہولت دے رکھی ہے۔

ایک حکم کو کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرے وقت میں بجالانے کی آسانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے کسی حکم ہی کے منسوخ کردینے پر استدلال کرنا قرآن کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسری آیت کے سیاق و سباق پر غور کیجئے۔ پوری آیت یہ ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰکُمْ

اے ایمان والو! رکوع اور سجدے کیا کرو (یعنی نماز) اور خدا کی اطاعت کرتے رہو۔ اور ہر طرح کے بھلے کام کرتے رہو امید ہے کہ تم فلاح پاؤگے اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہو جیسا کہ جہاد کا حق ہے ان کاموں کے لئے اس نے تمہیں منتخب کیا ہے۔

اتنے احکام ذکر کرنے بعد پھر یہ کہا گیا ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ — دین کے معاملہ میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

پھر مذکورہ احکام ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آیت کے سیاق و سباق میں ملت ابراہیمی کا تذکرہ ہے۔ اسکے بعد یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم ہی نے تمہارا نام اطاعت گذار (مسلم) رکھا

پھر شہادتِ حق کی ذمہ داری کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد کچھ احکام دینے کے بعد پھر یہ کہا گیا ہے کہ خدا تمہارا ولی اور مددگار ہے۔

غور فرمایئے یہ ٹکڑا کتنے احکام کے ضمن میں لایا گیا ہے اور ان احکام میں صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ جہاد اور شہادتِ حق کی ذمہ داری اور اعتصام باللہ کا تذکرہ بھی ہے۔ اس درمیان میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ امت محمدیہ کی بعثت ان امور کی بجا آوری ہی کے لئے ہوتی ہے۔

اس سیاق و سباق میں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ کے ٹکڑے کے لانے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو احکام تم کو دیئے گئے ہیں ان میں اگر تم کو کوئی دشواری اور تنگی محسوس ہوتی ہو تو خدا کا مقصد تم کو دشواری اور تنگی میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ یہ سب احکام تمہاری فلاح و سعادت ہی کے لئے دیئے گئے ہیں اگر تم کو ان کی بجا آوری میں کوئی دقت یا دشواری محسوس ہوتی ہے تو گھبرا کر خدا کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو نہیں، وہ تمہاری مدد و نصرت کے لئے موجود ہے۔

بالکل اسی طرح تیسری آیت کے سیاق و سباق میں بھی تحریم و تحلیل کے سخت احکام دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ ان احکام کے دینے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو کسی دشواری میں ڈالے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم کو پاک و صاف کر دے۔

حرج کا لفظ جس پر استدلال کی ساری بنیاد ہے اسکی تفسیر ملاحظہ ہو۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ "حرج" کے کیا معنی ہیں انہوں نے کہا تم عرب نہیں ہو کہ اس کے معنی پوچھتے ہو۔ پھر قبیلہ ہذیل کے کسی آدمی کو بلوایا اور اس سے پوچھا "ماالحرج" حرج کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ وہ بولا۔

الحرج من الشجر مالیس لہ مخرج — وہ جھاڑی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔

لغت کے ماہر زجاج کہتے ہیں "حرج" غیر معمولی تنگی کو کہتے ہیں۔ الحرج، اضیق الضیق عرب اس جھاڑی کو، جس میں کوئی جانور آ جا نہ سکے، حرج کہتے ہیں۔ اسی سے حرج کے معنی گناہ کے بھی ہیں کیونکہ آدمی گناہ کر کے رحمتِ خداوندی کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ قرآن نے اسی معنی میں بھی حرج کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ میں حرج کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی احکام میں خدا نے کوئی ایسی دشواری اور تنگی نہیں رکھی ہے جس کو بندہ سہار نہ سکے، یا اس کو اس کی بجا آوری میں کوئی طبعی عذر یا دقت ہو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ نکال دی گئی ہو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت آدمی سے کوئی گناہ صادر ہو جائے، تو ہمیشہ کے لئے ناپاک اور رحمتِ خداوندی سے محروم نہیں ہو جاتا بلکہ خدا نے اس کے لئے ایسی سبیل پیدا کر دی ہے کہ وہ پھر پاک ہو سکتا ہے اور رحمتِ خداوندی کا دروازہ اپنے لئے کھلوا سکتا ہے

معلوم نہیں اس جملہ کا یہ مفہوم لوگوں نے کہاں سے نکال لیا کہ جس حکم پر عمل کرنے میں دقت محسوس ہو یا کوئی معمولی نقصان ہو یا موجودہ مغربی تہذیب میں اس کو بُرا سمجھا جاتا ہو تو اس کو منسوخ یا محدود کر دیا جائے۔ امام شاطبی نے اسی خیال کے لوگوں کو خطاب کرکے کہا تھا کہ

ما هو من الحرج مقصود الرفع — دین میں حرج نہ ہونے کا مطلب شرعی احکام کو منسوخ کر دینا یا اٹھا دینا نہیں ہے۔ (ج ۲، ص ۱۰۷)

اوپر جو احادیث نقل کی گئی ہیں اگر ان کو بھی قرآن کی ان آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر ان سے بھی یہ مفہوم قطعی نہیں نکالا جا سکتا کہ جہاں کوئی دقت اور دشواری محسوس ہو بس وہ حکم فوراً بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ ذکر ہے کہ آپ آسان تر پہلو اختیار کرتے تھے، یہ قید بھی لگا دی۔

مالم یکن اثما — جب اس آسان پہلو میں کوئی گناہ نہ ہو تب آپ اسے اختیار فرماتے اور اگر اس میں گناہ ہو تو

فان کان اثما کان ابعد الناس — اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تھا تو آپ سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے تھے۔

امام شاطبی کے زمانہ میں یعنی آٹھویں صدی[1] میں کچھ لوگوں نے ان کے سامنے یہ خیال ظاہر

---

[1] ان کی وفات سنہ ۷۹۰ھ میں ہوئی ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے لئے [illegible] بجائے [illegible]

كل ذلك [illegible] الشرع [illegible]
التثقيل

ان تمام آیات و احادیث سے پتا چلتا ہے کہ
شریعت کا نفس مشقت و دشواری کے
منافی ہے۔

امام شاطبی ان کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں (امام شاطبی کی کتاب کے اقتباسات قصداً اس لئے نقل کئے جا رہے ہیں کہ ڈاکٹر محمصانی نے امام شاطبی کی عبارتوں سے کافی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

والجواب عن هذا ما
تقدم وهو ايضا الى ايجاب
اسقاط التكليف جملة فان
التكاليف كلها شاقة
ثقيلة ومن ذلك سميت
تكليفاً[1] من الكلفة وهي
المشقة فاذا كانت المشقة
حيث لحقت في التكليف تقتضي
الرفع لهذه الدلائل
لزم ذلك في الطهارات و
الصلوات والزكاة و
الحج والجهاد وغير ذلك

اس کا جواب جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اگر آیات و
احادیث کا وہی مفہوم ہے جو تم لوگ بیان کرتے
ہو تو پھر اس کے معنی ہوئے کہ آیات و احادیث
اسلامی احکام کو سرے سے ساقط کر دینے پر
پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ اگر دشواری و مشقت کی
کی وجہ سے احکام ساقط ہو سکتے ہیں تو شریعت کے
ہر حکم میں کچھ نہ کچھ دشواری اور مشقت ہے اسی
مشقت ہی کی وجہ سے تو احکام اسلامی کو تکالیف
شرعیہ کہا جاتا ہے کیونکہ تکلیف کلفت سے مشتق
ہے جو مشقت کا ہم معنی ہے۔ [illegible]
مشقت [illegible]
اس کا اثر [illegible]

---

[1] [illegible]

ولا يقف عند حد الا اذا لم
يبق على العبد تكليف و
هذا محال فما ادى اليه
مثله فان رفع الشريعة
مع فرض وضعها محال

توپھر اس سے لازم آئے گا کہ طہارت، نماز، زکوٰۃ
حج اور سب سے بڑھ کر جہاد اور اس کے علاوہ تمام
احکام شرعیہ کو ساقط کر دیا جائے یہاں تک کہ بندے
کے اوپر کوئی شرعی پابندی باقی ہی نہ رہے کیونکہ سب
میں مشقت و تکلیف ہے، یہ انتہائی غلط اور محال
بات ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف شریعت بندوں
کے لئے قانون بھی مقرر کرے اور دوسری طرف اس
کو خود ہی ساقط بھی کر دے۔

پھر دوسری جگہ دشواری، تکلیف اور مشقت کو بہانہ بنانے والوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وان سميت كلفة فاحوال
الانسان كلها كلفة فى هذه
الدار فى اكله وشربه وسائر
تصرفاته ولكن جعل له
قدرة عليها بحيث تكون تلك
التصرفات تحت قهره لا ان
يكون هو تحت قهر التصرفات

اگر اس معنی میں شرعی احکام ہی کو مشقت طلب کہا
جائے تو پھر اس دنیا میں انسان کے سارے کام
ہی مشقت طلب ہیں، کھانے پینے اور دوسرے
تمام تصرفات میں تکلیف و مشقت ہے لیکن اس
تکلیف و مشقت کے باوجود خدا نے انسان کو اس
سے عہدہ برآ ہونے کی قدرت دی ہے تاکہ یہ
تصرفات اس کے سامنے مغلوب رہیں، نہ یہ کہ وہ
خود ان تصرفات سے مغلوب ہو جائے[1]

فكذلك التكاليف فعلى هذا
ينبغى ان يفهم التكليف وما
تضمن من المشقة۔

اسی کے اوپر شرعی تکالیف اور ان کی دشواریوں
کو قیاس کر لینا چاہئے یعنی یہ کہ انسان کو اس کے
اوپر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ ان سے

---

[1] اس جملہ پر ان لوگوں کو خاص طور پر غور کرنا چاہئے جو حالات سے مغلوب ہو کر اسلامی احکام میں کتر بیونت کرنا چاہتے ہیں۔

واذا تقرر هذا فما تضمن التكليف الثابت على العباد من المشقة المعتادة ليس بمقصود الطلب الشارع من جهة نفس المشقة بل من جهة ما في ذالك من المصالح العائدة على المكلف. (الموافقات ج ۲ ص ۸۳)	اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو قابل برداشت مشقتیں ہی بندوں پر شریعت نے ڈالی ہیں اس سے شارع کا مقصود ان کو دشواریوں میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ ان کے مصالح کے پیش نظر ہی ان کو تکلیفیں دی گئی ہیں۔

البتہ کوئی ایسی دشواری یا کوئی ایسی مشکل پیش آجائے جس کا اثر عام طور پر بندوں کے جان، مال یا ان کی عزت و آبرو پر پڑتا ہو، تو اس کو رفع کیا جا سکتا ہے جس طرح بھوک سے مرنے والے کے لئے مُردار کھانے کی اجازت ہے لیکن اس کو سدِ رمق سے زیادہ کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن چند آدمی بیٹھ کر فرضی طور پر کسی امر کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ یہ وقت طلب ہے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ پہلے اس دشواری کو پیش آجانا چاہئے، پھر اس پر غور کیا جائے گا فرضی دشواریوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ قاضی ابن عربی کہتے ہیں:

واذا كان الحرج في نازلة عامة في الناس فانه يسقط واذا كان خاصا لم يعتبر[1]	وہ دشواری جو اجتماعی ہو، اس کو رفع کیا جا سکتا ہے، اور اگر خاص ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اب جو لوگ ان آیات و احادیث سے موجودہ دور کی پیدا کردہ تہذیبی ضرورتوں کے لئے جو حقیقت میں ضرورتیں نہیں بلکہ مصیبتیں ہیں، جواز کی شکلیں نکالتے ہیں اور غیر اسلامی طرزِ معیشت، معاشرت اور سیاست کو امورِ مسلمہ جان کر اسلامی احکام کو توڑ مروڑ کے ان کے مطابق بنانا چاہتے ہیں یا ان کو پسِ پشت ڈالنا چاہتے ہیں، ان کے لئے ان آیات و احادیث سے قطعی کوئی گنجائش نہیں نکلتی بشرطیکہ وہ قرآن و حدیث کو اپنی خواہش کا تابع نہ بنائیں اور ان آیات و احادیث کو ان کے سیاق و سباق سے کاٹ کر اور اسلام کے حرام و حلال اور معروف و منکر کے مقررہ حدود سے الگ ہو کر سمجھنے کی کوشش نہ کریں ورنہ پھر قرآن سے ہر برائی کو ثابت کرنا

---

[1] شاطبی ج ۲ ص ۱۰۶)

آسان ہے۔ کاش! یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس نصیحت کو سامنے رکھ کر اسلامی احکام پر غور کرتے تو وہ اپنے اوپر بھی رحم کرتے اور قرآن و حدیث کو بھی قطع و برید سے محفوظ رکھتے۔ انہوں نے خیرالقرون اور بعد کے زمانہ کے لوگوں کے طرزِ عمل کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔

"تم ایسے زمانہ ہو جس میں لوگ اپنی خواہشات کو اعمال و احکام کے تابع رکھتے ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب لوگ اعمال و احکام کو اپنی خواہشات کا تابع بنالیں گے۔" (موافقات ج ۲، ص ۱۲۸)

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسلام میں اجتہاد کی اجازت صرف ان امور میں دی گئی ہے جن میں کتاب و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے لیکن ان امور میں جن کا صراحۃً ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے ان میں ایک شخص کو تو کیا پوری امت کو بھی تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہے۔ البتہ ان میں تخصیص اور تقیید کی جاسکتی ہے، جیسا کہ آگے عموم بلوی اور دوسرے مباحث کے ضمن میں اس کا ذکر آئے گا۔ مگر جدید مجتہدین یہ کر رہے ہیں کہ اپنے آزادانہ اجتہاد کا نشانہ ان امور کو بنا رہے ہیں جو کتاب و سنت اور پوری امت کے تعامل سے ثابت ہیں۔ مثلاً ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت قرآن نے، سنت متواترہ سے اور پوری امت کے تعامل سے ثابت ہے لیکن یہاں ایسا قانون بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جس کی رو سے اسلام کے اس دیئے ہوئے حق کو مرد سے چھین لیا جائے۔ حالانکہ مشہور مفسر صحابی حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ لفظ "حرج" جس پر مجتہدین کے استدلال کی بنیاد ہے، کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"خدا نے ہمیں ایک ہی عورت سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ اس نے چار تک اجازت دی ہے۔"

غور کیجئے کہ جس آیت سے یہ حضرات ازالہ احکام پر استدلال کرتے ہیں، اسلاف ان آیات سے اثبات احکام کا کام لیتے تھے، اسی کا نام ہے، احکام کو اپنی خواہش کا تابع بنانا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ شادی کے سلسلہ میں جبری حد بندی کے بغیر عدل بین الازواج کے تحت کوئی حکومت قانون

بنا سکتی ہے۔

فقہاء کے اصول

احکام کی تعمیل میں جو تخفیفیں، رعایتیں اور وسعتیں قرآن و سنت میں دی گئی ہیں ان کے پیش نظر فقہاء نے متعدد قواعد وضع کر دیئے ہیں تاکہ جن احکام میں بھی ان کی مماثلت پائی جائے، ان پر ان کا انطباق آسانی سے کیا جائے۔ مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ان قواعد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسلامی احکام ہی پر نسخ پھیر دیا جائے۔ یا اسلامی احکام کو ان کا نشانہ بنایا جائے۔ ان میں چند قواعد اور ضابطے یہ ہیں۔

۱۔ الضرورات تبیح المحظورات — ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔

۲۔ المشقة تجلب التیسیر — دشواری آسانی لاتی ہے۔

۳۔ الضرر یزال — تکلیف دور کی جانی چاہئے۔

۴۔ الضرر یدفع بقدر الامکان — حتی المقدور تکلیف دور کی جائے گی۔

۵۔ الاصل فی الشیئ الاباحة — ہر چیز میں اصلاً اباحت ہے۔

ان اصولوں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ضرورت و مصلحت اور دشواری کے وقت ان محرمات کو بھی حلال قرار دیا جا سکتا ہے جن کو کتاب و سنت میں حرام کیا گیا ہے، یا ان چیزوں کو بھی حرام کیا جا سکتا ہے جو ان میں ہمیشہ کے لئے حلال کی گئی ہیں۔ بظاہر ان اصولوں سے اس نتیجہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے بہت سے لوگ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ واقعی اسلام کے متفقہ احکام میں اجتہاد کے ذریعہ ہمیشہ تبدیلی کی گئی ہے، اس لئے اس زمانے میں بھی اگر کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر ان ضابطوں کو جن فقہاء نے وضع کیا ہے انہوں نے اس سے نہ تو یہ نتیجہ کبھی نکالا تھا، اور نہ ان کے ذہن میں کبھی یہ بات تھی کہ وہ ان اجتہادی اصولوں کے ذریعہ کتاب و سنت کے کسی حکم کو منسوخ کر دیں، یا ان کی حرام و حلال کی مقرر کردہ قیدوں کو توڑ دیں بلکہ انہوں نے ان کی جو تشریحات کی ہیں وہ اس کے بالکل برعکس ہیں جو ہمارے جدید فقہاء کرتے ہیں، اس لئے ہم ان کی تشریحات کو یہاں پیش کر دیتے ہیں، تاکہ ان پر غلط فہمیوں کے جو پردے ڈال دیئے گئے ہیں وہ ہٹ جائیں۔

مثلاً پہلی اصل یعنی الضرورات تبیح المحظورات کو لیجئے، اس اصول کے تحت بعض ممنوعات کے جواز کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس وقت جب کہ کسی کی جان یا مال عزت وآبرو خطرے میں ہو، یہ اصل قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں مضطر کو حرام یا مُردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ قید بھی لگادی گئی ہے کہ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ یعنی نہ تو لذت کے لئے کھائے اور نہ ضرورت سے زیادہ۔ امام سرخسیؒ نے امام محمدؒ کی کتاب السیر الکبیر کی شرح میں اس اصول کو اس موقع کے لئے استعمال کیا ہے جہاں غیر معمولی نقصان کا خدشہ نہ ہو۔

جو گھوڑے حکومت کی طرف سے مجاہدین کو جہاد کی غرض سے دیئے جاتے ہیں اور وہ ان ہی کی نگرانی میں رہتے ہیں، ان کو وہ اپنی ذاتی ضروریات یا خود گھوڑے ہی کی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اس سلسلہ میں امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ اپنی ذاتی ضرورت کیلئے تو وہ استعمال نہیں کر سکتے، البتہ ان کو اگر یہ معلوم ہو کہ گھوڑے کا چارہ اس بستی سے باہر ارزاں ملتا ہے تو اگر وہ مقام قریب ہو تو سوار ہو کر اس پر جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ مقام دور ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے البتہ جب قریب میں چارہ مل سکتا ہی نہ ہو تو وہ اس پر سوار ہو کر دور بھی جا سکتے ہیں۔

فلا باس بان یرکب الی ذالک الموضع لیحمل علیہ علفہ (ج ۴ ص ۲۷۹)

تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ سوار ہو کر اس مقام تک جائے اور اس کا چارہ لاد کر لائے۔

امام محمد نے سواری کی جو اجازت دی ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے امام سرخسیؒ لکھتے ہیں۔

لان ھذا موضع الضرورت والضرورات تبیح المحظورات۔

یہ موقع ایک واقعی ضرورت کا ہے اور واقعی ضرورتوں میں ممنوع باتیں مباح ہو جاتی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ میدانِ جہاد کے علاوہ ان گھوڑوں پر سواری ممنوع ہے مگر اس ضرورتِ شدیدہ کی بنا پر جہاد کے علاوہ بھی سوار ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔

غور کیجئے کہ اسلامی حکومت کے ایک گھوڑے کے استعمال میں اتنی قیود لگادی گئی ہیں

پھر ذاتی استعمال کے لئے نہیں بلکہ خود اس گھوڑے ہی کے سامان تھا کے حاصل کرنے کے لئے اور پھر اجازت دیتے ہوئے بھی یہ تنبیہہ کر دی گئی ہے کہ یہ ضرورت حرام کو حلال تو نہیں کر سکتی لیکن مباح کر سکتی ہے وہ بھی اس وقت کے لئے جب تک وہ ضرورت باقی ہے، ورنہ اصل حرمت اپنی جگہ پر علیٰ حالہ باقی رہے گی اور ضرورت کے رفع ہوتے ہی وہ پھر لوٹ آئے گی۔

جو لوگ اس قاعدہ کو اپنی خواہش نفس کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں ان کے بارے میں امام شاطبی لکھتے ہیں۔

"یہ لوگ اصل کی آڑ میں اپنی کسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں، حالانکہ انسان کی جو واقعی ضرورتیں ہیں ان کا ذکر تو شریعت نے خود ہی کر دیا ہے"۔

انہوں نے اس کے بعد امام مازری، جو مشہور مالکی عالم ہیں، یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ قحط کے زمانہ میں کچھ غربا نے صاحب ثروت لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ ہم کو اس وقت غلہ ادھار دے دیں، فصل کٹنے پر ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے لیکن جب قیمت کی ادائیگی کا وقت آیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس غلہ ہے، اس لئے غلہ کے بدلے غلہ ہی واپس کریں گے۔ چنانچہ قرض خواہوں نے اس خیال سے کہ کہیں ان کا غلہ مارا نہ جائے، اسے قبول کر لیا، گو کہ اس میں ان کا نقصان تھا کیونکہ قیمت اگر ملتی تو زیادہ ملتی، اس لئے کہ انہوں نے غلہ گرانی کے زمانہ میں فروخت کیا تھا۔ جب امام مازری سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ الضرورات تبیح المحظورات کے تحت غلہ کی قیمت کے بدلے غلہ ہی لینا کیوں نہ مباح کر دیا جائے، تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا مقصود یہ ہے کہ مستقلاً اس کی اجازت دے دی جائے تو یہ ایک مفسدہ ہے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ البتہ اگر اس کی ادائیگی کی کوئی دوسری صورت نہ ہو تو پھر مشتری سے غلہ لینے کی یہ صورت ہے کہ اس سے غلہ لے کر دو شاہدوں کی موجودگی میں فروخت کیا جائے اور اس کی جو قیمت ملے اس سے بائع کی رقم ادا کی جائے اور جو بچ رہے وہ مشتری کو دے دی جائے۔

بظاہر اس میں غربا کا فائدہ تھا کہ ان کو غلہ کے بدلے غلہ ہی دینا پڑتا۔ مگر امام مازری نے اس کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ یہ معاملہ ایک فریب کا معاملہ تھا۔ کہ وعدہ تو قیمت کا کیا جائے

اور دی جائے جنس۔ ظاہر ہے کہ جن معاملات میں دھوکا اور فریب ہو ان کو اسلام میں مستقلاً مباح نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے مفاسد بھی تھے۔

غور فرمائیے کہ الضرورات تبیح المحظورات کا استعمال فقہاء کس موقع کے لئے کرتے تھے، اگر مطلقاً ہر ضرورت کے تحت ممنوعات کو مباح کرنے کے لئے یہ اصل بنائی گئی ہوتی تو پھر امام ماذری کو اس کی اجازت ضرور دے دینی چاہیے تھی۔

شیخ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں ان واقعات پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ وہ الضرورات تبیح المحظورات اور الضرر یزال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اصول حدیث نبوی لاضرر ولاضرار سے ماخوذ ہے اور ان سے فقہ کے بہت سے احکام مستنبط ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی مال لے کر واپس کرنا چاہے یا کسی چیز میں عیب نکل آئے تو ان دونوں صورتوں میں چونکہ مشتری کا نقصان ہے اس لئے اس کو مال واپس کرنے کی اجازت دی گئی ہے پڑوسی کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے شفعہ کی اور ایک مضطر کو حرام کھانے کی اجازت دی گئی۔ ہے اسی کے تحت جنگ میں جب دشمن کا غلبہ ہو رہا ہو تو اسلحے برباد کر دینے کی اجازت دی گئی ہے حالانکہ اسلام کسی چیز کو عام حالت میں برباد کرنا جائز نہیں سمجھتا، لیکن چونکہ یہاں جان و مال کو خطرہ لاحق ہے اس لئے اس کی اجازت دی گئی ہے مگر یہ اجازت بھی مطلقاً نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ دی گئی ہے۔

ما ابیح للضرورة یتقدر بقدرها وما جاز بعذر بطل بزواله	جو چیز کسی ضرورت کے تحت مباح کی جائے گی وہ بس ضرورت کے بقدر ہی مباح ہوگی؛ جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز کی جائے گی اس کا جواز عذر کے زائل ہونے کے بعد ختم ہو جائے گا۔
(ص ۵۹)	
المشقة تجلب التیسیر	دشواری آسانی لاتی ہے۔

اصولِ فقہ کا یہ دوسرا اہم قاعدہ ہے جسے جدید مجتہدین اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کسی اسلامی حکم میں کوئی مشقت یا دشواری یا معاشی نقصان ہو تو اس اصول کے تحت اس کو منسوخ کر کے یا اس میں مناسب ترمیم کر کے آسانی پیدا کرنی چاہیے

مثلاً سودی لین دین، یا سودی تجارت اور سودی بینکنگ کو ترک کر دیا جائے تو پھر ملک میں معاشی بدحالی پھیل جائے گی اور افراد و حکومت کا کروڑوں کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اس دشواری اور نقصان کو رفع کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ملک کے معاشی کاروبار کو اسلام کے معاشی احکام کی قیود سے آزاد کیا جائے۔

ایک مرد جب بیک وقت متعدد عورتوں سے شادی کرتا ہے تو مرد کو خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو عورت کو ضرور تکلیف و ذلت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو تکلیف و ذلت سے بچانے کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ اسلام کے قانونِ نکاح ہی میں ترمیم کر دی جائے لیکن اگر مشقت و دشواری کو آسانی پیدا کرنے کا سبب قرار دیا جائے جیسا کہ امام شاطبی نے لکھا ہے کہ شریعت کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی مشقت فرد کے لئے یا اجتماع کے لئے موجود ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام تکلیفاتِ شرعیہ کو ساقط کر دیا جائے۔

پھر پیش آمدہ دشواری پر اس حیثیت سے غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جن دقتوں اور دشواریوں اور نقصانات کی بنا پر ایک حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام کیا جا رہا ہے وہ نزولِ قرآن کے وقت اور عہدِ نبوتؐ میں بھی موجود تھیں یا نہیں، کیا جس وقت سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور آپؐ نے حجۃ الوداع میں یہ اعلان کیا کہ ۔ ۔ ۔ جاہلیت کا سارا سود ساقط ہے، تو قریشی ساہوکاروں کا ہزاروں لاکھوں روپے کا نقصان نہیں ہوا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے سب سے پہلے اپنے چچا کے سودی روپیوں کے بارے میں فرمایا کہ میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ کیا اس سے حضرت عباسؓ کا، جن کا سودی کاروبار کافی پھیلا ہوا تھا، ہزاروں روپے کا نقصان نہیں ہوا ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مکہ اور مکہ کے آس پاس کی بیشتر آبادی کے لئے قریش ہی کی تجارت اور سودی لین دین کے ذریعہ معاش کا سامان مہیا ہوتا تھا۔ مکہ میں قریش کی حیثیت اس وقت وہی تھی جو موجودہ دور میں کسی حکومت کی ہوتی ہے مگر ان تمام نقصانات کو برداشت کرکے یہ حکم نافذ کیا گیا لیکن ان نقصانات کے نتائج فائدے کی شکل میں رونما ہوئے۔ اس وقت اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے[۱]

---

[۱] اس سلسلہ میں مولانا مودودی کی کتاب "سود" اور مولانا فضل الرحمٰن گنوری تھیالوجی ڈیپارٹمنٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کتاب "تجارتی سود" مطالعہ کرنی چاہئے۔

اسی طرح قرآن نے جس وقت چار شادیوں کی اجازت دی اور اس حکم کے تحت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کئی کئی شادیاں کیں، تو کیا اس وقت عورتوں کو تکلیف اور ذلت برداشت نہیں کرنا پڑی تھی، کیا اس وقت معاشرتی فساد کے رونما ہونے کا اندیشہ نہیں تھا، مگر اس کی اصلاح کے لئے اسلامی شریعت نے خلع وطلاق کی اجازت تو دے دی لیکن اصل حکم کو منسوخ کرنے کا خیال پیدا نہیں ہوا۔ چار شادی کی اجازت بجائے خود ایک بہت بڑے معاشرتی فساد یعنی زنا اور دوسرے جنسی جرائم کو روکنے کے لئے دی گئی تھی اور اس اجازت کے بعد یہ فساد مٹا بھی، چنانچہ عرب میں جہاں فواحش وبدکاریاں علی الاعلان ہوتی تھیں اور ہر گھر معاشرتی فساد کا سرچشمہ تھا وہاں اسلام کی اس اجازت کے بعد تیس چالیس برس کے درمیان یعنی پورے عہدِ نبوی اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں مشکل سے دو چار جنسی جرائم کے واقعات ہوئے مگر اس دور میں جن ملکوں میں ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی ہے وہاں کے جنسی جرائم کی فہرست پر نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ وہاں کی معاشرت کتنی گندی ہو چکی ہے۔ مغربی تمدن کی نقالی نے لوگوں کے سوچنے کے انداز کو کتنا بدل دیا ہے کہ زنا اور محرکات زنا کے لئے تو کھلی آزادی ہو اور جو چیز ان کو ختم کرنے والی ہو اس پر پابندی عائد کی جائے۔
غرض یہ کہ عقلی اور تجربی دونوں حیثیت سے بھی ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلامی احکام کی پابندی معاشرتی یا معاشی دشواری اور نقصان کا سبب ہے اور اگر کوئی دشواری یا نقصان ہو بھی تو اسلامی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کا کوئی حکم بدل دیا جائے البتہ اس نفی حرج والے احکام کے تحت تخصیص کر سکتی ہے۔ "نفی حرج" کی تفصیل آگے آئے گی۔

جو لوگ المشقۃ تجلب التیسیر سے تبدیلیٔ احکام پر استدلال کرتے ہیں یا تو ان کو اصولِ فقہ کے مالہ وما علیہ کی خبر نہیں ہے، یا خبر ہوتے ہوئے دوسروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

اصولِ فقہ کا یہ اصول قرآن کی آیت یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ سے ماخوذ ہے۔ اوپر اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ آیت ازالۂ احکام کے لئے نہیں بلکہ اتباعِ احکام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے بالکل

اسی طرح مذکورہ بالا قاعدہ بھی احکام کی تبدیلی کے لئے نہیں، بلکہ ان کے اتباع میں سہولت پیدا کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ شریعت میں انسان کی تمدنی ضرورتوں کے پیشِ نظر جو سہولتیں دی گئی ہیں انہی سہولتوں کے اظہار کے لئے فقہاء نے یہ اصول وضع کئے ہیں چنانچہ فقہاء نے کتاب وسنت کے تمام احکام تتبع کر کے لکھا ہے کہ سات اسباب کی بنا پر احکام کی بجاآوری میں سہولتیں دی گئی ہیں۔

۱۔ سفر یعنی سفر میں بعض احکام کی بجاآوری میں جو سہولت دی گئی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لمبا سفر ہو، اس میں نماز قصر کرنے، جماعت ترک کرنے اور روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ دوسری یہ کہ دو چار میل کا سفر ہو، اس میں قصر کی اجازت تو نہیں دی گئی ہے مگر جماعت چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اب اگر کوئی دو چار میل کے تفریحی سفر میں بھی تکلیف محسوس کرے، یا روزہ چھوڑ دے یا نماز قصر کرنے لگے یا اس کے لئے کوئی قانون وضع کرے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۲۔ مرض یعنی مرض کی حالت میں بھی بعض اسلامی احکام کو مؤخر کیا گیا ہے اور بعض ممنوع چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے۔ وضو کے بجائے تیمم کرے۔ اگر نجاست کے دور کرنے پر قادر نہ ہو تو نجاست ہی کی حالت میں نماز پڑھ لے۔ اسی طرح شرمگاہ کا کھولنا حرام ہے، مگر ضرورت کے وقت طبیب کو دکھایا جا سکتا ہے سنکھیا، تاڑی، شراب کھانا پینا حرام ہے، مگر جان بچانے کے لئے دواءً ان کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اکراہ یعنی کسی کو مجبور کر کے کوئی حرام کام کرا لیا جائے، لیکن ہر مجبوری شریعت میں معتبر نہیں ہے بلکہ وہ مجبوری معتبر ہے جس میں جان و مال یا عزت و آبرو کو خطرہ لاحق ہو، مثلاً اگر قتل کی دھمکی دے کر جھوٹ بلوا لیا جائے یا اور کوئی معصیت کرائی جائے تو شریعت میں یہ فعل قابلِ ملامت نہیں ٹھہرے گا۔

۴۔ نسیان یعنی بھول کر غلط کام کر بیٹھے، مثلاً روزہ میں بھول کر پانی پی لے کسی دوسرے کی چیز غلطی سے اپنی سمجھ کر استعمال کر لے، تو اس پر ملامت

نہیں کی جائے گی، لیکن نسیان کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن اس کو غلطی کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ مثلاً احرام کی حالت میں مردوں کو سِلا ہوا کپڑا پہننا ناجائز ہے اب اگر کوئی بھول کر پہن لے تو یہ حرام شمار کیا جائے گا۔ اور اس کے بدلہ میں ایک قربانی کرنی پڑے گی۔

۵۔ جہل یعنی آدمی جس بات کو نہ جانتا ہو۔ اس میں جاننے تک رعایت کی جائے گی، بشرطیکہ وہ اپنی جہالت دور کرنے کی کوشش بھی کر رہا ہو مثلاً کسی کو نماز پڑھنا نہیں آتی، نہ اس کو دعائیں یاد ہیں اور نہ ظاہری ارکان ادا کرنے کا سلیقہ رکھتا ہے مگر مسجد میں آکر نمازیوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور لوگوں سے پوچھ کر نماز کی دعائیں بھی یاد کرتا ہے تو اس کو قانوناً نمازی ہی شمار کیا جائے گا۔ اور اس کو نہ ملامت کی جائے گی۔ اور نہ سزا دی جائے گی۔ جہل پر اس حیثیت سے بھی علماء نے بحث کی ہے کہ جن بندگانِ خدا تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے اُن سے قیامت میں باز پُرس ہوگی یا نہیں۔ جمہور امت کی رائے ہے کہ بعثتِ نبوی کے بعد اب عدمِ علم کوئی عذر نہیں ہے مگر کچھ محققین کی یہ رائے ہے کہ ان تک جب تک دعوتِ اسلامی نہ پہنچ جائے، ان کا عذر قابلِ قبول ہوگا۔

۶۔ عام ابتلا یعنی وہ ناجائز چیزیں جن سے آدمی بالکل بچ ہی نہ سکتا ہو، مثلاً عموماً راستوں، گلیوں اور سڑکوں وغیرہ پر جانوروں کے پاخانے پیشاب اور دوسری گندگیاں پڑ جاتی ہیں، گو عام حالت میں گلیوں اور سڑکوں سے گزرتے وقت چھینٹیں وغیرہ نہیں پڑتیں مگر بارش کے زمانے میں جو شخص بھی گزرے گا اس کے کپڑوں پر گندی چیزیں ضرور پڑیں گی، چونکہ یہ عام ابتلا ہے جس سے بچنا انتہائی دشوار ہے اس لئے اگر کوئی شخص کپڑے پر ان چھینٹوں کی موجودگی میں بھی نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائیگی البتہ اگر چوتھائی سے زیادہ اس کا کپڑا اس میں ڈوب گیا ہے تو اس کو کپڑا بدلنا ہوگا۔

اسی طرح کوئی شخص بازار میں سودا خریدنے جاتا ہے اور اس کی نظر اچانک کسی غیر محرم عورت پر پڑ جاتی ہے تو اسکی پہلی اچانک نظر معاف ہے کیونکہ اس میں وہ بالکل بے بس ہے اس لئے ہم اس کو فاسق اور گنہگار نہیں کہہ سکتے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس وقت تو بغیر قصد کے دوسری تیسری نگاہ بھی معاف ہونی چاہیے اس لئے کہ سواریوں کی بہتات

کے زمانہ میں اگر آدمی غضِ بصر یعنی نگاہ سے کام لے تو پھر کسی حادثہ کا شکار ہو جائے گا۔ اسی طرح عورتوں کی تصویروں کے دیکھنے اور گانوں وغیرہ کے سننے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ ہی نہیں سکتا، آدمی گوشۂ تنہائی میں بیٹھا کیوں نہ ہو جب تک کان اور آنکھ بند نہ کر لے اس سے محفوظ رہنا مشکل ہے بشرطیکہ قصداً بغیر ضرورت آدمی ایسی جگہوں پر نہ جاتا ہو۔

اسی طرح اسلام میں خرید و فروخت کا اصلی طریقہ تو یہ ہے کہ سودا بھی سامنے ہو اور قیمت بھی اسی وقت دے دی جائے، لیکن چونکہ ادھار خرید و فروخت ایک ناگزیر تمدنی ضرورت ہے اس لئے اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۷۔ **نقص** یعنی کسی شخص میں کوئی فطری یا طبعی کمی ہو جس کی وجہ سے وہ شرعی حکم کی تعمیل میں معذور ہو تو اس صورت میں وہ شخص قابلِ عفو ہوگا مثلاً پاگل بچے، مجبور یا مسافروں اور عورتوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے کیونکہ فطری اور طبعی طور پر ان دونوں کے لئے یہ پابندی مشقت طلب ہوگی۔

غرض یہ کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انسان کو جو طبعی یا تمدنی عوارض پیش آجاتے ہیں شریعت میں ان کی رعایتیں موجود ہیں۔ المشقۃ تجلب التیسیر کا اصول ان ہی حالات کے لئے ہیں۔ شریعت میں جو آسانیاں اور تخفیفیں دی گئی ہیں، ان کے سلسلہ میں چند باتیں اور ملحوظ رکھنی چاہئیں۔

۱ ——— سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فقہاء نے جو رعاتیں اور سہولتیں دی ہیں وہ خود ان کی وضع کردہ نہیں ہیں بلکہ وہ سب کتاب وسنت کے اصولی احکام کے تحت دی گئی ہیں۔ فقہاء نے یہ کیا ہے کہ ان کے سامنے جو نئی صورتیں پیش آئیں انہوں نے کتاب وسنت کے تحت ان کو ان پر قیاس کیا۔ اس میں ان سے غلطیاں بھی ہوئیں مگر کوئی غلطی ایسی نہیں رہی کہ اس پر دوسرے فقیہ نے متنبہ نہ کر دیا ہو۔

۲ ——— دوسری بات یہ ہے کہ جو آسانیاں اور تخفیفیں دی گئی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مشقت و دقت کی وجہ سے کسی حرام چیز کے استعمال کی اور کسی حلال چیز کے ترک کی مستقل ضرورت پیدا کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان صورتوں میں اگر عارضی

طور پر کوئی شخص کسی حرام چیز کا ارتکاب کرلے یا کوئی حلال چیز ترک کردے تو اتنی دیر تک جب تک وہ عارض موجود ہے اس کو گنہگار، قابل ملامت اور سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا ورنہ حرام اپنی جگہ پر حرام اور حلال اپنی جگہ پر حلال ہی باقی رہے گا۔

۳ ـــــــــ تیسری بات یہ ہے کہ دقتیں اور مشقتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن میں کوئی شرعی حکم مؤخر کیا جا سکتا ہے یا ایک کے بجائے دوسری صورت اختیار کی جا سکتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

دوسری مشقتیں اور دقتیں جن کو بہر صورت برداشت کرنا ہی پڑے گا مثلاً سردی کے زمانہ میں وضو کرنا، گرمی میں روزے رکھنا، حج کے لئے سفر کی زحمت اٹھانا، روپے خرچ کرنا، جہاد کے لئے صعوبت برداشت کرنا، جان و مال کو خطرے میں ڈالنا، حرام ذریعۂ رزق کو چھوڑنا، قاتل سے قصاص لینا، زانی کو رجم کرنا، چور کا ہاتھ کاٹنا اور باغیوں کی سرکوبی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کی بجا آوری میں اگر اس زمانہ میں کچھ لوگوں کو دقتیں محسوس ہوتی ہیں، تو جس زمانہ میں یہ احکام نافذ کئے گئے اس زمانہ میں بھی لوگوں نے دقتیں محسوس کی تھیں مگر جن دنیوی و اخروی فوائد کے پیش نظر ان احکام کو نافذ کیا گیا تھا ان ہی فوائد کے پیشِ نظر آج بھی ان کو نافذ کیا جانا چاہئے۔ اگر کسی کو اسلامی احکام میں مشقت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس دائرہ سے نکل تو سکتا ہے مگر اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں رہتے ہوئے ہر اس اسلامی حکم میں ترمیم شروع کردے، جو اسکی خواہشِ نفس کے خلاف ہو اور جس میں اس کی آسان پسند طبیعت دشواری محسوس کرتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے المشقۃ تجلب التیسیر کو چند اور قاعدوں سے مقید کر دیا ہے

المشقة والحرج انما يعتبر في موضع لا نص فيه واما مع النص فلا يعتبر	مشقت اور تنگی کا اعتبار وہاں کیا جائے گا جہاں کتاب و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو لیکن مشقت و حرج کے تقاضے کے خلاف کتاب و سنت کا تقاضہ ہو تو پھر اس مشقت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔
(الاشباہ والنظائر)	

اسی طرح عموم بلویٰ کے بارے میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ جو برائی بھی عام ہو جائے اور اس میں عام لوگ مبتلا ہو جائیں تو پھر وہ برائی برائی نہیں رہتی! اس غلط فہمی کو بھی فقہائے دور کر دیا ہے۔ امام صاحب کا یہ قول اصولِ فقہ کی کتابوں میں منقول ہے کہ۔

ولا اعتبار عنده بالبلوی فی موضع النص — امام صاحب کے نزدیک جہاں نص موجود ہو وہاں عام ابتلا کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کتاب وسنت کی حرام کردہ کسی چیز کو عام طور پر حلال سمجھ لیا جائے یا ان کی حلال کردہ کسی بات کو حرام قرار دے دیا جائے اور عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں تو اس عام ابتلا کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کتاب وسنت میں جو چیزیں حرام ہیں وہ حرام ہی رہیں گی۔ اور جو حلال ہیں وہ حلال ہی رہیں گی۔

یہ بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کہی گئی ہے اس بارے میں صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عموم بلویٰ کی وجہ سے اگر ضرورت شدیدہ لاحق ہو تو پھر نص میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔ عموم بلویٰ والے مضمون میں اس کی تفصیل ملے گی۔ دوسرے ائمہ بھی اس میں صاحبین کے ساتھ ہیں مگر یہ تخصیص ضرورتِ شدیدہ کی حد تک ہے۔

الضرر یزال — کوئی تکلیف یا نقصان ہو تو اس کو زائل کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں اصولوں کی طرح یہ اصول بھی قرآن وحدیث کی ہدایات ہی سے ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی حکمِ شرعی کی انجام دہی میں غیر معمولی مالی یا جسمانی تکلیف یا نقصان واقع ہوتا ہو تو حتی الامکان اس کو نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ ایک بیمار شخص اگر وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس کے مرض میں شدت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کو تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر ایک شخص ریل سے اتر کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے سامان کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں اس کو ریل کے اندر ہی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے (بصورتِ مجبوری) بیٹھ کر نماز پڑھنا اور رکوع وسجدہ اشارے سے ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ غرض یہ کہ فقہا کا یہ اصول اسی حقیقت کے اظہار کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ اسلامی

شریعت کے احکام انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہیں جن میں انسان کی فطرت کا پورا پورا لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ یہ احکام اس خلاقِ فطرت نے دیئے ہیں جو انسان کی فطری کمزوریوں اس کی تکلیفوں اور اس کے جسمانی و روحانی نقصانات سے پورے طور پر واقف ہے۔

وہ کبھی بندے کو تکلیف و نقصان میں ڈالنا نہیں چاہتا، بلکہ اس سے بچاتا ہے لیکن اگر اسکے کسی حکم کی بجاآوری میں کوئی تکلیف یا مشقت یا نقصان نظر آتا ہے تو اس تکلیف و مشقت اور نقصان ہی میں نہ جانے کتنے اجتماعی اور انفرادی فوائد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک شخص حج کا سفر کرتا ہے اس میں جسمانی تکلیف بھی اٹھاتا ہے اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ بھی لگاتا ہے مگر اس جسمانی تکلیف کے اٹھانے اور اپنی دولت خرچ کرنے پر وہ اس لئے مجبور ہوتا ہے کہ اس میں بے شمار انفرادی و اجتماعی و روحانی فوائد مضمر ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ نماز، اور جہاد وغیرہ کو سمجھنا چاہئے۔

اب جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شرعی حکم کی تعمیل میں ان کو کوئی تکلیف یا نقصان ہوتا ہے تو اس کو ساقط کر دینا چاہئے۔ تو اس سے اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ اسی لئے فقہا نے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ نہ تو نقصان کی تلافی دوسرے نقصان سے کی جا سکتی ہے اور نہ ہر عمرو بکر کے نقصان کا لحاظ کیا جائے گا۔ بلکہ مخصوص افراد کے نقصان سے اگر عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو مخصوص افراد کو اس نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یتحمل الضرر الخاص لاجل	عام نقصان سے بچنے کے لئے خاص نقصان
رفع الضرر العام	کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یعنی اگر سودی کاروبار کے بند کرنے میں کچھ لوگوں کا نقصان واقع ہوتا ہے، یا حکومت کو کچھ دقتیں پیش آتی ہیں تو اس نقصان کو دوسرے طریقہ سے پورا کرنا چاہئے اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس نقصان کی تلافی سودی کاروبار جاری کر کے کی جائے کیونکہ سودی کاروبار کا جاری رہنا، نہ رہنے کے مقابلہ میں معاشرہ و حکومت دونوں کے لئے مادی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے زیادہ مضر اور نتیجہ کے اعتبار سے نقصان دہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی معاملہ میں چند افراد کا نقصان ہوتا ہے مگر اس نقصان سے عام معاشرہ کا فائدہ ہوتا ہے تو اس خاص نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کسی محاذِ جنگ پر کفار مسلمان بچوں کو بطور ڈھال استعمال کریں اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی گولیوں اور تیروں کا نشانہ مسلمان بچے بن رہے ہیں، تب بھی ان کو نشانہ بنانے سے باز نہ آنا چاہیئے، گو اس سے ہر مسلمان کو تکلیف ہوگی، مگر یہ تکلیف اس لئے برداشت کرنی پڑے گی کہ چند بچوں کا جانی نقصان پوری اسلامی فوج کو ہلاکت سے بچانے کیلئے ضروری ہے۔ تو یہ ضررِ خاص ضررِ عام سے بچنے کے لئے برداشت کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی شاہراہِ عام پر کوئی ایسا مخدوش مکان ہو جس کے گر جانے کی صورت میں لوگوں کے مالی یا جسمانی نقصان کا اندیشہ ہو تو اسلامی حکومت اس کو گرا سکتی ہے، حالانکہ اس کو کسی کی ملکیت پر دست درازی کا حق حاصل نہیں ہے، لیکن اس خاص نقصان کو اس لئے برداشت کیا جائے گا کہ اس سے عام نقصان اور تکلیف کا اندیشہ ہے

اسی طرح اگر کوئی معلم بچوں کے اخلاق کو بگاڑتا ہے، کوئی جاہل ڈاکٹر مریضوں کی جان سے کھیلتا ہے چند تاجر جوسٹہ بازی اور ذخیرہ اندوزی کر کے ملک میں گرانی پیدا کرتے ہیں ان تمام اشخاص پر اسلامی حکومت یہ پابندی عاید کر سکتی ہے کہ وہ اپنے پیشے اور کاروبار سے باز آ جائیں۔

الاصل فی الشیٔ الاباحۃ   ہر چیز میں اصلاً اباحت ہے

فقہا کے اس اصول سے یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی ہو اس کے استعمال میں اباحت ہے۔ اسلئے اگر ہر حرام چیز کو اسکی اصل پر باقی رکھتے ہوئے مباح سمجھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ہمارے جدید فقہا نے اس اصول کے سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے۔

یہ اصول اصل میں اس حقیقت کے اظہار کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء کی تخلیق خالقِ کائنات نے انسان کے فائدہ کے لئے کی ہے اگر ان کو ان کے فطری حدود کے

اندر استعمال کیا جاتے تو کائنات کی ہر چیز مباح اور مفید ہے لیکن انسان خود ان کو بگاڑ کر اپنے لئے مضر بنالیتا ہے۔ مثال کے طور پر انگور کو لیجئے۔ اس کے اندر خدا نے کتنی لذت و لطافت رکھی ہے۔ اسکے مباح وحلال ہونے میں کس کو شبہہ ہو سکتا ہے مگر جب اس انگور کو انسان نے بگاڑ کر شراب بنالی، تو خدا نے اس کو حرام کر دیا۔ مگر اس شراب کی اصل یعنی انگور کے بارے میں شریعت نے یہ وضاحت کر دی کہ وہ اپنی جگہ پر اسی طرح مباح ہے، اس کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں آیا، فرق جو کچھ آیا ہے انسان کے غلط تصرف اور اس کے نشہ آور ہو جانے کی وجہ سے آیا ہے۔

اسی طرح مٹی پوری انسانی آبادی کا مشترک اور مباح سرمایہ ہے لیکن اگر کوئی احمق اس سے دانہ اُگانے کے بجائے اسے کھانا شروع کر دے تو اسلام اس کے کھانے کو حرام قرار دے گا۔ اٹامک انرجی کی دریافت خدا کا ایک عطیہ ہے لیکن اگر اس کو پُرامن استعمال کرنے کے بجائے انسانیت کی ہلاکت کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ مباح چیز حرام ہو جائے گی۔

غرض یہ کہ حقیقت میں ہر چیز مباح ہے، انسان خود اپنے استعمال سے اسے حرام اور مُضر بنالیتا ہے۔

لیکن اگر کسی چیز کے اندر اباحت کے ساتھ حظر (ممنوع) کا پہلو بھی جمع ہو جائے تو پھر حظر کو ترجیح ہوگی اور اباحت کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ ابوبکر جصاص نے اپنی اصولِ فقہ میں بار بار لکھا ہے کہ۔

اذا اجتمع سبب الحظر والاباحة کان الحکم للحظر دون الاباحة	جب اباحت اور حظر (ممنوع) دونوں کے اسباب جمع ہو جائیں تو ممنوع کو ترجیح ہوگی، اباحت کو نہیں۔

مذکورہ بالا اصولوں کے ساتھ فقہاء کے ان اصولوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح	مفاسد کا دور کرنا فوائد کے سمیٹنے سے زیادہ بہتر ہے
اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام	جب کسی چیز کے حلال و حرام ہونے میں دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرام پہلو کو غالب رکھا جائے گا۔

یعنی اگر ایک چیز کے استعمال سے فائدہ بھی ہو اور نقصان بھی تو فائدہ کو نظر انداز کیا جائے نقصان دہ اور مضرت رساں پہلو کو سامنے رکھا جائے گا اور اسے ممنوع قرار دیا جائے گا۔ شراب، جوا، اور سود فوائد سے خالی نہیں ہیں مگر چونکہ ان کے فوائد کے مقابلہ میں مفاسد اور مضرت زیادہ ہیں، اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کو حرام قرار دیا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا	آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں مگر ان کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی چیز کے حلال و حرام ہونے میں ہمیں شبہہ پیدا ہو جائے تو اس کو حرام ہی سمجھنا چاہئے کیونکہ حلال امر ہے اور حرام نہی اور شریعت میں امر کی تعمیل سے بڑا درجہ یہ ہے کہ جس چیز کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے اس سے رُک جایا جائے۔

لان الاعتبار فی الشرع بالنہیات اشد من اعتنائہ بالمامورات	شریعت نے مامورات کے مقابلہ میں منہیات کا زیادہ لحاظ و اعتبار کیا ہے۔

اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہات تک سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ یہ حرام کے قریب کر دینے کا سبب ہے، آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے جس بات سے روکا ہے اس سے رُک جانا عبادت سے زیادہ افضل ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ دو ایسی لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ ایک آیت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیت سے حلت مگر فالتحریم احب الینا تحریم والی آیت ہمیں زیادہ پسند ہے۔

فقہاء کے مذکورہ اصولوں کی ان ہی کی زبان سے جو مختصراً وضاحت کی گئی ہے کیا اسکے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ اصول ضرورت و مصلحت، دقت و تکلیف کے وقت حرام کو حلال اور حلال کو حرام یا ممنوع کو مباح اور مباح کو ممنوع قرار دینے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

مشروط نکاح

اسلام دین فطرت ہے، انسانی جذبات اور ضروریات زندگی سے مکمل طور پر ہم آہنگ، کیونکہ یہ کسی انسانی ذہن کی پیداوار اور اپج نہیں بلکہ اس علیم وخبیر کی طرف سے ہے جو انسانی ضروریات اور مصالح سے اس سے زیادہ آگاہ اور واقف ہے، ساتھ ہی اپنی مخلوقات پر رحیم وکریم اور شفیق بھی ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے لئے کچھ تحفظات چاہتا ہے خصوصی طور سے معاملات میں شرط کی شکل میں، وہ اپنے حقوق کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اسلام میں اس جذبہ کی مکمل رعایت رکھی گئی ہے اور شریعت کے دائرہ میں رہ کر شرط لگانے کی کھلی چھوٹ دی گئی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الناس علی شروطھم ما وافقت الحق. لوگوں کو ان شرطوں کی تکمیل لازم ہے جو حق کے موافق ہوں، نیز خرید وفروخت کے معاملہ میں رہن اور کفارہ کی گنجائش رکھی گئی ہے جو بقول ابن قدامہ ایک قسم کی شرط ہی ہے [۱] شرط عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو لازم اور ضروری قرار دینا، جمع شروط ہے، "شریطہ" بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جمع شرائط ہے [۲] شرط کی اصطلاحی تعریف بھی قریب

---

[۱] دیکھئے المغنی ۱/۰
[۲] دیکھئے القاموس المحیط/۸۶۹ لسان العرب ۳۲۹/۰

قریب ہی ہے، علامہ حموی تحریر کرتے ہیں،

الشرط هو التزام امر لم یوجد فی امر قد وجد بصیغة مخصوصة[1]

کسی معاملہ میں ایسی چیز کو لازم کرلینا جو نفس معاملہ کی وجہ سے لازم نہ ہو، مخصوص الفاظ کے ذریعہ۔

غرض شرط کی وجہ سے دوسرے فریق پر کچھ ایسی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں جو اس پر واجب و ضروری نہ تھیں تاہم شریعت نے اس سلسلہ میں فریقین کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ وہ معاملہ کو جس طرح سے چاہیں طے کرلیں بلکہ معاملہ کی روح اور مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے، نیز دونوں کی فطرت وصلاحیت کے پیش نظر ایک گونہ پابندی لگادی ہے تاکہ کمزور فریق کا استحصال نہ ہوسکے اور اس کی مجبوری سے بے جا فائدہ اٹھانے پر بند لگایا جاسکے، اس اعتبار سے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں۔

۱ــــ وہ فرائض و ذمہ داریاں جو خود عقد نکاح کی وجہ عائد ہورہی تھیں انھیں کو شرط کی شکل میں ذکر کردیا جائے مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر رکھ رکھاؤ اور برتاؤ میں اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرے گا اس قسم کی شرط بالاتفاق معتبر ہے اگر بصورت شرط نہ بھی ذکر کیا جاتا جب بھی اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوتا، ہاں شرط لگانے کی وجہ سے مزید تاکید پیدا ہوجائے گی[2]

۲ــــ ایسی شرطیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، بقول ابن ارشد "جو نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے کسی کو ختم کردیتی ہوں یا نکاح کے واجب احکام میں تبدیلی کو مستلزم ہوں"[3] مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر نفقہ کا ذمہ دار نہ ہوگا یا مہر ادا نہیں کرے گا، یا عورت کی طرف سے یہ شرط کہ شوہر اس سے ہمبستری نہیں کرے گا یا اس کی سوکن کی بہ نسبت اس کے یہاں زیادہ رہے گا۔

---

[1] غمز عیون البصائر ۲/۲۲۵ [2] فتح الباری ۹/۲۱۷

[3] بدایۃ المجتہد ۲/۵۹ [4] رفع الملک المعبوط ۳/۳۲

ایسی شرط بالاتفاق نامعتبر ہے[1]، مگر کیا اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں قدرے اختلاف ہے، احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا گو شرط کو عقد کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، مالکیہ کہتے ہیں کہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح فاسد ہو جاتا لیکن اگر اس کے باوجود یکجائی ہو جائے تو نکاح صحیح، شرط باطل ہے شوافع اور حنابلہ کے یہاں کچھ تفصیل ہے، بعض شرطوں کی وجہ سے وہ نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں اور بعض کی وجہ سے نہیں[2]

۳ــــ وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں قسموں میں شامل نہیں بلکہ مباح اور جائز ہیں لیکن اس کی وجہ سے ایک فریق پر ایسی پابندی عائد ہو جاتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی جیسے عورت کی طرف سے یہ شرط کہ شوہر اس کو لے کر سفر میں نہیں جائے گا، اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا، اس کو میکے میں ہی رہنے دے گا، اپنے گھر لے جانے پر مجبور نہیں کرے گا وغیرہ اس قسم کی شرطوں کے بارے میں ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے، احناف کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے کاسانی رقم طراز ہیں۔

ان ما شرط الزوج من طلاق المرأۃ وترک الخروج من البلدۃ لایلزمہ فی الحکم لان ذالک وعد وعدلھا فلا یکلف بہ[3]

عورت کو طلاق دینے اور شہر سے نہ نکالنے کی شرط کی تکمیل قضاءً شوہر کے لئے ضروری نہیں ہے اس لئے کہ یہ عورت سے کیا ہوا ایک وعدہ ہے جس کے پورا کرنے کا وہ مکلف نہیں۔

ابو عبید شافعی کی بھی یہی رائے ہے[4] لیکن امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ شرط لغو ہے اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہے[5] فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسی شرطیں

---

[1] فتح الملک المعبود ۲/۳۱ [2] الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۵۳ وما بعدھا [3] بدائع ۲/۲۸۵ نیز دیکھئے عمدۃ القاری ۲۰/۱۴۰ العرف الشذی مع الترمذی ۱/۲۱۶ [4] فتح الباری ۹/۲۱۷ [5] شرح نووی علی مسلم ۱/۴۵۵

کراہت سے خالی نہیں ان کی تعمیل صرف مستحب ہے۔[۱] تاہم یہ تینوں حضرات اس پر متفق ہیں کہ عورت کو اس کی وجہ سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا صحابہ میں حضرت علیؓ بھی اس کے قائل ہیں، عطا، شعبی، زہری، قتادہ، ہشام بن عروہ، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن سیرین، ربیعہ، ابوالزناد، لیث، اور سفیان ثوری کی بھی یہی رائے اور مسلک ہے۔

اس کے برخلاف حضرت عمرؓ، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ شرط کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، عدم تعمیل کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف بھی یہی رائے منسوب ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، طاؤس، ابوالشعثاء، اوزاعی، امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ اور بعض مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں[۲] ماضی قریب یا حال کے محققین علماء میں استاذ ابوزہرہ، شیخ مصطفےٰ زرقاء، وہبہ زحیلی اسی خیال کے حامی و موید ہیں[۳]

فریق اول کے دلائل

جو حضرات شرط کو لازم اور ضروری نہیں سمجھتے یا اس کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق نہیں دیتے وہ درج ذیل احادیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل[۴] ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں باطل ہے۔

معلوم ہوا کہ جو شرطیں اللہ کی کتاب اور اس کے مقتضی کے مطابق نہیں وہ باطل ہیں۔

---

[۱] الفقہ الاسلامی ۷/۶۰ [۲] دیکھئے مصنف عبدالرزاق ۶/۲۲۴ مابعدہا مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۱۹۹ ومابعدہا، شرح السنہ ۹/۵۴، فتح الباری ۹/۲۷۳ عمدۃ القاری ۲۰/۱۴۰، المغنی ۷/۷۱، فقہ السنہ ۲/۱۸۱، وبعض المالکیہ سارواماریہم، امام احمد بن حنبل/۳۴۶ لابی زہرۃ [۳] دیکھئے امام احمد بن حنبل/۳۵۱، المدخل ۱/۴۸۶ الفقہ الاسلامی ۷/۶۰

[۴] بخاری ۱/۳۷۷

مذکورہ شرائط بھی اسی قبیل کی ہیں کیونکہ قرآن نے اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی ہے جبکہ شرط کی وجہ سے شوہر کو پابند ہونا پڑتا ہے،

۲ــــ نیز آپ نے فرمایا

المسلمون علی شروطھم الا شرطا احل حراماً او حرم حلالا [۱]	مسلمانوں کے معاملات طے شدہ کے مطابق انجام پذیر ہوں گے، سوائے ان شرطوں کے جو کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرتی ہوں۔

طریقہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ شرط لگانے کی وجہ سے ایک حلال چیز۔ یعنی دوسری شادی یا ساتھ سفر میں لے جانا وغیرہ ۔۔ حرام ہو جاتی ہے اس لئے ایسی شرط حدیث کی رو سے ناقابل وفا ہے۔

۳ــــ حضرت علیؓ سے اس عورت کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے عقد کے وقت میکے میں رہنے کی شرط لگا دی تھی تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کو وہاں سے لے جانے کا حق حاصل ہے، کیونکہ اللہ کی شرط عورت کی شرط پر مقدم ہے۔[۲]

۴ــــ چونکہ ایسی شرط عقد کی مصلحت اور تقاضا سے ہم آہنگ نہیں اس لئے لازم وفا نہیں [۳]

۵ــــ حضرت عمرؓ سے منقول روایتوں میں تضاد ہے اس لئے اس سے استدلال درست نہیں، چنانچہ ابن وہب "بسند جید" روایت کرتے ہیں کہ کسی عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ وہ میکے میں ہی رہے گی۔ بعد میں شوہر نے وہاں سے لے جانا چاہا، مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا، آپ نے شرط کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور فیصلہ کیا کہ عورت شوہر کے ساتھ رہے گی، وہ جہاں لے جانا چاہے

---

[۱] رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ، والترمذی وقال حسن صحیح [۲] دیکھئے مصنف عبدالرزاق ۶/۲۲۷ مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۰۱ المحلی ۹/۱۲۵ ترمذی ۱/۲۱۴ [۳] دیکھئے شرح مہذب ۱۶/۲۵۰

لے جا سکتا ہے[1]

۹ ـــ حدیث" ان احق الشروط ان یوفی بھا ما استحللتم بھا الفروج"
میں شرط سے مراد مہر ہے، یا وہ ذمہ داریاں ہیں جو عقد نکاح کی وجہ سے خود لازم اور ضروری ہوجاتی ہیں۔[2]

دوسرے فریق کے دلائل

جو حضرات شرط کی تکمیل کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، اور عدم تعمیل کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق دیتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱ ـــ قرآن کریم میں عہد اور وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے
یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود[3] ایمان والو، وعدوں کو پورا کرو،
آیت میں" عقود" سے مراد عہد اور وعدے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریج ابو عبیدہ اور متعدد دیگر لوگوں سے آیت کی یہی تفسیر منقول ہے، اور ظاہر ہے کہ شرط بھی ایک عہد اور وعدہ ہے، چنانچہ جصاص رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں،
وکذالك کل شرط شرطہ انسان علی نفسہ فی شئ فی المستقبل فھو عقد[4]
ایسے ہی آئندہ کسی کام کے متعلق اپنے اوپر جو شرط عائد کرے وہ عقد ہے۔
پھر آگے وہ اس آیت کے تقاضا پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" انسان جو شرط قبول کرے اس آیت کے مطابق اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے الا یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل موجود ہو"[5]
نیز فرمان باری ہے۔
واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا[6]
عہد کو پورا کرو واقعی اس کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔
یہ عہد عام ہے کہ اللہ سے کیا گیا ہو یا بندے سے گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو چنانچہ ارشاد ہے

---

[1] فتح الباری ۹/۲۰۷ [2] مرقات ۳/۴۲۱ [3] سورۂ مائدہ ـــ ۱
[4] احکام القرآن ۲/۲۸۶ [5] احکام القرآن ۲/۲۸۵ [6] سورہ اسراء ۳۴

الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئاً ولم يظاهروا عليكم احداً فاتموا اليهم عهدهم الیٰ مدتهم إن الله يحب المتقين[1]

مگر وہ مشرکین اس حکم میں شامل نہیں جن سے تم نے عہد کیا ہے پھر انہوں نے اس عہد کو نباہنے میں کوتاہی نہیں کی اور تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد نہیں کی، سو ان کا معاہدہ مدت مقررہ تک پورا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

اس طرح کی اور بہت سی آیتیں ہیں جس میں وفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے، اور بدعہدی پر وعید سنائی گئی ہے، شرط بھی ایک طرح سے عہد ہی ہے لہٰذا اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

۲ ــــ حدیث میں بدعہدی نفاق کی علامت بتلائی گئی ہے، بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وفاء عہد کا حکم دیا اور خلاف عہد کرنے کی سخت مذمت بیان فرمائی، شدید ترو عیدوں سے خبردار کیا۔

۳ ــــ نکاح کے معاملہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمایا کہ

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج[2]

تعمیل کی مستحق سب سے زیادہ وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ دیگر شرطوں کی بہ نسبت عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرط زیادہ لائق وفا ہے۔

۴ ــــ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک موقع پر فیصلہ فرمایا کہ شوہر کے لئے شرط کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، شوہر نے اعتراض کیا کہ پھر مردوں کے طلاق کا کیا حاصل؟ اذا تطلقنا، حضرت عمرؓ نے جواب میں یہ قانونی جملہ ارشاد فرمایا۔

"مقاطع الحقوق عند الشروط[3]

۵ ــــ قرآن پاک سے یہ ثابت ہے کہ معاملات میں اصل بنیاد "رضا" ہے لہٰذا جس

---

[1] سورۃ توبہ ــ ۴ [2] بخاری مع الفتح ۲۱۰/۹ مسلم ۴۵۵/۱

[3] بخاری مع الفتح ۲۱۰/۹ مصنف عبدالرزاق ۲۲۴/۶

شرط پر فریقین راضی ہوں اور عقد کے مقصد و روح کا منافی نہ ہو نیز اس کی وجہ سے شریعت کے متعین کردہ حدود نہ ٹوٹتے ہوں تو وہ جائز اور لازم ایفا ہے۔

۲۔ معاملات میں اصل اباحت ہے، اس پر تقریباً تمام فقہا کا اتفاق ہے صرف ظاہریہ حظر کے قائل ہیں" اور عبادات میں اصل "ممانعت و حظر ہے کہ صرف وہی چیزیں لازم و ضروری ہوں گی جسے شریعت نے فرض و واجب قرار دیا ہے، اپنی طرف سے کسی چیز کو فرض و واجب قرار دینا درست نہیں، لیکن اس کے باوجود عبادت میں "نذر" کی صورت میں شرط لگانے کی اجازت دی گئی ہے کہ جو چیز ذمہ میں واجب نہ ہو اسے "نذر" کے ذریعہ واجب کرلے، جب عبادات ــــ جس میں اصل ممانعت ہے۔ میں شرط کی اجازت ہے، اور اس کی تکمیل لازم و ضروری ہے تو معاملات ــــ جس میں اصل اباحت ہے ــــ میں بدرجہ اولی اس کی تکمیل ناگزیر ہوگی۔

۷۔ یہ ایسی شرطیں ہیں جو نکاح کے منشا و مقصد کے منافی ایک جائز منفعت اس سے وابستہ ہے، لہذا جس طرح زیادتی مہر کی شرط لازم ہے اسی طرح سے یہ شرائط بھی ضروری اور واجب ایفا ہیں[2]

دلائل کا ایک جائزہ

۱۔ واقعہ ہے کہ فریق اول کی طرف سے پیش کردہ دلائل میں حضرت علیؓ کے اثر کے علاوہ کوئی صریح نہیں ہے اس قسم کی شرطوں کو "تحریم حلال" قرار دینا مشکل ہے، کیونکہ شرط کی وجہ سے یقینی طور پر حلال کی چیز حرام نہیں ہوجاتی ہے بلکہ اس شرط کی خلاف ورزی کی اب بھی اجازت ہے، وہ لازم و ضروری اس معنی کر ہے کہ اس کے خلاف کرنے کی وجہ سے عقد کو ختم کرنے کا حق ملتا ہے، نیز کسی چیز کو لازم و ضروری قرار دینے اور حرام کرلینے میں نمایاں فرق ہے، ابن قدامہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] دیکھئے مبدء الرضا فی العقود / ۸۶ ـ ۱۱ [2] یہ تمام تر تفصیلات فتاوی کبری لابن تیمیہ ۲/ ۳۲۹ و ما بعدہ، اعلام الموقعین ۳/ ۴۰۲، المغنی ۷/ ۷۰ ـ ۷۱ سے ماخوذ ہیں۔

قلنا لا يحرم الحلال وانما يثبت للمرأة خيار الفسخ [1]

ہم کہتے ہیں کہ شرط کی وجہ سے حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی ہاں اس کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

فهذا صحيح لازم للزوج بمعنى ثبوت الخيار لها بعدمه ولا يجب الوفاء به بل حسن [2]

تو یہ شرط صحیح ہے شوہر کے لئے لازم ہے اس معنی کر کہ شرط کو نہ نباہنے کی وجہ سے عورت کو اختیار ملے گا، اور شرط کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

۲ — حدیث " کل شرط لیس فی کتاب اللہ " سے مراد وہ شرطیں ہیں جو قواعد شریعت اور معاملہ کے مقصد و روح سے میل نہ کھاتے ہوں، علماء محققین نے حدیث کی یہی تشریح کی ہے [3] چنانچہ علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں۔

وقال القرطبي ليس في كتاب الله اى ليس مشروعا فيه تاصيلا ولا تفصيلا " ومنها ما اصل اصله كدلالة الكتاب على اصلية السنة والاجماع والقياس [4]

قرطبی فرماتے ہیں کہ "لیس کتاب اللہ" سے مراد وہ شرطیں ہیں جو قرآن میں نہ باعتبار اصل مذکور ہوں اور نہ باعتبار تفصیل .... اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے اصل ہونے پر اللہ کی کتاب میں دلیل موجود ہو جیسے سنت و اجماع، اور قیاس،

مذکورہ حدیث جس پس منظر میں کہی گئی ہے وہ بھی اس توجیہ کی موید ہے کہ حضرت بریرۃ ایک باندی تھیں، حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ انہیں ان کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیں وہ بیچنے پر راضی تو ہو گئے لیکن شرط لگا دی کہ " حق ولاء " [5] انہی کو ملے گا، اللہ کے رسول

---

[1] المغنی ۷/۱۰ [2] الاقناع ۳/۱۹۰ نیز دیکھئے الروض المربع/۳۴۰ [3] المذکر
[4] فیض القدیر ۵/۲۲ حدیث ۶۳۱۳ [5] غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی وجہ سے بعض صورتوں میں آزاد کرنے والا ان کا وارث ہوتا ہے، اسی کو "حق ولا" کہتے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو آپ نے برہمی ظاہر کی اور ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں، جو شخص ایسی شرطیں لگائے جو اللہ کی کتاب میں مذکور نہ ہو تو وہ معتبر نہیں گو وہ سو شرطیں لگا دے[1]

ظاہر ہے کہ یہ شرط مقصد شریعت کے خلاف ہے "حق ولاء" سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ غلاموں کی آزادی کی طرف راغب ہوں، اگر فروخت کے باوجود بھی یہ حق ملتا رہے تو مقصد ہی باقی نہیں رہے گا، لوگوں کی توجہ آزادی سے ہٹ کر فروختگی پر مبذول ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں دوہرے فائدہ کا امکان ہے۔ غلام کی قیمت تو ملے گی ہی، شرط لگا کر "حق ولاء" کو بھی محفوظ کرلیں۔ علاوہ ازیں "ولاء" شریعت کی نظر میں ایک رشتہ ہے فروخت کرنے یا بخشنے کی چیز نہیں ہے کہ معاہدہ کے ذریعہ دوسرے کو بخشا جا سکے اس کا حق دار تو وہی ہوگا جس نے اسے آزاد کیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے،

الولاء لحمة کلحمة النسب لایباع ولا یوھب[2] "ولاء" نسبی رشتہ کی طرح ہے نہ اسے بیچا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے، لہذا جس طرح سے نسبی رشتے معاہدہ اور شرط کی بنیاد پر تبدیل نہیں کئے جا سکتے اسی طرح "حق ولاء" کو بھی دوسرے کو منتقل نہیں کیا جا سکتا اس کا حق دار تو وہی ہوگا جس نے اسے آزاد کیا ہے۔

۳۔ حدیث "ان احق الشروط" کی یہ توضیح کی اس سے مراد مہر یا وہ فرائض وہ ذمہ داریاں جو عقد نکاح کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں، ظاہر حدیث کے خلاف ہے، چنانچہ مشہور محدث ابن دقیق العید شافعی فرماتے ہیں" وہ فرائض وذمہ داریاں جو تقاضہ عقد میں شامل ہیں ان کو واجب قرار دینے میں شرط مؤثر نہیں ہے۔ تو پھر ان شرطوں کے لگانے پر حکم کو معلق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور حدیث کا سیاق بھی اس کے خلاف تقاضا کرتا ہے اس لئے کہ لفظ" احق الشروط" کا تقاضا ہے کہ بعض شرطیں قابل وفا ہیں

بخاری ۱/۹۶ [2] الجامع الصغیر ۲/۲۲۳، حدیث ۹۶۶۷ نیز دیکھئے فیض القدیر ۶/۳۷۷

اور بعض نہایت قابل وفا، اور جو شرطیں واجبات عقد میں سے ہیں وہ لازم وفا ہونے میں برابر ہیں [1]

۴۔ دوسرے فریق کی طرف سے پیش کردہ دلائل میں بھی صحابہ کرام کے اقوال کے علاوہ کوئی صریح نہیں ہے، ان آثار میں بھی حضرت عمرؓ سے بھی منقول فیصلوں میں تضاد ہے، دونوں روایتیں صحیح ہیں ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا بھی مشکل ہے صحابہ کرام کے ارشادات اور فیصلہ جات کے علاوہ دلائل سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وفا عہد لازم اور ضروری ہے، یہ صراحت نہیں کہ اس کی وجہ سے عقد کو فسخ اور ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ اس سلسلہ میں احناف کا جو نقطہ نظر ہے کہ شرط کو عدہ ہے دیانتا اس کی تکمیل لازم وضروری ہے [2] وہی قرآن وحدیث سے زیادہ قریب ہے۔ تاہم دین سے دوری بلکہ دین بیزاری کے اس پرآشوب ماحول میں جہاں اخلاقیات کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں، نیز اس طرح کے معاملات میں شرط کی عدم تکمیل کی وجہ سے معاشرہ میں طرح طرح کی برائیاں اور خرابیاں جنم لے رہی ہیں، ضرورت ہے کہ اسے صرف اخلاقی حیثیت تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ قانونی اعتبار سے بھی شرط کو پوری کرنے پر مجبور کیا جائے، اگر شوہر اس کے لئے تیار نہ ہو تو نکاح کو فسخ کر دیا جائے، کیونکہ لوگوں کی ضروریات کے پیش نظر قانونی نقطہ نظر سے وعدہ کی تکمیل لازم ہو جاتی ہے حصکفی لکھتے ہیں۔

لان المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح [3]

---

[1]

از :- محمد خالد صدیقی
سماج کلیسان سیتی۔ نیپال

قسط نمبر (۲)

حیلہ حرام ہے

شرعی دلائل کے مطالعہ، اسلام کے مزاج ومذاق سے واقفیت، اس کے اصول و کلیات سے آگہی، اور شرعی دلائل پر مبنی قواعد کو جاننے کے بعد اس میں کوئی شک وشبہہ باقی نہیں رہ جاتا کہ حیلہ جائز نہیں ہے، یہ کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء، حدیث رسول کے ساتھ ٹھٹھا اور اسلام کے نظام عدل ہی نہیں بلکہ اس کے مکمل ڈھانچہ کے لئے ایک سوالیہ نشان ہے، حیلہ اسلام کے مضبوط ستون میں رخنہ پیدا کرتا ہے، یہ ایک شیطان کا وسوسہ اور مومن بندوں کو راہِ حق سے بھٹکانے کی ابلیسی سازش ہے، حیلہ رفتہ رفتہ آدمی کو حقوق کی ادائیگی سے غفلت برتنے والا، عبادات میں کوتاہی، معاملات میں تساہل حتی کہ اسلام کے مبادیات پر عمل کرنے، کرانے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ اور بہت بڑا عنصر ثابت ہوتا ہے۔

آدم کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ نے ابلیس کو پیدا کر دیا تھا تب سے آج تک وہ آدم اور ان کی ذریت کو راہِ حق سے ہٹا کر ظلمت وضلالت کے اندھیرے کی جانب ڈھکیلنے کی کوشش کرتا آرہا ہے، شیطان کے اس عمل کو انبیاء کرام نے اپنی امتوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کیا، شیطان کا سب سے کارگر اور کامیاب نسخہ رہا ہے۔ جس میں وہ گمراہی کو حق کی شکل میں سنا کر پیش کرتا ہے، لیکن اس سے باطل حق نہیں ہو جاتا۔

گزشتہ امتوں میں جب جب حیلہ سازی کے عمل کو دہرایا گیا اور حرام کو حیلہ بہانہ سے کے ذریعہ حلال کرنے کی مذموم سعی کی گئی تب تب اللہ کی جانب سے سخت تنبیہ اور وعید نازل ہوئی، بنی اسرائیل کے بارے میں ہمارے سامنے قرآن مقدس کی آیت موجود ہے جسے پڑھ کر ایک صاحب ایمان کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ اس حرکت کا خمیازہ

انہیں کس صورت میں بھگتنا پڑا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ

(البقرہ ۶۶-۶۵)

ان لوگوں کا حال جان چکے جنھوں نے تم میں سے سنیچر کے دن سرکشی کی تھی تو ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ پھر ہم نے اس واقعہ کو ان لوگوں کیلئے جو وہاں تھے اور جو بعد میں آنیوالے تھے سامان عبرت بنادیا، اور یہ ڈرنے والوں کے لئے نصیحت!

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم و تکریم کرینگے عبادتیں کرینگے، اس لئے کہ یہ دن ایک مبارک دن تھا بنی اسرائیل کے لئے، انہیں یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے مچھلی ذریعہ معاش تھی۔ مگر ہفتہ کی بندش کو انہوں نے قبول نہیں کیا ان کی سرکش طبیعت انہیں حد سے متجاوز کرنے پر اکسا رہی تھی لیکن کھلم کھلا اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنی نہیں چاہ رہے تھے، ان کی خواہش تھی کہ بظاہر ہمارا عمل شریعت سے متصادم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کے لئے انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ ہفتہ کا دن آنے سے پہلے جال، بنسی ڈال دیتے تھے اور جب سنیچر کا دن آتا تھا اس دن قطعاً کوئی حرکت نہیں کرتے تھے بلکہ صرف عبادات میں مصروف رہتے تھے اور شکار سے متعلق اشیاء کو چھوتے بھی نہیں تھے اس طرح کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے، پھر جب سنیچر کا دن ختم ہو جاتا اور رات آجاتی تو اس تمام شکار کو پکڑ لیتے۔

ان کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوئے اور اتنے ناراض ہوئے کہ تاریخ انسانی کی سب سے بدترین سزا ان کے لئے تجویز فرمائی، ان کی صورتیں مسخ کر دیں، انکی شکلوں کو بندروں جیسا بنا ڈالا (بندر بنانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ انسان کی ظاہری شکل و شباہت میں تھوڑی بہت مماثلت رکھتے ہیں۔) اس طرح اللہ نے ان کی اس بدعملی کا بدلہ دیا اور قانون شریعت کے معاملہ میں حیلہ سازی کرنے کی وجہ سے اس بھیانک عذاب سے دوچار کرایا۔ جیسی حیلہ سازی کی کہ ان کا حیلہ بظاہر حق کے مطابق تھا لیکن درحقیقت

وہ باطل کی بدترین شکل تھا، اللہ نے ویسا ہی بدلہ دیا کہ ان کی شکلوں کو بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیا جو بظاہر (کسی قدر) دیکھنے میں انسان سے مشابہ ہوتا ہے، لیکن ہوتا بندر ہی ہے[1]۔

ایک شبہ کسی ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ آیت بنی اسرائیل کی کہانی سناتی ہے کہ ان کے ساتھ ایسا ہوا۔ ممکن ہے کہ اس طرح کی حرکت کرنے پر اس قسم کی بھیانک سزا انہیں کے ساتھ خاص ہو خصوصاً ان کی شریعت کی سختی کو دیکھتے ہوئے یہ قرین قیاس بھی ہے، اور اگر نہ بھی ہو تو ما قبل کی شریعت کی کوئی بات ہم پر کیسے نازل ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب خود مذکورہ آیت میں موجود ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا (بقرۃ: ۶۶) تو ہم نے اس واقعہ کو ان کے معاصرین اور بعد میں آنے والوں کے لئے سامان عبرت بنا دیا

اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ اسی آیت میں کر دیا، اگر بعد کے لوگوں کے لئے اس میں کوئی قابل عمل بات نہیں تھی تو مذکورہ جملہ نہیں کہا جاتا، آیت کا سیاق وسباق یہ بتا رہا ہے کہ نسل انسانی کی تاریخ کے ادوار میں سے کسی بھی دور میں اللہ کے حکم کا حیلہ بہانہ کے ذریعہ مذاق اڑایا گیا تو ان سب کو بنی اسرائیل کے انجام پر غور کر لینا چاہیئے۔

شیخ ابوبکر جزائری نے مذکورہ آیت سے مستنبط احکام ومسائل کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[1] واقعہ کی تفصیلات تفسیر ابن کثیر سے مستنبط ہیں۔ علامہ حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں۔ وخالفوا عهده و ميثاقه فيما اخذه عليهم من تعظيم السبت والقيام بامره اذكان مشروعا لهم فتحيلوا على اصطياد الحيتان فى يوم السبت بما وضعوا مهامن الشصوص والحبائل والبرك قبل يوم السبت فلما جاءت يوم السبت ... نشبت بتلك الحبائل والحيل فلم تخلص منها يومها ذالك فلما كان الليل اخذوها بعد انقضاء السبت فلما فعلوا ذالك مسخهم الله الى صورة القردة وهى اشبه شئ بالاناس فى الشكل الظاهر وليست بانسان حقيقة فكذالك اعمال هؤلاء وحيلتهم لما كانت مشابهة للحق فى الظاهر ومخالفة له فى الباطن كان جزاءهم من جنس عملهم (ابن کثیر ۱/۱۰۱-۱۰۰)

فيها حرمة الاحتيال لاباحة المحرم وسوء عاقبة المحتالين والمعتدين

(تيسير الكريم الرحمٰن فى تفسير كلام المنان ۱/ ۶۷)

اس سے حرام کو حلال کرنے کے لئے حیلہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور حیلہ کرنے والوں اور سرکشوں کا بُرا انجام معلوم ہوتا ہے۔

اس امت کو خیر امت کا لقب ملا ہے، یہ امت شریعت الٰہی کی امین، اس کی محافظ اس پر چلنے اور چلانے والی ہے، اس کا طغرائے امتیاز یہی ہے، اگر یہ عظیم امت اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہ پکڑے، دین پر عمل نہ کرے اور اس راہ کی مشکلات میں استقامت اختیار نہ کرے تو اس کا طغرائے امتیاز ختم ہو کر رہ جائے گا۔

کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ جس کی پاداش میں بنی اسرائیل کو ذلت ناک قہر الٰہی کا سامنا کرنا پڑا تھا وہی کام یہ عظیم امت کرے تو اسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا؟ اگر بنی اسرائیل کو حیلہ کی پاداش میں مذکورہ عذاب سے دوچار ہونا پڑا تھا تو یہ امت اس عمل کو بنا کر عذاب کی مستحق ٹھہرتی ہے، یا اسلامی شریعت کا مزاج نہیں کہ ثواب وعقاب کیلئے ایک قوم کے لئے سزا وجزا کا پیمانہ کچھ اور ہو اور دوسری کے لئے کچھ اور!

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہدید

قرآن کریم کی بہترین تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اس لئے کہ حدیث نبوی قرآن کی تفسیر ہے۔ اس مسئلہ میں مزید قطعیت پیدا ہو جاتی ہے جب کتاب وسنت دونوں ہی میں یہ احکام وارد ہوں، زیر بحث مسئلہ میں کتاب اللہ نے واقعاتی انداز میں اس کی حرمت وشناعت بیان کی ہے۔ اور احادیث نبویہ نے بھی واضح الفاظ میں اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لا ترتكبوا ما ارتكبت اليهود فتستحلوا محارم الله بادنى الحيل

(احمد نقلاً عن ايسر التفاسير لكلام العلى الكبير ۱/ ۶۷)

ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا، پھر تم اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو معمولی حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے کی سعی کرو

مذکورہ آیت اور اس روایت سے اسلام کا موقف واضح ہو جاتا ہے، پیغمبر اسلام محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر سخت گر پُر تاثیر الفاظ میں اپنی پیاری امت کو یہودیوں کی

سرشت سے خود کو بچائے رکھنے کی ہدایت فرماتے ہیں کہ حیلہ جو بظاہر درست و صحیح نظر آتا ہے لیکن چونکہ اس کا مقصد حرام کا حصول ہے اس لئے اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

حدیث کے الفاظ ہیں کہ اس کا شمار ان چند احادیث میں سے ہو سکتا ہے جن میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے، یہ تہدیدی انداز حیلہ کے حق میں فتویٰ دینے والوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔

بعض دوسری احادیث

اس ضمن میں بعض دوسری احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

عن جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام، فقيل يا رسول الله ارايت شحوم الميتة فانه يطلى به السفن ويدهن بها الجلود و يستصبح الناس، فقال: لا، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ذالك قاتل الله اليهود ان الله لما حرم عليهم شحومها اجملوه ثم باعوه فأكلوا ثمنه۔

(سنن ابوداؤد ۳/۲۷۹،۲۸۰، المکتبۃ العصریہ بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے شراب، مردار، سور اور بتوں کو حرام قرار دے دیا پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس سے کشتیوں میں چکناہٹ پیدا کی جاتی ہے چمڑوں میں لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں فرمایا نہیں، پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا کہ اللہ یہودیوں کا ناس کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اسے پگھلایا، پھر بیچ لیا۔

دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں۔

انه سمع ابن عباس رضي الله عنهما يقول، بلغ عمر ان فلانا باع خمرا فقال قاتل الله فلانا الم يعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قاتل الله

طاؤس کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی کہ فلاں نے شراب بیچی ہے حضرت عمر نے فرمایا اللہ فلاں کو ہلاک کرے،

اليهود، حرمت عليهم الشحوم فجملوها فباعوها
(بخاری مع الفتح / کتاب البیوع، باب لا یذاب شحم المیتۃ ولا یباع ودکہ)

کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے اسے پگھلا دیا اور فروخت کر لیا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عن ابن عباس قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم جالسا عند الرکن قال فرفع بصره الی السماء فضحك، فقال: لعن الله الیهود (ثلاثا) ان الله حرم علیهم الشحوم فباعوها واکلوا اثمانها، وان الله اذا حرم علی قوم اکل شیء حرم علیهم ثمنه
(ابوداؤد ۳/۲۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکن کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا، فرمایا کہ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی، مسکرائے، اور فرمایا، یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو (تین بار فرمایا) اللہ نے جب ان پر چربی حرام کر دیا تو انہوں نے اسے بیچ لیا اور اس کی قیمت کھا لی، اور جب اللہ کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کر دیتا ہے تو ان پر اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے[۱]

شارحین حدیث نے مذکورہ روایتوں سے یہی لیا ہے کہ حیلہ باطل ہے اور بہت وسعت برتی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ جو حرام تک پہنچائے وہ تمام کے تمام حیلے باطل ہیں۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وحدیث ابن عباس فیه دلیل علی ابطال الحیل والوسائل الی المحرم وان کل ما حرم الله علی العباد فبیعه حرام لتحریم ثمنه

حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث حیلہ اور حرام تک پہنچانے والے وسائل اختیار کرنے کے بطلان پر دلیل ہے اور یہ کہ جن چیزوں کو اللہ اپنے

---

[۱] روایات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، فتح الباری لابن حجر ۴/۴۸۳ و مابعدہا، م قاہرہ، نیل الاوطار للشوکانی ۵/۲۳۵ و مابعدہا، سبل السلام ۳/۹۲، ۷ و مابعدہا، م دہلی۔

(نیل الاوطار ۵/۲۳۴)

بندوں پر حرام کرتا ہے، اسکی فروخت بھی حرام ہے کیونکہ اس کی قیمت حرام ہوتی ہے۔

علامہ صنعانی فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث دلیل علی انہ اذا حرم بیع شئی حرم ثمنہ وان کل حیلۃ یتوصل بہا الی تحلیل محرم محض باطلۃ

(سبل السلام ۳/۷۹۲)

اور حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کسی شئے کا بیچنا حرام ہو تو اس کی قیمت بھی حرام ہے اور ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ حرام کو حلال کرنے تک پہنچا جائے، باطل ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

وفیہ ابطال الحیل والوسائل الی المحرم

(فتح الباری ۴/۴۸۵)

اس میں حیلہ اور حرام کے لئے وسائل کے بطلان کا ثبوت ہے۔

قاضی کا فیصلہ بھی حرام کو حلال نہیں کر سکتا

حیلہ کیوں اختیار کرتے ہیں؟ اپنے اوپر حرام کاری کا ٹھپہ لگنے سے بچنے کے لئے، حق تلفی کے لئے، یا حق کی ادائیگی سے احتراز کرنے کے لئے ..... لیکن وہ حیلہ کام نہیں دے گا، ظاہری ہیئت کو دیکھتے ہوئے ممکن ہے کہ ایک عالم یہ کہہ دے کہ آپ کا عمل درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی حقیقت نہیں بدلے گی، وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے۔ اور ہمارے دل و دماغ کے نہاں خانوں میں چھپے ہوئے سربستہ رازوں کو واضح طور پر دیکھ رہا ہے، اس کے ہاں رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی اور آفتاب نصف النہار کی روشنی میں کوئی فرق نہیں وہ علیم وخبیر ہے وہ سمیع وبصیر ہماری تمام حیلہ سازی اور دلوں کے احوال کو جانتا ہے۔ اسلئے اس کے نزدیک حقائق نہیں بدلیں گے، یہی نہیں بلکہ احادیث نبویہ اس بات کی شاہد ہیں کہ بڑے سے بڑا مفتی، بڑے سے بڑا قاضی اور امام وقت بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کر سکتے اور نہ ہی حلال کردہ اشیاء کو حرام کر سکتے ہیں پھر ایک حیلہ ساز کو اپنے عمل کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔

صحاح کی یہ روایت حرز جاں بنانے کے لائق ہے۔

عن ام سلمة قالت قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم انکو تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو مما اسمع منہ فمن قطعت لہ من حق اخیہ شیئا فلا یاخذہ فانما اقطع لہ بہ قطعۃ من النار

(صحیح مسلم ۳/۱۳۳۷ ط قاہرہ)

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس جھگڑتے ہو (معاملات لے کر آتے ہو) ہو سکتا ہے کہ تم میں کا بعض حجت کو پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ کمال رکھتا ہو، اور میں اس کے حق میں جیسا سنا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں۔ تو جس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی حصہ دوں تو وہ نہ لے، کیونکہ میں اسے جہنم کے ٹکڑے کا ہی حصہ دوں گا۔

نیز ملاحظہ فرمائیں: بخاری، باب موعظۃ الامام للخصوم اور باب من قضی لہ بحق اخیہ منہ یاخذہ فان قضاء الحاکم لا یحل حراما ولا یحرم حلالا۔

قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے گو حقیقت میں شواہد و بینات غلط ہی کیوں نہ پیش کئے گئے ہوں پھر بھی قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا، تو حیلہ کے ذریعہ کوئی حرام حلال اور کوئی حلال حرام کیسے ہو سکتا ہے؟

حدیث نبوی سے ایک اور دلیل

زکوٰۃ کے سلسلہ میں کتب احادیث میں تفصیلی روایات آئی ہیں اور کتنے مال پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی اس کی صراحت موجود ہے۔ لیکن ہو سکتا تھا کہ کوئی حیلہ سازی کر کے اس فریضہ کو انجام دینے سے بچنے کی کوشش کرتا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

ولا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیۃ الصدقۃ (بخاری مع الفتح ۳/۳۶۸)

الگ مال کو ملایا نہیں جائے گا اور ملے مال کو الگ نہیں کیا جائے گا، صدقہ کے ڈر سے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

ومعنی ھذا الحدیث ان یکون النفر

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تین آدمیوں

الثلاثة لكل واحد منهم اربعون شاة وجبت فيها الزكاة فيجمعونها حتى لا تجب عليهم كلهم الا شاة واحدة (موطا)

کی ایک جماعت میں سے ہر ایک کے پاس چالیس بکریاں ہوں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (تو وہ اس ڈر سے) تینوں کے حصہ کو ملا دیں تاکہ کل پر ایک بکری ہی واجب ہو۔

یا یہ کہ دو فریق کے پاس دو سو بکریاں ہوں تو دونوں فریق پر تین بکریاں واجب ہوں گی لیکن اس صورت میں حصہ کو الگ کر دیتے ہیں، اس طرح دونوں فریق پر صرف ایک ہی واجب ہوگی۔

اسے کو مزید آسان مثال کے ذریعہ یوں سمجھئے کہ دو آدمی کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں، تو دونوں پر ایک ایک بکری دینی واجب ہوگی، تو اب اگر یہ آدمی اپنا حصہ دوسرے کے حصہ میں ملا دے تو یہ اسی ہو جائیں گی۔ اور اس صورت میں ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

یا یہ دیکھ کر کہ چالیس بکری پر ایک بکری واجب ہو جاتی ہے تو اس سے بچنے کے لئے بیس بکریاں کسی دوسرے کے نصاب میں ملا دے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هو خطاب لرب المال من جهة و للساعي من جهة فامر كل واحد منهم ان لا يحدث شيئا من الجمع والتفريق خشية الصدقة فرب المال يخشى ان تكثر الصدقة فيجمع او يفرق تقل والساعي يخشى ان تقل الصدقة فيجمع او يفرق لتكثر۔

(فتح الباری ۳/ ۳۶۸)

یہ ایک طرف صاحب مال سے خطاب ہے تو دوسری طرف صدقہ وصول کرنے والے سے دونوں ہی کو حکم دیا گیا کہ صدقہ (کے وجوب) کے ڈر سے جمع و تفریق نہ کی جائے صاحب مال کو ڈر ہو کہ صدقہ کی مقدار بڑھ جائے گی تو وہ الگ مال کو ملا دے یا ملے مال کو الگ کر دے تاکہ صدقہ کی مقدار کم ہو جائے اور زکوٰۃ وصول کرنیوالے کو ڈر ہو کہ اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو وہ جمع یا تفریق کرے تاکہ صدقہ کی مقدار بڑھ جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علماء کی آراء کو لکھتے ہوئے فرمایا۔

واستدل به على ابطال الحيل

جمہور علماء نے اس حدیث کے ذریعہ حیلے کے ابطال پر

(فقہ البادی ۳/۳۶۹) استدلال کیلئے ہے۔

حلالہ سے متعلق روایت سے استدلال

بیوی شوہر سے طلاق مغلظہ کے ذریعہ حرام ہو جاتی ہے، یہ حرمت ایسی ہے جس میں رجوع کرنے کا بھی حق نہیں، لیکن کتاب اللہ نے حلال ہونے کی ایک صورت بیان کی ہے کہ وہ کسی دوسرے آدمی سے شادی کرلے، اس شادی اور جماع کے بعد اگر اس دوسرے شوہر نے طلاق دے دی تو وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائیگی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرہ) اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے شادی نہ کرلے۔

وضاحت کے ساتھ اسلامی شریعت نے بیان کر دیا ہے کہ دوسرا نکاح اس نیت سے ہو کہ وہ ہمیشہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کی نیت رکھے۔ اور یہ نیت رکھنے کے باوجود حادثاتی طور پر اگر شوہر ثانی سے کسی بھی بنیاد (موت، طلاق، فسخ و تفریق، لعان وغیرہ) پر علاحدگی ہو جائے تب وہ شوہر اول کے لئے حلال ہوگی۔

لیکن اگر عورت یا مرد یہ نیت رکھتے ہیں کہ نکاح ثانی کا مقصد شوہر اول کے پاس لوٹنا ہے اور نکاح ثانی شوہر اول کے پاس جانے کے لئے فقط ایک آڑ اور حیلہ ہے تو علماء اسے بالاتفاق حرام اور ناجائز کہتے ہیں، احادیث میں اللہ کی جانب سے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحلل والمحلل له (احمد، نسائی، ترمذی) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے واسطے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

جمہور علماء اس عمل کو ناجائز کہتے ہیں شیخ وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں۔

اتفق الفقهاء ايضا على ان الزواج بالمطلقة ثلاثا بشرط صريح اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ سے عقد میں اس واضح شرط کے ساتھ شادی کرنا

في المستقبل على أنه يحلها الزوج الثاني لزوجها الأول لا يجوز وهو حرام عند الجمهور، مكروه تحريما عند الحنفية (الفقه الإسلامی وادلتہ ۷/۲۷۴، م دار الفکر، دمشق)

کہ دوسرا شوہر پہلے کے لئے حلال کرے گا، نادرست ہے، جمہور علماء کے نزدیک حرام اور علمائے احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی

اس نکاح کے درست ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں جسے شوہر اول کے لئے حلال ہونے کی خاطر ہی کیا جا رہا ہے بنیادی طور پر اہل سنت والجماعت میں تین اقوال ہیں۔

۱ ——— یہ عمل بھی نادرست ہے اور نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا، اس مسلک کے حامی علماء نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے استدلال کیا ہے جیسا کہ علامہ شوکانی نے تلخیص کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

استدلوا بهذا الحديث على بطلان النكاح اذا شرط الزوج انه اذا نكحها بانت منها وشرط انه يطلقها او نحو ذالك۔

"فقہاء نے اس حدیث سے اس نکاح کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے جس میں شوہر یہ شرط لگائے کہ جب وہ اس سے نکاح کرے گا تو اس سے بیوی بائنہ ہو جائے گی۔ اور شرط لگادے کہ وہ اسے طلاق دیدے گا یا اسی طرح کوئی بات ہو"

۲ ——— دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ عمل درست نہیں ہے لیکن نکاح صحیح ہوگا اس کے قائل حضرت امام ابو حنیفہ ہیں اور امام زفر بھی (مسئلہ کی تفصیل کے لئے نیل الاوطار ۲۷۵/۶، تفسیر ابن کثیر ۱/۲۶۲-۲۶۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۷۴، فتح القدیر لابن الہمام ۴/۳۲، م کوئٹہ پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔)

۳ ——— امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس طرح کا مشروط نکاح درست ہے لیکن چونکہ اس نے غلط طریقہ کار اختیار کیا ہے اس لئے وہ دوسرے شوہر کے لئے جائز نہیں ہو گی[1]

---

[1] [illegible] وقال محمد، النكاح الثاني صحيح، ولا تحل [illegible]

اصل اختلاف دونوں رایوں میں اختلاف اصول میں اختلاف کی وجہ سے ہے، فقہاء احناف اس وقت تک کسی شے پر حرام ہونے کا حکم نہیں لگاتے جب تک کہ وہ دلیل قطعی شے سے نہ ثابت ہوجائے اگر ظنی سے ثابت ہو تو اسے مکروہ کہتے ہیں لیکن اس کا ارتکاب کرنے والا بھی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ نذالك انهم لا يطلقون اسم الحرام الا على منع ثبت بقطعى ماذا ثبت بظنى مكروها وهو مع ذالك للعقاب (ابن ہمام، فتح القدیر ۳/۳۴) جب کہ جمہور علماء قطعی ظنی دونوں ہی طرح سے ثابت ہونے والے احکام میں حلت وحرمت کا حکم لگاتے ہیں۔

مسئلہ کی تفصیل میں جس قدر بھی اختلاف ہو لیکن یہ امر غیر نزاعی ہے کہ حلالہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا سبب ہے، یہ ایک خاص مسئلہ زندگی سے متعلق تمام مسائل میں حیلے کے اختیار کرنے یا نہ کرنے میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

آیت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کا منشا

سورہ مدثر میں ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ، اور احسان نہ کرو کہ زیادہ معاوضہ چاہو۔

حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہوجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں زیادہ دے گا یہ مذموم و مکروہ ہے، قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اس کا جواز عام لوگوں کے لئے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں، اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے۔ خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس کو حرام قرار دیا گیا۔"

معارف القرآن ۸/۶۱۲ کراچی

بقیہ حاشیہ ص ۔ النكاح عقد مؤبد، فكان شرط الاحلال استعجال ما اخره الله تعالى لغرض الحل: فيبطل الشرط، ويبقى النكاح صحيحا، لكن لا يحصل به الغرض كمن قتل مورثه انه يحرم الميراث۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۷۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر نقل کی ہے اور اکثر مفسرین کی جانب اسی کو منسوب کیا ہے۔ (تفسیر مظہری اردو ۱۲/ ۱۹۰ دارالاشاعت کراچی)

غور فرمائیں کہ اپنے بھائی سے حیلہ سازی کے ذریعہ مال حاصل کرنے کو کس خانہ میں رکھا گیا ہے۔

حیلہ کی حرمت پر اجماع امت

حیلہ کی حرمت پر ایک دلیل اجماع امت بھی ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس امر پر اتفاق کر لیا تھا کہ حیلہ حرام اور باطل ہے، صحابہ کا اجماع ایسی دلیل ہے کہ اس سے آگے کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

وممایدل علی التحریم ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجمعوا علی تحریم ھذہ الحیل وابطالھا واجماعھم حجۃ قاطعۃ

اور آگے اجماع کی یہ دلیل دی ہے۔

ان عمر ابن الخطاب خطب الناس علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال: لا اوتی بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتھما، واقرہ سائر الصحابۃ علی ذالک۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ میرے پاس اگر حلالہ کرنے والا، جس کے لئے حلالہ کیا جارہا ہے لایا گیا تو میں اسے رجم کر دوں گا اور تمام صحابہ نے اس کی تبعیت کی [1]

اعلام الموقعین ۳/ ۱۸۵

---

[1] محلل یا محلل لہ کے خلاف رجم پر اس اثر کے ساتھ استدلال نہیں کیا جاسکتا اور نہیں یہ کہنا آسان ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک عورت نے شوہر اول کے لئے حلال ہونے کے واسطے شادی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوہر کو عورت کے ساتھ سکونت کا حکم دیا اور طلاق نہ دینے کی ہدایت کی اور تنبیہ کی کہ اگر طلاق دی تو اسے سزا دی جائے گی۔ تو حضرت عمر نے اس نکاح کو درست قرار دیا اور استئناف کا حکم نہیں دیا (اور نہ ہی رجم سے متعلق کچھ اشارہ فرمایا) وقد روی عبد الرزاق انہ راۃ ارسلت الی رجل فزوجتہ نفسھا لیحلھا لزوجھا فامرہ عمر بن الخطاب ان یقیم معھا ولا یطلقھا واوعدہ ان یعاقبہ ان طلقھا

بقیہ حاشیہ صفحہ پر

ذرائع کا مفہوم [illegible]

وہ دلائل و وسائل اور اسباب اختیار کرنا جن کے ذریعہ آدمی حرام تک پہنچے یا حرام تک پہنچ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو [illegible] شریعت کی نگاہ میں ممنوع قرار پاتے ہیں۔

ذرائع کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

۱ ـــــ وہ جن کی وضع ہی مفسدہ کے لئے ہو۔

۲ ـــــ وہ جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کئے گئے ہوں لیکن اس کو بکثرت مفسدہ کا وسیلہ بنالیا جاتا ہو۔

۳ ـــــ وہ جو مباح مقصد کے لئے وضع کئے گئے ہوں اس سے کسی مفسدہ کا ارادہ نہیں کیا جاتا ہو لیکن اکثر وہ مفسدہ کا سبب بن جاتا ہو اور اس کا مفسدہ اس کی مصلحت سے بڑھ کر ہو۔

۴ ـــــ جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو کبھی کبھی اس سے مفسدہ بھی پیدا ہوجاتا ہو لیکن اس کی مصلحت اس کی مفسدہ سے بڑھ کر ہو[1]۔

اس کی چوتھی قسم میں اختلاف ہے، حنابلہ اس صورت میں بھی ذریعہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ یہی رائے مالکیہ کی ہے، احناف اور شوافع ایسے ذرائع کو مباح کہتے ہیں[2]۔

علماء اصول کے نزدیک حیلہ بھی ان ممنوع ذرائع میں سے ایک ہے جن کے ذریعہ فعلِ حرام کا ارتکاب کیا جاتا ہے یا اپنے کسی غلط مقصد کو حاصل کیا جاتا ہے۔

حیلہ کی تجویز فقہی اصول سد ذرائع کی صریح خلاف ورزی ہے، کیونکہ اسلامی شریعت ان تمام ذرائع اور راستوں کو بند کردیتی ہے جن کے ذریعہ مفاسد تک پہنچا جاتا ہے۔ جب کہ حیلہ ان ذرائع اور راستوں کو کھول دیتا ہے جو کہ اسلامی شریعت کی روح کے منافی ہے۔

بقیہ حاشیہ صہ: ـ فصحح نکاحہ ولم یامرہ باستئنافہ (نیل الاوطار) اس طرح اجماع کا دعویٰ درست نظر نہیں آتا۔

[1] دیکھیں: اعلام الموقعین ۳ / ۱۴۸

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: اصول الفقہ لابی زہرہ / ۲۷۳

جب حرام و حلال یکجا ہو جائیں

بالفرض ہم یہ مان لیں کہ حدیث سے تعلق اس کے جواز کے متعلق بعض دلائل بھی ہوں (جیسا کہ قائلین جواز کے دلائل کے ذیل میں بیان کیا جائے گا) پھر بھی اسے جائز نہیں کہا جا سکتا ہے، فقہاء کے ہاں ایک اصول ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں دلیل جواز کی بھی ہو اور عدم جواز کی بھی، ایک دلیل اسے حرام کہتی ہو، اور دوسری حلال، تو اس صورت میں اس دلیل کو ترجیح حاصل ہوگی جو کہ حرمت کا تقاضہ کرتی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قاعدہ کی شکل میں یوں بیان کیا ہے۔

اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام — جب حرام و حلال یکجا ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا۔

(سیوطی، الاشباہ والنظائر / ۲۰۹)

علامہ ابن نجیم نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ (الاشباہ والنظائر / ۲۰۹)

علامہ زرکشی نے اس قاعدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اذا اجتمع الحلال والحرام والمبیح والمحرم غلب جانب الحرام

(زرکشی، المنثور فی القواعد ۱/۱۲۵)

اور مجلۃ الاحکام العدلیہ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع

تعبیر اور الفاظ میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن مفہوم ایک ہی ہے کہ کسی مسئلہ میں دلیل حرمت و حلت کے یکجا ہونے کی صورت میں جانب حرمت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

چنانچہ فقہاء کرام نے اس اصول پر بہت سے مسائل کی تخریج فرمائی ہے[1]

---

[1] مثلاً مسئلہ خرید و فروخت میں آزاد اور غلام یا مردہ بکری اور زندہ بکری کو بیک وقت فروخت کر دیا جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔ ومن جمع بین عبد و حر او شاۃ ذکیۃ ومیتۃ بطل البیع فیھما وھذا عند ابی حنیفۃ (ہدایہ ۳/۴۲) مزید جزئیات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الفتاوی الہندیہ ۳/۱۴۶، الاشباہ والنظائر ابن نجیم مصری / ۱۰۹، نیز اس اصول کی تفصیل، الفقہی قواعد مثلاً تابعہ۔ علامہ ابن نجیم نے اس قاعدہ کے تحت تفصیل سے بحث کی ہے اور متعلقہ فروعات کا ذکر بھی کیا ہے۔ الاشباہ والنظائر ص ۱۰۹

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اصولی قاعدہ سے حیلے کے باب میں اجتناب کیوں؟ تسلیم ہے کہ اس کے حق میں بعض دلائل پائے جاتے ہیں لیکن اس کے رد میں زیادہ مضبوط دلائل موجود ہیں پھر اس مذکورہ قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے جانب حرمت کو ترجیح کیوں نہیں دی جارہی ہے؟

واضح رہے کہ حدیث کی بعض کتابوں میں مذکورہ قاعدہ انہیں الفاظ کے ساتھ ملتا ہے۔ گویا یہ بعینہٖ حدیث رسول ہے۔ زیلعی نے اسے کتاب الصید میں مرفوعاً نقل کیا ہے لیکن عراقی کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں، لا اصل لہ اور امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[۱] اور عبدالرزاق نے اسے حضرت عبداللہ بن مسعود سے موقوفاً نقل کیا ہے۔[۲] لیکن اس موقوف روایت کے بارے میں بھی تاج الدین سبکی نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو جابر جعفی نے شعبی سے ابن مسعود کے واسطے سے نقل کیا ہے جو کہ ضعیف ہے[۳] آگے تاج الدین سبکی لکھتے ہیں کہ حدیث کے متعلق جو بھی کلام ہو فی نفسہٖ قاعدہ صحیح ہے۔

اس لئے زیر بحث باب میں بھی اس اصولی قاعدہ کو جگہ ملنی چاہئے ہر چند کہ حدیث رسول پر کلام ہے لیکن قاعدہ غیر نزاعی ہے اس لئے اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

حرام وحلال کے معاملہ میں احتیاط ضروری

اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کیلئے کچھ حدود متعین کردیئے ہیں، ان حدود کی رعایت ضروری ہے، بندہ کو کسی بھی حالت میں یہ اختیار نہیں ملتا کہ وہ حرام کو حلال کرلے اور حلال کو حرام! یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، نبی کی ذات اگر کسی مسئلہ میں حلت وحرمت کا حکم لگاتی ہے تو وہ بھی اللہ کے حکم وہدایت سے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے (جو بھی بولتے ہیں) اللہ کی جانب سے وحی ہی ہوتی ہے۔

حلال وحرام میں تمیز برتنے کی اہمیت درج ذیل روایت سے بھی واضح ہوتی ہے۔

---

[۱] الاشباہ ص۵۵ [۲] ایضاً [۳] دیکھیں: المنثور فی القواعد ۱/۲۰۹، الاشباہ للسیوطی ص۱۰۹ ومابعدھا، حموی ۱/۳۳۵ ومابعدھا۔

عن النعمان بن بشير قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين، وبين ذالك امور مشتبهات لايدري كثير من الناس أمن الحلال هي ام من الحرام فمن تركها استبراء لدينه وعرضه فقد سلم، ومن واقع شيئا منها يوشك ان يواقع الحرام كما انه من يرعى حول الحمى، يوشك ان يواقعه، الا وان لكل ملك حمى، الا وان حمى الله محارمه

(ترمذی ۳/۵۰۲ م دار الحدیث القاہرہ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ حلال ہے یا حرام جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے اپنا دین اور عزت بچالی اور محفوظ ہوگیا۔ اور جو ان میں سے کسی چیز میں پڑا وہ حرام میں پڑ جائے گا، جیسا کہ کوئی چراگاہ کے اردگرد (جانور چرائے)، تو اس میں گرنے کا اندیشہ رہتا ہے، خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔

بخاری و مسلم نے اس حدیث پہ اضافہ نقل کیا ہے۔

الا وان في الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب

(مشکوۃ مترجم ۲/۸۴ م اعتقاد پبلشنگ دہلی)

خبردار! جسم میں ایک ٹکڑا ہوتا ہے وہ ٹھیک رہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔

اس روایت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

عن الحسن بن علي قال حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم دع ما يريبك الى ما لا يريبك فان الصدق طمانينة وان الكذب ريبة

(ترمذی، نسائی)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات کو یاد رکھا ہے کہ جو بات تجھے شک میں ڈال دیتی ہے اس کو چھوڑ کر اس بات کی طرف ہو جا جو تجھے شک میں نہیں ڈالتی کیونکہ سچائی اطمینان ہے

کرنے والی اور غلطیات الجھن میں ڈالنے والی ہے۔

کیا حیلہ اختیار کرنے والا اللہ کی چراگاہ کے اردگرد نہیں گھومتا، کیا وہ ایک یقینی چیز کو چھوڑ کر غیر یقینی معاملہ میں نہیں پڑتا؟ کیا حیلہ حرام وحلال میں جو حزم واحتیاط برتنے کو کہا گیا ہے اس کے منافی نہیں ہے؟

اس بحث کو ہم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ اس روایت پر ختم کرتے ہیں جس کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

لا ترتکبوا ما ارتکبت الیھود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل (احمد)

ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو معمولی حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے لگو۔

فارم نمبر ۴

بیان بابت ملکیت اخبار و دیگر تفصیلات

۱۔ مقام اشاعت:۔ رشاد نگر اعظم گڑھ
پتہ:۔ جامعۃ الرشاد، رشاد نگر اعظم گڑھ

۲۔ وقفہ اشاعت:۔ ماہانہ
۵:۔ ایڈیٹر کا نام:۔ مجیب اللہ ندوی

۳۔ پرنٹر کا نام:۔ مجیب اللہ ندوی
قومیت:۔ ہندوستانی

قومیت:۔ ہندوستانی
پتہ:۔ جامعۃ الرشاد رشاد نگر، اعظم گڑھ

پتہ:۔ جامعۃ الرشاد، رشاد نگر اعظم گڑھ
ملکیت:۔ جامعۃ الرشاد ایجوکیشنل سوسائٹی اعظم گڑھ

۴۔ پبلشر کا نام۔ مجیب اللہ ندوی
۶۔ پریس۔ نشاط پریس ٹانڈہ

قومیت:۔ ہندوستانی

میں مجیب اللہ ندوی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کے مطابق درست ہیں۔

مجیب اللہ ندوی

۱۹۹۹ء

ایک ہفتہ لکھنؤ اور پٹنہ میں

ادھر چار مہینے سے مسلسل علالت کی وجہ سے راقم الحروف اعظم گڑھ سے باہر کہیں آجا نہ سکا تھا، حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کی شدید علالت کی خبر ملی تو انتہائی خواہش کے باوجود عیادت کے لئے خود حاضر نہ ہوسکا صرف خط لکھنے پر اکتفا کرنا پڑا، ادھر دو ہفتے سے طبیعت کچھ سنبھلی تو خیال ہوا کہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا سینار ندوہ میں ہونے والا ہے، اس موقع پر ایک دن پہلے پہنچ کر مولانا کی عیادت کروں گا اور سینار میں شرکت بھی ہوجائے گی، مگر حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کی شدید علالت کی وجہ سے سینار کو لکھنؤ سے پٹنہ منتقل کرنا پڑا، ادھر کئی سیناروں میں شریک نہیں ہوسکا تھا اس لئے خواہش ہوئی کہ اس میں ضرور شرکت کر لوں ایک ترغیب پٹنہ جانے کی یہ ہوئی کہ امارت شرعیہ کی طرف سے حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت کے وسیع تعارف کے لئے ایک سینار اسلامی فقہ اکیڈمی کے سینار کی تاریخوں سے متصل ہونے والا تھا جن کی ذات سے یک گونہ پہلے سے عقیدت تھی جس کی تحریری اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، پھر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب مدظلہٗ نے فون پر دونوں سیناروں میں میری شرکت کے بارے میں دریافت فرمایا میں نے ان کو اپنے ارادہ کی اطلاع بھی دے دی، لیکن مجھے غیرت معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کی عیادت کے لئے سفر نہ کرکے سینار میں شرکت کرکے پٹنہ چلا جاؤں اس لئے ارادہ کرلیا کہ پہلے لکھنؤ جاکر مولانا کی عیادت کروں گا پھر وہیں سے پٹنہ چلا جاؤں گا، چنانچہ ۱۴ اپریل ۱۹۹۹ء کو عزیزی عامر رشادی اور مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی ان دونوں رفقاء کے ساتھ اعظم گڑھ سے روانہ ہوکر شاہ گنج پہنچے خیال تھا کہ وہاں سے دوپہر سے شام تک لکھنؤ پہنچ جائیں گے، لکھنؤ میں حکومت نے ٹمپوؤں کا چلنا روک دیا ہے اس لئے یہ خیال بھی پریشان کررہا تھا کہ اسٹیشن سے ندوہ کیسے پہنچا جائے گا، اللہ

تعالیٰ نے اس سفر کی پہلی برکت یہ فرمائی کہ شاہ گنج میں ہمارے ضلع کے مشہور سیاسی رہنما اور یو پی اسمبلی کے سابق ممبر مولوی مسعود صاحب مل گئے انہوں نے از راہ کرم میرا ٹکٹ واپس کرادیا اور اپنے ساتھ لے، سی میں لکھنؤ تک لے گئے، اور پھر اپنی گاڑی سے ہمارے قافلہ کو ندوہ تک پہنچایا ہم لوگ پہنچے تو عشار کی جماعت ہو چکی تھی منتظمین نے کہا کہ کھانا کھا لو میں نے کہا کہ کھانا حضرت مولانا کی ملاقات کے بعد کھاؤں گا۔ چنانچہ پہلے مولانا کی خدمت میں حاضری دی مولانا دیکھتے ہی بڑی بشاشت اور محبت سے فرمایا کہ خوب آئے ابھی بیس منٹ پہلے میں تمہیں یاد کر رہا تھا پھر محبت سے گلے لگا لیا جس سے آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور اس بات سے انتہائی خوشی ہوئی کہ میں نے اپنے سفر کا آغاز ایک ایسے بزرگ کی محض عیادت کی غرض سے کیا جو اس وقت ملت کی آبرو اور اس کا وقار ہیں اللہ تعالیٰ تادیر ان کو سلامت رکھے۔

بحمداللہ ۲۴ گھنٹے مادر علمی میں قیام رہا اور کئی بار حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت کی جو عمومی نشست ہوتی ہے اس میں انہوں نے بہت قریب بٹھا کر طالب علمی کے زمانہ کی بہت سی گذری باتیں دریافت کیں مثلاً کون کون تمہارے ساتھی تھے؟ فراغت کے بعد کیسے دارالمصنفین گئے؟ میں نے ساتھیوں کے نام بتانے دارالمصنفین جانے کے بارے میں عرض کیا کہ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذرہ نوازی تھی، ان سے تعارف کے دو ایک مواقع آئے، شاید اسی بنا پر ان کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی۔ ان سے ایک خاص موقع تعارف کا یہ آیا کہ جب ہم لوگ آٹھویں درجہ میں تھے تو ہم چار ہمعصر ساتھیوں نے طے کیا کہ گرمیوں کی چھٹی میں اعظم گڑھ چل کر حضرت سید صاحب سے تبرکاً حجۃ اللہ البالغہ اور الفوز الکبیر کے چند اسباق پڑھے جائیں چنانچہ ہمارے تین ساتھی ہفتہ بھر رہ کر واپس اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ میں تقریباً ۱۵ دن رہا اس کے بعد گھر گیا، اسکے بعد ڈیڑھ برس تک کوئی خاص تعلق حضرت سید صاحب سے نہیں رہا، بس آنا تھا جب وہ تشریف لاتے تو عام طلبہ کیساتھ حاضری ہو جاتی، چند دن کی ملاقات سے حضرت سید صاحب نے جو اندازہ کیا ہو، چنانچہ جب میں آخری درجہ کا امتحان دے رہا تھا ایک دن اچانک سید صاحب کا لکھا ہوا

ایک پوسٹ کارڈ لاجس میں تحریر تھا کہ تم امتحان دے کر سیدھے دار المصنفین آجاؤ تم مجھے قرآن سناؤ اور میں تمہیں قرآن پڑھاؤں، قرآن سنانے سے مراد تراویح میں قرآن سنانا اور قرآن پڑھانے سے مراد یہ کہ سید صاحب رمضان میں رفقا کو قرآن کا درس دیتے تھے، پھر دار المصنفین سے علاحدگی کی بات پوچھی، میں نے عرض کیا کہ یہ داستان بڑی لمبی ہے مگر اس کا سبب جامعۃ الرشاد کا قیام تھا، مولانا کو یہ بات معلوم تھی مگر شاید شدت ملالت کی وجہ سے اس وقت ذھول ہوگیا تھا بتانے پر فرمایا یہ سب باتیں یاد آگئیں۔ مغرب کے قریب اٹھتے ہوئے فرمایا کہ عشا سے پہلے مجھ سے مل لینا چنانچہ مغرب اور عشا کے درمیان حاضر ہوا بڑی محبت سے رخصت کیا اور ایک عمدہ جانماز اور عمدہ عطر کی ایک شیشی ہدیۃً عنایت کی اور فرمایا کہ جلدی جلدی آتے رہا کرو۔ اس بزرگانہ شفقت اور محبت سے دل ودماغ کو بڑی تقویت ملی اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر کو دراز کرے، اس وقت ان کی ذات ملت اسلامیہ ہندیہ کی آبرو بنی ہوئی ہے، لکھنؤ کے سفر کی روداد ذرا طویل ہوگئی ہے مگر

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

۱۵ر کی رات میں ہمارا قافلہ جس میں وکیل احمد انصاری صاحب بھی لکھنؤ سے شامل ہوگئے تھے، شرم جیوی اکسپریس سے روانہ ہوکر ۱۶ر کی صبح کو پٹنہ پہنچا، میری سہولت کے لئے قاضی صاحب نے اپنے گھر کی نچلی منزل میں ایک کمرہ میں ٹھہرایا جس میں حمام وغیرہ قریب تھا، بحمد اللہ یہاں ہر طرح کا آرام ملا، میرے لئے کھانا ان کے گھر سے پک کر آتا تھا، جس میں ہر ممکن اہتمام ہوتا تھا، ۱۶ر کو تو کوئی خاص پروگرام نہیں تھا اس لئے ہم لوگ دن بھر آرام کرتے رہے۔

۱۷ر اپریل کو تقریباً ۱۰ر بجے اسلامی فقہ اکیڈمی کا سمینار المعہد العالی کی شاندار عمارت کے وسیع ہال میں حضرت مولانا نظام الدین صاحب موجودہ امیر شریعت کی صدارت میں شروع ہوا جس میں پورے ہندوستان سے آئے ہوئے سیکڑوں علماء کے علاوہ شام کے ڈاکٹر وھبہ زحیلی، اور پاکستان کے مشہور عالم مولانا تقی عثمانی

صاحب مدظلہ لندن سے آتے ہوئے مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب اور کویت سے مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب بھی شریک تھے، اس سیمنار میں تین مسئلے زیر بحث تھے، ایک نکاح میں ولایت کا مسئلہ، دوسرے کفاءت یعنی شادی بیاہ میں برابری کا مسئلہ، تیسرے احادیث ضعیفہ کی حیثیت احکام اور فضائل میں۔ ولایت یعنی بالغ لڑکے لڑکیوں کے نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے قرآن و حدیث کی صریح وضاحت کی روشنی میں یہ ہے کہ بالغ لڑکے اور لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرسکتے ہیں اور ان احادیث کو جس میں ولی کی اجازت کا ذکر ہے اسے نابالغ لڑکے لڑکیوں پر محمول کرتے ہیں اور ائمہ ثلثہ نکاح میں ان احادیث کی بنا پر جن میں ولی سے اجازت کا ذکر ہے ولی کی اجازت کو ضروری سمجھتے ہیں، سیمنار کے کئی کئی شرکاء کے مقالوں کا خلاصہ سنایا گیا، شرکاء نے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد ایک متوازن تجویز پاس کی جو جلد ہی آپ کے سامنے آئے گی۔ دوسرا اہم مسئلہ کفارت زیر بحث آیا، ہندوستان میں اور خاص طور پر یوپی اور بہار میں یہ مسئلہ اس لئے اہم بن گیا ہے کہ ہمارا معاشرہ ہندوؤں کے اثر سے پیشہ کی بنیاد پر ذات برادری میں تقسیم ہوگیا ہے اور اس کو مستقل طور پر عزت و ذلت کا مسئلہ بنا دیا گیا ہے اس لئے شادی بیاہ کے وقت مسلمان اسی کے تحت رشتہ کا انتخاب کرتے ہیں پھر اس کے ساتھ یہ مسئلہ جڑا ہوا ہے کہ جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کو مسلم معاشرہ میں وہ مقام نہیں ملتا جس سے تنگ آکر وہ اسلامی معاشرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ راقم الحروف نے آج سے بیس برس پہلے اسلامی فقہ میں اس مسئلہ پر تفصیل سے لکھا تھا جسے بعد کو اضافہ کے ساتھ الگ سے پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا گیا بحمد اللہ اس کے بارے میں بھی غور و فکر کے بعد ایک متوازن تجویز پاس ہوئی۔ تیسرا مسئلہ ضعیف حدیثوں کا تھا عام طور پر ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ جہاں کسی حدیث کو ضعیف کہہ دیا گیا اس کو موضوع اور ناقابل اعتبار سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط تصور ہے، محدثین عام طور پر کسی حدیث کو کسی راوی کی کسی خامی کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دے دیتے ہیں حالانکہ اس کا متن اپنی جگہ پر صحیح

جاتا ہے محدثین نے نہایت احتیاط سے حدیثوں کو اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ معیار مقرر کرنے کے لئے اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ضعیف حدیثوں کے بھی درجات مقرر کئے ہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، اس بارے میں بھی ایک متوازن تجویز پاس ہوئی۔ کچھ لوگوں نے بعض کتابوں کا نام لے کر سوال کیا تو قاضی صاحب نے جواب میں کہا کہ سیمینار میں نفس مسئلہ پر بحث ہوگی، کسی خاص کتاب پر نہیں۔ تین دن یعنی ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ اپریل تک یہ سیمینار نہایت ہی پرسکون اور علمی و تحقیقی ماحول میں چلا اور بحسن خوبی انجام پذیر ہوا۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہ سیمینار دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہونے والا تھا مگر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی شدید علالت کی وجہ سے دونوں ذمہ دار حضرات اس سلسلہ میں سخت پریشان اور متفکر رہے، انہوں نے اس خیال سے اس صورت حال میں سیمینار کے انتظام کا پورا حق ادا ہو سکے گا یا نہیں؟ قاضی مجاہد الاسلام صاحب کو مشورہ کا خط لکھا قاضی صاحب نے ذمہ داروں کی اس پریشانی کو محسوس کر کے اسے پٹنہ منتقل کر دینے کا فیصلہ کیا، ظاہر ہے ان کے یہاں ایک سیمینار مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہونا طے تھا اب اتنے بڑے بوجھ کی ذمہ داری اٹھا لینا کوئی آسان بات نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو جو صلاحیتیں عطا کی ہیں اپنی شدید بیماری کے باوجود بڑی خندہ پیشانی سے اس بوجھ کو اٹھا لیا اور بڑی خوبی سے اسے تکمیل تک پہنچایا۔ مہمانوں کے ٹھہرنے ان کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کا معیاری انتظام تھا، اس کی کامیابی میں امارت شرعیہ کے مخلص کارکنوں کی شب و روز کی محنت کا اثر داخل تھا۔ یہ بھی محسوس ہوا کہ حکومت کی پوری مشینری بھی ہر طرح کے تعاون کے لئے تیار تھی۔

پروگرام کے مطابق ۲۰ اپریل کو ۱۰ بجے مولانا سجاد سیمینار کا آغاز ہوا جس میں علماء کے ساتھ ملک کے دوسرے حصوں سے آتے ہوئے کئی دانشوروں نے بڑے اچھے اور پر معلومات مقالے پڑھے، مقالوں کو سننے کے بعد اندازہ ہوا کہ آزادی سے پہلے عام طور پر علماء ملت کے اجتماعی کاموں میں بھرپور حصہ لیتے تھے اور ان کی یہ کوشش بڑی حد تک بار آور ہوتی

[illegible] ملت کا وقار بلند ہوتا تھا اسی قافلے کے ایک ممتاز فرد مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ایک طرف علم میں ان کا یہ مقام تھا کہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انہیں فقیہ النفس یعنی فطری فقیہ کہا کرتے تھے ان کے فتاوے اور کتابیں اس کا زندہ ثبوت ہیں وہ کسی کام میں اور کسی حال میں ہوں ان کا علم اور تفقہ ان کے ہم رکاب ہوتا تھا۔ دوسری طرف ان کی اجتماعی اور سیاسی سرگرمیوں کا حال یہ تھا کہ ایک طرف وہ جمعیۃ العلماء کے قیام میں سرگرم تھے دوسری طرف انڈیپنڈنٹ پارٹی بنا کر انتخاب میں حصہ لیتے اور وزارت سازی کی پوزیشن حاصل کر لیتے ہیں۔ ارضی و سماوی حادثات کے موقع پر مظلوموں کی مدد میں اپنے کو اس طرح جھونک دیتے تھے کہ جیسے ان کے اپنے گھر کا معاملہ ہو، ہندو مسلم اتحاد کے وہ شیدائی تھے مگر ملت کے تحفظ کا مسئلہ جب آجاتا تو وہ پھر کسی مداہنت اور رعایت کے قائل نہ تھے۔ وہ خوشحال گھرانے کے فرد تھے مگر ملت کی عزت و وقار کے بلند کرنے میں انہوں نے اپنی شخصیت کو ایسا بھلا دیا تھا کہ گھر کی جائداد برباد ہو گئی مگر دیکھ بھال کی فرصت نہ ملی، انتخاب میں کامیابی کے بعد لوگوں میں وزارت اور عہدے تقسیم کر لینے کی پوزیشن حاصل کر لی مگر ذاتی طور پر پٹنہ سے پھلواری شریف تک آنے کے لئے ان کے پاس تانگے کے پیسے نہیں ہوتے تھے پیدل چلے آتے تھے مولانا کے ایک دو نہیں سیکڑوں ملی و اجتماعی کارنامے ہیں جن کی تفصیل گاہے گاہے ارشاد میں آتی رہے گی مگر سب سے بڑا زندہ کارنامہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا قیام ہے۔ ان کی کوشش تو تھی کہ وہ پورے ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام قائم کر دیں مگر اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی اسلئے انہوں نے اسے بہار و اڑیسہ تک محدود رکھا جہاں کے علماء اور عوام میں قدرے اطاعت کا جذبہ یوپی وغیرہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ امارت شرعیہ کے ذمہ داروں نے ان کے آثار علمیہ کو الگ سے شائع کر دیا ہے جس میں ان کی زندگی کی اجتماعی سرگرمیوں کی بھی اچھی خاصی تفصیل آگئی ہے۔ از راہ کرم ان حضرات نے راقم الحروف کو اس کا ایک سٹ عطا کیا ہے۔

مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی جب بھی دینی و ملی کام میں لگتے تھے اس میں جنون عشق کی حد تک لگتے وہ کسی کام میں سہل انگاری کے قائل نہ تھے بلکہ وہ [illegible]

اس بلندی تک پہنچنے کی کوشش کرتے جہاں پہنچنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہ تھا، وہ شیخ سعدی کے اس شعر کے مصداق تھے؂

سعدیا کنگرۂ عشق بلند است و بلند — دست ہر بوالہوس آں جا نرسد

ان کی زندگی کے متنوع اور گوناگوں پہلو کے بارے میں یہاں ہم حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند سطر نقل کرتے ہیں جو انہوں نے ان کے انتقال پر معارف میں لکھے تھے۔

"اس آخری زمانہ میں وہ سال میں ایک دفعہ میرے ایام قیام وطن میں کوئی نہ کوئی کام نکال کر دیسنہ ضرور تشریف لاتے اور میری عزت بڑھاتے اور ان کے ملنے والوں میں کون تھا جس کی عزت اپنی محبت سے وہ نہ بڑھاتے، ان کی تواضع میں بلندی، سادگی میں پرکاری، خاموشی میں گویائی تھی۔ وہ اکیلے تھے لیکن لشکر بداماں تھے، پیادہ تھے مگر برق رفتار تھے، وہ قال نہ تھے سراپا حال تھے، کہتے کم کرتے زیادہ تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ "راہ" اور "منزل" کے فرق کو کبھی فراموش نہ کیا، انہوں نے راہ میں ہمراہیوں کے لطف کلام میں پھنس کر منزل سے ہٹنا کبھی گوارہ نہیں کیا، وہ وطن کی آزادی اور احکام مذہب کی پیروی کے درمیان التباس اور تصادم سے کبھی بے خبر نہیں رہے۔ جذبہ آزادی کی پوری قوت کے باوجود انہوں نے کانگریس یا کانگریسی حکومت کے غلط قدم اٹھانے پر کبھی بزدلانہ یا مصلحت پسندانہ درگزر سے کام نہیں لیا۔"

انشاء اللہ آئندہ ان کا ذکر ارشاد میں آتا رہے گا۔

قاعدے اور ضابطے کا مفہوم

شرط کی تعریف | جس پر عقد کو معلق یا مقید کیا جائے اور جس سے مبیع کی تسلیم میں تاخیر مقصود ہو اس کو شرط کہتے ہیں۔

شرط کی لغوی و اصطلاحی تعریف اس کے انواع واقسام تعلیق و تقیید اور اضافت کا مفہوم

شرط کی لغوی تعریف | لغت میں شرط علامت اور نشان کو کہتے ہیں اسی سے اشراط الساعۃ ہے جو شرط کی جمع ہے اور اس سے مراد قیامت کے آثار و علامت ہیں۔ عقود و معاملات میں بیع کے احوال و علامات اور اوصاف یا بیع میں استثناء سے متعلق جو قیود لگاتے ہیں ان کو بھی شرط کہتے ہیں۔

مقید بالصفۃ کی مثال مثلاً کوئی کہے۔ اگر تم میرے گھر میں سواری کی حالت میں داخل ہوئے تو میرا غلام آزاد ہے۔

شرط اصطلاحی کے ساتھ مقید کی مثال مثلاً کوئی کہے کہ اگر زید اس شہر میں رہے تو آپ کا اس پر جتنا بھی قرض ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

مقید بالاستثناء کی مثال :- میں اس کمرہ کے علاوہ پورا مکان آپ کو کرایہ پر دے رہا ہوں

علی ان یا بشرط ان کی شرط کے ساتھ مقید کی مثال مثلاً یہ کہے میں یہ ایک ہزار ریال آپ کو اس شرط کے ساتھ مضاربت پر دے رہا ہوں کہ آپ انہیں سے ریاض میں تجارت کریں، یا یہ

کہے کہ میں نے اس چیز کو آپ سے اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ آپ اس کی قیمت کا کسی کو کفیل بنا دیں۔

شرط اصطلاحی کی تعریف نحویوں کے نزدیک شرط اصطلاحی اس جملہ شرطیہ کو کہتے ہیں جس سے پہلے ان شرطیہ یا کوئی بھی ادات شرط ہو اور اس کے ساتھ فعل شرط اور جواب شرط بھی ہو۔

فقہاء اور اصولیین کے نزدیک شرط اصطلاحی سے مراد وہ شئی ہے جس کے عدم سے کسی چیز کا عدم لازم آئے اور جس کے وجود سے وجود یا عدم لازم نہ آئے۔ شرط کے انعدام سے مشروطہ کا بھی انعدام لازم آتا ہے۔ لیکن وجود شرط سے مشروطہ کا وجود یا عدم لازم نہیں آتا ہے۔

چنانچہ خرید و فروخت کرتے وقت خرید و فروخت کرنے والے کا اہل اور صحیح و سالم ہونا شرط ہے اگر عاقد (خرید و فروخت کرنے والا) اہلیت نہ رکھتا ہو مثلاً وہ پاگل ہو یا چھوٹا بچہ ہو تو اس کا عقد کرنا نہ صحیح ہوگا نہ قابل اعتبار ہوگا۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس کے اندر خرید و فروخت کرنے کی اہلیت ہو وہ ضرور ہی خرید و فروخت کرے۔ معلوم یہ ہوا کہ عاقد کے لئے اہلیت کا ہونا شرط تو ہے لیکن یہ شرط عقد میں پایا جانے والا کوئی ذاتی عنصر یا جز نہیں ہے یہاں شرط سے شرط اصطلاحی مراد نہیں بلکہ اس سے اس کا عام مفہوم مراد ہے۔

شرط کی قسمیں مسئلہ زیر بحث میں شرط سے جو شرط مراد ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شرط شرعی :- شرط شرعی سے مراد وہ شرط ہے جو شارع کی طرف سے مقصود ہو مثلاً اہلیت کا ہونا مبیع کے حوالہ کرنے اور سودی لین دین نہ کرنے پر قادر ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) شرط جعلی :- شرط جعلی سے مراد آدمی کا اپنا ارادہ اور خیال ہے جس پر وہ بیع کو معلق کرتا ہے

تعلیق کا مفہوم تعلیق علق یعلق کا مصدر ہے جس میں چمٹنے تمسک کرنے اور کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنے کا مفہوم ہے۔ گویا عقد ظاہر کردہ شرط کے ساتھ معلق و مربوط ہوتا ہے۔ جس کے بغیر عقد کا وجود ممکن نہیں ہوتا ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں تعلیق ایک چیز کے حصول کو دوسری چیز کے ساتھ مربوط کرنے کو کہتے ہیں یہی شرط اور جزا کا مفہوم ہے۔ دوسرے لوگوں نے یہ تعریف بھی کی ہے کہ تعلیق کسی غیر موجود شئی کو کسی غیر

موجود چیز پر معلق کو کرنے کو کہتے ہیں۔ شیخ مصطفیٰ زرقا نے اس کی یہ تعریف کی ہے "ربط حصول امر لحصول امر آخر" ، کسی چیز کے حصول کو کسی اور چیز کے حصول کے ساتھ جوڑنا۔

تعلیق کے ادوات

تعلیق کے ادوات وہی ہیں جو شرط کے ادوات ہیں۔

تعلیق کی شرط

کسی چیز پر معاملہ کو معلق کرنے کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر معاملہ کو معلق کیا جائے معاملہ کرتے وقت وہ چیز معدوم ہو اور بعد میں اس کا حصول ممکن ہو فقہاء نے اس کو یوں بیان کیا ہے۔ " یشترط فی صحۃ التعلیق ان یکون الشرط معدوما علی خطر الوجود "، صحت تعلیق کی شرط یہ ہے کہ فی الوقت شرط معدوم ہو مستقبل میں اس کے وجود کا امکان ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شرط موجود پر کسی چیز کو معلق کرے گا۔ تو اس کا معاملہ فوری ہوگا معلق نہیں۔

عقد معلق کی کچھ مثالیں

اگر دائن مدیون سے کہے کہ میرا تم پر جو کچھ دین ہے اگر تم نے اس وقت اس کا نصف دے دیا تو باقی سے میں تم کو بری الذمہ کر دونگا تو اس تعلیق کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مدیون اسی وقت رقم دیدے تو باقی سے بری الذمہ ہو جائیگا ورنہ نہیں، اور اگر کوئی آدمی کسی دائن سے یہ کہے کہ فلاں شخص پر آپ کا جو دین ہے اگر اس نے آپ کو ادا نہ کیا تو میں اس کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوں۔ پھر اگر مدیون دین ادا نہ کرے تو وہ آدمی اس کا کفیل ہو جائے گا، اور اگر کوئی کسی سے یہ کہے کہ اگر تمہارے اوپر میرا کوئی دین ہے تو میں نے تم کو اس سے بری کیا اور اس آدمی پر اس کے کچھ دیون رہے ہوں تو وہ آدمی فوراً اسی وقت بری ہو جائے گا۔ اگر شرط ایسی ہو کہ اس کا وجود ناممکن ہو تو عقد باطل ہوگا۔ مثلاً مدیون مر چکا ہو اس کے بارے میں کوئی یوں کہے کہ اگر تمہارا مدیون زندہ ہوتا تو میں اس کا کفیل ہو جاتا۔

قاعدہ بالا کا اصطلاحی مفہوم

مطلب یہ ہے کہ شرط کے ثبوت سے پہلے معلق علی شرط معدوم ہوگا اور جب شرط کا ثبوت ہو جائے تو معلق علی شرط کا ثبوت بھی ہو جائے گا بلکہ اس کے بعد اس کی تنفید ضروری ہوگی۔ کسی چیز کو کسی چیز پر معلق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً بھی اس چیز کو اس پر معلق کرنا صحیح ہو اگر شرعاً

اس پر معلق کرنا صحیح نہ ہو تو تعلیق صحیح نہیں ہوگی۔ بعض معاملات ایسے بھی ہیں جن میں تعلیق بالشرط کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملات اسقاط محضہ میں سے ہوں جیسے طلاق وعتاق یا ایسی چیزوں میں سے ہوں جن پر قسم کھائی جاتی ہے جیسے حج، روزہ، نماز یا اشیاء ماذونات میں سے ہوں جیسے تجارت یا وکالت کی اجازت دینا، یا ولایات سے ہوں جیسے قضاء وامارت اور اس سے معزولی، کفالت اور اس سے ابراء۔

اس قاعدہ کی کچھ مثالیں

اگر کوئی آقا اپنے غلام سے یہ کہے کہ فلاں شخص پر جو میرے ایک ہزار روپے ہیں تم اگر اس کو حاصل کر لو تو میں تمہیں اس میں تجارت کی اجازت دیتا ہوں۔

یا امام وقت یہ کہے کہ جو غازی جس دشمن کو قتل کریگا۔ اس کے لئے اس کا مال ہے یا حاکم وقت کسی سے یہ کہے کہ اگر تم فلاں شہر پہنچ جاؤ تو میں تمہیں وہاں کے قضاء کا عہدہ یا یہ کہ وہاں کی امارت تمہارے حوالہ کرتا ہوں یا یہ کہ جب تمہیں میرا یہ خط مل جائے تو تم سمجھ لینا کہ میں نے تمہیں معزول کیا۔ یا کوئی آدمی کسی دائن (قرضہ دینے والا) سے یہ کہے کہ جب تمہارا فلاں مدیون اپنے سفر سے لوٹ آئے تو اس پر تمہارا جتنا بھی مال ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ یا مکفول کفیل سے یہ کہے کہ اگر فلاں آدمی نے اپنا آدھا دین ادا کر دیا تو میں آپ کو کفالت سے بری کر دوں گا۔

تعلیق کی صحت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شرط ایسی ہو کہ اس کا وجود ممکن ہو اگر کسی ایسی شرط پر کسی چیز کو معلق کیا جائے جس کا وجود ممکن نہ ہو تو وہ تعلیق صحیح نہیں ہوگی، مثلاً کوئی آدمی اپنے کسی مقروض سے کہے جب بارش ہوگی یا جب ہوا چلے گی تب میں تمہارے دین سے تمہیں بری کردوں گا۔

اگر وہ معاملات ایسے ہوں جن سے متعاقدین میں سے کسی کی ان پر ملکیت ثابت ہو رہی ہو تو ایسی چیزوں کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً بیع اجارہ استنجار قسمت ہبہ صدقہ نکاح اقرار اور مزارعت ومساقات وقف تحکیم اقالہ وغیرہ میں سے کسی بھی چیز کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر مذکورہ معاملات میں سے کسی معاملہ میں اگر کوئی شرط رکھ ہی دے تو معاملہ صحیح ہو جائیگا اور شرط لغو ہو جائیگی، اگر معاملہ ایک مال کا دوسرے مال کے ساتھ مبادلہ کا ہو اور اس میں کوئی اس طرح

کی کوئی شرط رکھے تو بیع باطل ہوگی مثلاً کوئی آدمی کسی سے کہے کہ فلاں آدمی جب اپنے سفر سے واپس آجائے گا تو میں اپنا مکان اتنی رقم میں آپ سے فروخت کر دوں گا یا یہ کہ اتنے کرایہ پر اپنا مکان دے دوں گا یا یہ کہ عاریت پر یا ہبہ کے طور پر دے دوں گا۔ تو اس طرح کی شرطوں سے معاملہ صحیح نہیں ہوگا اسلئے کہ یہ شرطیں ایسی ہیں جن کو معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے عقود و معاملات میں فقہاء نے شرط کا دامن بہت ہی تنگ کر دیا ہے۔

شوافع کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جن معاملات میں تملیک محض ہو جیسے بیع اجارہ وقف وکالت ان میں کسی طرح کی کوئی شرط صحیح نہیں ہے۔ اگر معاملات ایسے ہوں جنہیں اپنے حق کا اسقاط یا کسی چیز کا اپنے اوپر التزام کرنا ہو تو ایسی چیزوں میں شرط صحیح ہے۔ مثلاً عتق تدبیر، فسخ طلاق، ایلاء ظہار اور خلع وغیرہ کے مسائل ہیں۔ اور جو معاملات اس سے مختلف ہوں اس میں فقہاء و شوافع کا اختلاف ہے مالکیوں کا مسلک احناف و شوافع کے مسلک سے قریب تر ہے۔ حنابلہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرط کسی نص شرعی کے مخالف نہ ہو تو اس کا اعتبار و لحاظ عاقدین کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ہر طرح کے معاملات میں تعلیق درست۔ ہے ان کے نزدیک عاقدین کی حریت کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۷

"یلزم مراعاۃ الشرط بقدر الامکان"

حتی الامکان شرط کا لحاظ ضروری ہے۔

اس قاعدہ کی اصل اور اس کی دلیل

اس قاعدہ کی اصل اور اس کی دلیل حضورؐ کی یہ حدیث ہے۔ المسلمون عند شروطهم

"مسلمان اپنے شرطوں کے مطابق ہیں۔"

قاعدہ کا مفہوم

شرطوں کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان کا اعتبار و لحاظ کیا جائے لہذا جہاں تک لحاظ ممکن ہو لحاظ کیا جائے گا۔ اگر وہ مکلف کی طاقت سے باہر ہوں تو پھر ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر امانت رکھنے والا اس آدمی سے جس کے پاس وہ امانت رکھے یہ کہے کہ آپ اس امانت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں اس کو کبھی کہیں نہ ڈالیں پھر وہ اپنے گھر میں رکھے اور ضائع ہو جائے تو وہ

اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جو شرط اس نے لگائی تھی وہ اس کے بس سے باہر تھی۔ اگر وہ یہ کہے کہ آپ اس امانت کو لے کر ریاض سے باہر نہ جائیے گا لیکن وہ وہاں سے جدہ چلا جائے تو اس کا ضامن ہوگا۔

لیکن اگر وہ کسی مجبوری کی بنا پر ریاض سے جدہ گئے ہوں مثلاً ان کے سبھی اہل وعیال ریاض سے جدہ منتقل ہو گئے ہوں اور امانت اس میں ضائع ہو جائے جب بھی امین اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو شرط کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر بس سے باہر ہو تو پھر اس کا لحاظ ضروری ہے

اس قاعدہ سے شرط تعلیق نہیں بلکہ شرط تقییدی ہے یعنی وہ شرط جس کا لحاظ ضروری ہے۔

شرط تعلیق میں معاملہ اور اس کے احکام فوری نہیں ہوتے ہیں بلکہ شرط کے ترتب پر اس کا ترتب ہوتا ہے۔ اور شرط تقییدی میں معاملہ اور اس کے احکام فوراً جاری ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی آدمی کوئی گھر کرایہ پر دے اور شرط یہ رکھے کہ کرایہ پہلے دینا ہوگا شریعت میں یہ معاملہ معتبر اور صحیح ہے۔ اور کرایہ پر لینے والے شخص پر شرط کا لحاظ ضروری ہے

شریعت میں کس شرط کا اعتبار ہے

شریعت اسلامی میں ان تمام شرائط کا اعتبار ہے جو نصوص شرعیہ کے مخالف نہ ہوں۔ اور ایسے تمام شرائط کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

شرط کی قسمیں

شرط کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ شرط ہے جو شرعاً جائز ہو اور اس میں شرط رکھنے والے کا فائدہ بھی ہو اس کا لحاظ ضروری ہے۔

(۲) دوسری شرط وہ ہے جو شرعاً ممنوع ہو اس کو شرط فاسد بھی کہتے ہیں اگر اس شرط سے عقد کا کوئی مقصد اصلی فوت ہو رہا ہو تو وہ عقد باطل ہوگا۔ اور اگر اس سے عقد کا مقصد اصلی فوت نہیں ہو رہا ہو تو وہ شرط فاسد ہوگی اور عقد صحیح ہوگا۔

(۳) تیسری قسم وہ ہے جو شرعاً ممنوع نہیں ہوتی ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہونے یا اس کے محال ہونے کی وجہ سے اس کا لحاظ ضروری نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ لغو قرار پاتی ہے۔

وہ شرط جو منافی عقد نہ ہو بلکہ عین مقتضائے عقد اور اس کے مقصود کا مؤید ہو ایسی شرط

کو شرط ملائم کہتے ہیں۔ شرط ملائم ان تمام شرائط کو کہتے ہیں جو شریعت اور عرف عام کے مطابق ہو مثلاً کوئی آدمی اس شرط کے ساتھ کوئی چیز فروخت کرے کہ مبیع مشتری کا ملک ہوگا۔

یا اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ جب تک وہ ثمن وصول نہ کرلے گا تب تک وہ مبیع حوالہ نہ کرے گا۔ اس طرح کی شرطیں جائز ہیں۔ اور اگر کوئی یہ شرط لگائے کہ مشتری بائع کے پاس کوئی معلوم چیز رہن کے طور پر رکھے یا قیمت کے بارے میں کسی کو کفیل بنائے تو بیع صحیح ہوگی اور یہ شرط بھی معتبر ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شرط متعارف کے ساتھ بیع کرے مثلاً یہ کہ مبیع مشتری کے گھر پہنچانا ہوگا۔ تو یہ بیع صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی ایک متعین مدت تک کے لیئے مبیع کے نفع سے فائدہ اٹھانے کی شرط رکھے تو بھی حنابلہ کے نزدیک صحیح قول کے اعتبار سے بیع صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی وقف کرے اور یہ شرط رکھے کہ ایک متعین مدت تک یا اپنی زندگی تک وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ تو یہ وقف بھی صحیح ہوگا۔

وہ شرط جو شرعاً ممنوع ہوتی ہے یہ وہ شرط ہے جو مقتضائے عقد کے منافی ہو یا نص شرعی سے ٹکراتی ہو مثلاً کوئی آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ میں آپ کو یہ مال اس شرط پر ہبہ کر رہا ہوں کہ آپ میرے یہاں ایک مہینہ نوکری کریں۔ یا یہ کہ کسی عورت سے یہ کہے کہ میں نے تم سے بغیر کسی دین کے شادی کی اس سے احناف کے نزدیک نکاح ہو جائے گا۔ اور شرط باطل ہوگی مہر مثل واجب ہوگی۔

اسی طرح کوئی اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں تمکو اس شرط کے ساتھ طلاق دے رہا ہوں۔ کہ تم کسی اور سے شادی کرلو۔ یا یہ کہ میں تم سے خلع اس شرط کے ساتھ کر رہا ہوں کہ ایک مہینہ تک میرا اختیار باقی رہے۔ اس طرح کی شرط باطل ہوگی اور شوہر پہ مال واجب ہوگا۔

شرط جائز وہ شرط ہے جو مفید ہو اور شریعت کے مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ شرط اپنی شرط کے مطابق نفع کو اپنے درمیان برابر برابر یا تفاضل کے ساتھ تقسیم کریں۔

شرط غیر مفید وہ شرط ہے جو لغو ہو گرچہ شرعاً ممنوع نہ ہو۔ اس کا لحاظ نہ کیا جائے تو اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی آدمی مضارب سے یہ کہے کہ آپ کو ایک ہی شہر میں مضاربت کے مال سے تجارت کرنا ہے ایسی شرط غیر معتبر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

والیہ المرجع والمآب

محترم مرتب الرشاد کی قابل قدر علمی و دینی تصانیف

اسلامی فقہ حصہ اول، دوم، سوم قیمت حصہ اول ۹۰/ دوم ۱۱۰/ سوم ۸۰/ روپئے

قرآن پاک اور اسکی تعلیم ——— قیمت ۸/۰۰ ″

اہل دل کی باتیں ——— ″ ۲۵/۰۰ ″

خطبۂ نکاح ——— ″ ۱۰/۰۰ ″

مسئلہ کفارت ——— ″ ۸/۰۰ ″

جہیز کی شرعی حیثیت ——— ″ ۸/۰۰ ″

دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں ——— ″ ۱۲/۰۰ ″

عبادت اور خدمت ——— ″ ۱۵/۰۰ ″

سرمد اوران کی رباعیاں ——— ″ ۴۰/۰۰ ″

خواجہ میر درد اوران کی شاعری ———

ریاض الحدیث ——— ″ ۲۵/۰۰ ″

وقت ایک دولت ہے ——— ″ ۴/۰۰ ″

اسلامی قانون اُجرت (زیر طبع ہندوستان میں) ——— ″ ۳۵/۰۰ ″

تبع تابعین ——— ″ ۵۵/۰۰ ″

اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات ——— ″ ۶۵/۰۰ ″

اہل کتاب صحابہ وتابعین ——— ″ ۳۵/۰۰ ″

اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام (زیر طبع ہندوستان میں) ——— ″ ۶۵/۰۰ ″

فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مؤلفین (″ ″ ″) ——— ″ ۵۵/۰۰ ″

فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل ——— ″ ۴۵/۰۰ ″

اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم ——— قیمت سیٹ ۳۶/۰۰ ″

نماز اور خشوع اور تواضع ——— قیمت ۵-۵/۰۰ ″

خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ ——— ″ ۲۵/۰۰ ″

ثبوتِ رجم ——— ″ ۲۵/۰۰ ″

ایمان وعقیدہ ——— ″ ۳۵/۰۰

مقالات علامہ سید سلیمان ندوی سیمنار ——— زیر طبع

ملنے کا پتہ :- مہتمم مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ، یوپی

سالانہ چندہ	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان	سالانہ چندہ
ہندوستان سے =/60 خصوصی معاون =/100 قیمت فی پرچہ =/6	ماہنامہ جامعۃ الرشاد	غیر ممالک سے پندرہ ڈالر امریکی - 15 15/=.5

جلد نمبر ۳۷	مئی، جون ۱۹۹۹ء مطابق صفر، ربیع الاول ۱۴۲۰ھ	شمارہ نمبر ۲۱۷-۱۸

فہرست مضامین

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

رشحات

آزادی سے پہلے اردو زبان حکومت کے ہر شعبہ اور عدالتوں میں نہ صرف رائج تھی بلکہ پورے ہندوستان میں وہ عوام کی بول چال کی زبان تھی اور آج بھی ہے۔ اس کی قانونی اور عدالتی اصطلاحیں عوام وخواص سب سمجھتے تھے۔ آزادی کی لڑائی میں جذباتی نعروں اور تقریروں کے لئے بھی یہی زبان استعمال ہوتی تھی اور آج بھی بڑے بڑے مہاشے سیاسی لوگ بھی جب پارلیمنٹ اسمبلی یا عوامی تقریروں میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اردو محاوروں اور اشعار ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے مگر آزادی کے بعد یکلخت کانگریس کی سیکولر حکومت نے پورے ملک پر ہندی مسلط کردی اور دستور ساز اسمبلی میں زبردستی اسے قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا۔ زبردستی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ایک کاسٹنگ ووٹ سے اسے قومی زبان کا درجہ ملا تھا۔ ہندی زبان کو قومی زبان قرار دے دیا گیا ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے مگر اس کے ساتھ اردو زبان کے ساتھ جو منفی اور جارحانہ ذہن پیدا ہوا اس سے صرف اردو زبان ہی کو نہیں بلکہ ملک کی ایک مشترکہ تہذیب کو بھی نقصان پہنچا جس کا خراب اثر معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بھی پڑا اور نہ جانے کتنے مسائل کھڑے ہو گئے۔ اس منفی اور جارحانہ ذہن کا اثر تھا کہ پولیس ایکشن کے بعد سابق ریاست حیدرآباد کی نہ صرف سیاسی حیثیت ختم کی گئی بلکہ مسلمانوں کی تہذیبی شناخت کو بھی پورے طور پر مٹانے کی کوشش کی گئی۔ اس ذہنیت کے نتیجہ میں عثمانیہ یونیورسٹی جو ہندوستان میں پہلی اردو یونیورسٹی تھی اس کی اس حیثیت کو ختم کر دیا گیا اور اسی کے ساتھ دارالترجمہ جس نے ہر فن

کی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے ہندوستان کو ایک علمی ذخیرہ فراہم کیا تھا اسے بھی" ختم کر دیا گیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے اردو زبان کے ذریعہ تعلیم دے کر جتنے لائق افراد ہندوستان کو دیئے آج وہ ہندی عثمانیہ یونیورسٹی پچاس برس گذرنے کے بعد بھی اتنے اچھے افراد نہ پیدا کر سکی۔

بہر حال خوشی کی بات ہے کہ "زود پشیمانی" سے نہ سہی "دیر پشیمانی" ہی سے حکومت ہند کو دوبارہ ایک مرکزی اردو یونیورسٹی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے قیام کا خیال پیدا ہوا اور اس نے اپنے کانگریسی بزرگوں کی اس عظیم غلطی کی تلافی کی کوشش کی جو انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کے قتل کی کی تھی۔ اس کے لئے حکومت نے ایک وسیع زمین بھی الاٹ کر دی ہے اور ہمارے ضلع کے ایک لائق فرد ڈاکٹر شمیم جیراجپوری کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بلا کر اس کا پہلا وائس چانسلر مقرر کر دیا ہے۔ ڈاکٹر شمیم صاحب نے یونیورسٹی کا جو خاکہ بھیجا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس سے مرحوم عثمانیہ یونیورسٹی کی کچھ تلافی ہو سکے۔ اس کے لئے انہوں نے سب سے پہلے یونیورسٹی میں دارالترجمہ کا شعبہ قائم کیا اور اس نے دو سال کے اندر مختلف فنون کی چند کتابیں بھی شائع کر دی ہیں۔ اس یونیورسٹی کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے وائس چانسلر صاحب نے جو خاکہ اور پروگرام بنایا ہے ان کے الفاظ میں وہ یہ ہے۔

"مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ساتھ ایک ایسی خاص بات جڑی ہوئی ہے جس سے استفادہ کنندگان کا دائرہ بے حد وسیع ہو جاتا ہے یعنی اس میں داخلے کے لئے روایتی تعلیمی لیاقت ناگزیر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آپ بارہویں جماعت یا انٹرمیڈیٹ یا اس کے مساوی کوئی سند نہیں رکھتے ہیں لیکن پھر بھی آپ گریجویشن (بی۔اے، بی کام) میں داخلہ حاصل کر سکتے ہیں بشرط صرف یہ ہے کہ آپ کی عمر کم از کم ۱۸ سال ہونی چاہیئے۔"

خدا کرے یہ کسی حد تک عثمانیہ یونیورسٹی کا کچھ بدل بن سکے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہاں کا وائس چانسلر اور اسٹاف ایک مقصد کے تحت اس کے تعلیمی نظام کو آگے

بڑھانے کی مخلصانہ کوشش کرے۔ ڈاکٹر شمیم دیار شبلی وحمید کے ایک فرد ہیں جہاں۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے نقوش چھوڑے ہیں اس لئے ہم ان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ آزاد ذہن سے اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے۔

اس وقت ملک کی جو اقتصادی صورت حال ہے اس سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے مختصر یہ کہ ملک کا پورا اقتصادی ڈھانچہ قرض پر کھڑا ہے پھر اس کے ساتھ ملک دس برس سے سیاسی استحکام سے محروم ہے جس کی وجہ سے کوئی قابل ذکر ترقیاتی کام ہوا ہی نہیں، جب سے بی جے پی کے دیش بھگت لوگوں کی حکومت ہوئی ملک کا سیاسی، اقتصادی اور سماجی حال بہت زیادہ خراب ہو گیا ہے، پھر بار بار الیکشن اور افسروں کے سیاسی تبادلوں کی وجہ سے پورے ملک میں بے یقینی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ایڈمنسٹریشن معطل ہو کر رہ گیا ہے اور لاقانونیت بڑھتی جا رہی ہے۔

بی جے پی کی مرکزی حکومت کے گرنے کے بعد ملائم سنگھ کی خود غرضی نے چھ مہینے کے لئے بی جے پی کو اور زندگی بخش دی مگر ان کی خود غرضی انہی کو لے ڈوبے گی۔ ملائم سنگھ کا ہر قدم خواہ اٹھتا ہے اس سے بی جے پی کو فائدہ پہنچتا ہے، ہمارے شہر کو انہوں نے ہی ہیلا سیٹ بنایا۔ چنانچہ یہاں بی جے پی کی ایک ہیلا صاحبہ جو شاید کلیان سنگھ یا کسی بی جے پی کے نیتا کی رشتہ دار ہیں۔ ان پر عدم اعتماد کا ووٹ لایا گیا مگر ملائم کے آدمیوں نے ان کے اشارے سے ان کی حمایت کر دی اور یہ مصیبت ہمارے سروں پر مسلط رہی اس الیکشن میں اپنے بارے میں انکی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

ہمیں کانگریس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر بی جے پی کی آواز میں آواز ملا کر شرد پوار اور ملائم سنگھ نے سونیا کے غیر ملکی ہونے کا جو مسئلہ کھڑا کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ظاہر کچھ کرتے ہیں مگر اندر اندر بی جے پی کی سیاسی حمایت کرتے رہے ہیں یہ وہی

شرد پوار ہیں جنھوں نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد ممبئی ہی بیٹھ کر ہفتوں مسلمانوں کا خون کراتے رہے جب مسلم پرسنل لا بورڈ کا وفد نرسمہا راؤ سے جا کر ملا اور مرکزی فورس بھیجنے کے لئے زور ڈالا گیا تب جا کر وہاں قدرے سکون ہوا۔ ضیاء الدین بخاری شہید کے قتل کے ذمہ دار بھی ممبئی کے عوام انھیں کو قرار دیتے ہیں۔ اب سنا گیا ہے کہ ملائم سنگھ بھی ان سے تال میل کرنے کی فکر میں ہیں حالانکہ مہاراشٹر سے وہ بے دخل ہو چکے ہیں۔ ایک بار لالو یادو نے اپنے مذاق کے انداز میں کہا تھا میں بھی بھینس پر چڑھتا ہوں اور ملائم بھی مگر میں سینگ پکڑ کر چڑھتا ہوں، اور ملائم دُم پکڑ کر چڑھتا ہے۔ اس بھونڈے مذاق میں اس نے ملائم سنگھ کی اچھی تصویر کشی کی ہے امر سنگھ جو آر۔ ایس ایس کیڈر کے آدمی ہیں دیکھئے یہ انھیں کہاں لے جا کر ڈباتے ہیں۔ افسوس ہے ملائم سنگھ نے اپنی حیثیت سے زیادہ اپنے کو سمجھ لیا یہ لوہیا کیڈر کے اچھے ورکر تھے حالات نے انھیں لیڈر بنا دیا ورنہ ان کی علمی و فکری سطح کچھ بھی نہیں ہے۔

ہندوستان کے ہر صوبہ کی سیاسی صورت جدا جدا ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کی چونکہ اپنی کوئی اجتماعی سیاسی طاقت نہیں ہے اس لئے ہر الیکشن کی طرح اس الیکشن میں بھی مسلمانوں کا ووٹ انتشار کا شکار ہوگا ہمارے صوبہ یوپی میں بظاہر ان کا ووٹ اور زیادہ منتشر ہوتا نظر آرہا ہے خود بھی اس کا احساس ہے اور بہت سے اکابر نے خطوط کے ذریعہ اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے اگر صحت اجازت دیتی تو ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے دورہ کر کے مسلمانوں کے ووٹوں کو منتشر ہونے سے بچانے کی کوشش کی جاتی مگر بظاہر اس کی امید نہیں ہے۔ ملی کونسل کے جنرل سکریٹری بھی صاحب فراش ہیں انھوں نے ایک سیاسی فورم الگ سے بنا دیا ہے جس کا دفتر دلی میں ہے جسکے ذمہ دار کمال فاروقی صاحب ہیں۔ اگر اس موقع پر جمعیۃ العلماء اور جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات ذرا وسعت نظر پیدا کر کے اپنے دائرہ سے باہر کے افراد سے کچھ تال میل پیدا کرتے تو امکان تھا کہ مسلمانوں کا ووٹ بڑی حد تک انتشار سے بچ جاتا اور اس سے ان کا سیاسی وزن کچھ ضرور بڑھ جاتا۔ مسلمانوں کے عام سیاسی لیڈروں سے کچھ بنتا بنتا نظر آتا نہیں صرف ایک ابراہیم سلیمان سیٹھ ایسے بے نفس اور دردمند لیڈر رہ گئے ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

از
جناب مولانا فضل الرحمٰن بن محمد
پاکستان

ٹیکس کی شرعی حیثیت

ٹیکس انگریزی کا ایک لفظ ہے اور یہ اس رقم کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو حکومت کے چلانے کے لئے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کی جاتی ہے۔ اس کی اصولی ایک نظام کے تحت ہوتی ہے اور جن لوگوں پر ٹیکس عائد ہو جاتا ہے۔ اگر وہ وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کریں تو ان کے خلاف باقاعدہ قانونی کاروائی کی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں ٹیکس کی عمومی دو صورتیں ہیں۔ ایک بالواسطہ اور دوسری بلاواسطہ۔

بالواسطہ سے مراد وہ ٹیکس ہیں جو عوام الناس ادا تو کرتے ہیں لیکن ان کو پتہ نہیں چلتا جیسے پٹرول، بجلی، گیس اور دوسری وہ اشیا کہ جن کی خرید و فروخت میں ٹیکس شامل ہوتا ہے اور جو ٹیکس کسی شخص کی ذاتی آمدنی اور کمائی پر عائد ہوتا ہے اس کو بلاواسطہ کہا جاتا ہے۔

ٹیکس کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ یونان اور روم میں سب سے پہلے استعمال ہونیوالی اشیا پر ٹیکس لگایا گیا۔ درآمدی ڈیوٹی کو اندرون ملک بننے والے مال پر وصول ہونے والی ڈیوٹی پر ترجیح دی جاتی تھی۔ جنگ کے دنوں میں جائداد پر بھی عارضی طور پر ٹیکس عائد کر دیا جاتا تھا۔ پھر اس کا دائرہ کار جائداد کی خرید و فروخت تک وسیع کر دیا گیا۔ یونان اور روم میں آزاد اور غلام اور اسی طرح قومی اور غیر قومی باشندوں میں ٹیکس کے بارے میں امتیاز کیا جاتا تھا۔

روم میں استعمال ہونے والی اشیا اور درآمدات پر ڈیوٹی کے علاوہ اور بھی بلاواسطہ ٹیکس تھے۔ ان میں اصول یہ کارفرما تھا کہ ہر شخص خراج ادا کرے جولیس سیزر کے زمانے میں پہلی مرتبہ ایک فیصد سیلز ٹیکس (SALES TAX) نافذ کیا گیا۔ صوبوں کی آمدنی کا زیادہ تر

داروں اور شخصی اور زرعی زمینوں پر عائد کردہ ٹیکسوں پر تھا۔ آغاز میں یہ نہ دیکھا جاتا تھا کہ زمین آباد ہے یا غیر آباد۔ جیسا کہ فارس اور مصر میں بھی کیا گیا۔ لیکن بعد میں زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ بالذات زمیندار سے وصول کر لیا جاتا تھا۔

جولیس سیزر سے پہلے ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے کی ذمہ داری زمینداروں میں سے کسی شخص کے سپرد کر دی جاتی اور ٹیکسوں میں سے کچھ فیصد حصہ اس کو معاوضہ کے طور پر دے دیا جاتا۔ لیکن جولیس سیزر نے یہ ذمہ داری سرکاری افسروں کو سونپ دی قرون وسطیٰ میں بالواسطہ ٹیکسوں کی جگہ بلاواسطہ ٹیکسوں نے لے لی۔ جن میں زیادہ تر درآمدی ڈیوٹی اور مارکیٹ فیس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ شہروں میں لوگ ٹیکس ادا کرنے کے عادی ہو گئے۔ کھانے پینے کے سامان پر تجار اور خریداروں نے ٹیکس کا بوجھ اٹھالیا۔ جرمنی اور اٹلی میں بھی چند بلاواسطہ ٹیکس عائد کئے گئے جو غریبوں کی ذات اور امیروں کے مال پر ہوتے تھے۔[1]

سب سے پہلے جس ملک نے عام انکم ٹیکس کے نظام کو اپنایا وہ برطانیہ ہے۔ نپولین بونا پارٹ کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے برطانوی حکومت نے ۱۷۹۹ء میں دو سو پونڈ سے زیادہ ہونے والی آمدنی پر دس فیصد ٹیکس لگادیا لیکن ساٹھ پونڈ سے کم آمدنی کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ ۱۸۱۰ء میں جب لڑائی ختم ہوئی تو ۱۸۴۲ء تک برطانوی باشندوں کو ٹیکس کے بوجھ سے آزاد کر دیا گیا لیکن وزیر اعظم سر روبرٹ پیل (SIR ROBERT PEEL) نے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے پھر سے ہنگامی طور پر ہر پونڈ پر سات پنس ٹیکس عائد کر دیا۔ ۱۸۸۰ء تک برطانوی رعایا ٹیکس ادا کرنے کی عادی ہو گئی جس کی وجہ سے ٹیکس ہمہ وقتی معمول بن گیا۔ ۱۹۱۰ء میں ٹیکس دہندہ میں سے جس کی آمدنی پانچ سو پونڈ سے زیادہ نہ ہوتی اس کو ہر بچہ کے لئے دس پونڈ کی چھوٹ دے دی گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر چھ شلنگ کے حساب سے سوپر ٹیکس (SUPER TAX) بھی عائد کر دیا گیا۔[2]

جرمنی کے صوبہ پروسیا میں ۱۸۵۱ء میں ٹیکس لگانے کی کوشش کی گئی ۹۲-۱۸۹۱ء

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۷ ص ۷۷، آتا ۱۰۷۸ [2] ایضاً ج ۹ ص ۲۷۵۔

اصلاح کے بعد سے از سر نو مرتب کیا گیا۔ ۱۹۱۲ء تک جرمنی کے سارے صوبوں میں باقاعدہ نافذ ہوگیا۔

فرانس میں ٹیکس لگانے کی کوشش کا آغاز ۱۸۷۰ میں ہوا لیکن نفاذ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم سے دو ہفتے پہلے ہوا۔[1]

اٹلی میں پہلی بار آمدنی، زمین، عمارات اور منقولہ دولت پر ۱۸۶۴ء میں ٹیکس عائد ہوا۔ سویڈن میں ٹیکس لگانے کی ابتداء ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔

امریکہ میں صحیح طور پر ٹیکس کا نفاذ ۱۹۱۳ میں دستور کی سولہویں ترمیم کے ذریعے ہوا۔ حالانکہ امریکہ کی باہمی خانہ جنگی کے نقصانات کو پورا کرنے کے لئے ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۲ء تک چھ سو ڈالر سے زائد آمدنی پر تین فیصد اور دس ہزار ڈالر پر پانچ فیصد وصول کیا جاتا تھا بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے پانچ ہزار ڈالر سے زائد آمدنی پر دس فیصد شرح کر دی گئی۔

۱۸۹۴ء میں صدر امریکہ گروور کلولینڈ (GROVER CLEVELAND) نے جب دوبارہ ٹیکس لگانے کی کوشش کی تو سپریم کورٹ نے اسے غیر دستوری قرار دے کر ختم کروا دیا۔ لیکن دستور میں ترمیم کے بعد جب ٹیکس کا نفاذ ہوا تو اس وقت زیادہ سے زیادہ شرح پانچ لاکھ ڈالر سے زیادہ آمدنی پر چھ فیصد رکھی گئی۔ لیکن پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان شرح اس تیزی سے بڑھی کہ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو اس وقت کم سے کم شرح تیئس فیصد اور زیادہ سے زیادہ چورانوے فیصد تھی۔ ٹیکس سے محفوظ حد صرف پانچ سو ڈالر رہ گئی۔[2]

انگریز حکومت نے ہندوستان میں پہلی مرتبہ ۱۸۶۰ء میں انکم ٹیکس ایکٹ ۱۸۶۰ کے تحت ٹیکس نافذ کیا۔ جسے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک معطل کر دیا گیا لیکن ۱۸۶۷ء میں تھوڑی سی ترمیم کے بعد دی لائسنس ایکٹ آف ۱۸۶۷ء کے نام پر پھر سے جاری ہوگیا جس کے تحت دو سو روپیہ سے زائد آمدنی پر دو فیصد ٹیکس عائد کر دیا گیا۔

۱۸۶۸ء میں اسی ایکٹ کا نام سرٹیفیکیٹ ایکٹ ۱۸۶۸ رکھ دیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۹ ص ۲۰۵ [2] دی ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا ج ۹ ص ۸۸

ٹیکس کی شرح کم کرکے ۱/۲۵ کر دی گئی ٹیکس سے مستثنیٰ رقم دو سو سے بڑھا کر پانچ سو کر دی گئی۔
۱۸۶۹ء کے دوران کمپنیوں پر ۱/۲ فیصد اور گورنمنٹ سیکورٹیز پر ۱/۲ ۱ فیصد ٹیکس لگا دیا گیا۔ دوسرے ذرائع سے وصول ہونے والے ٹیکسوں کی شرح کو دوگنا کر دیا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں ٹیکس سے مستثنیٰ رقم کو پہلے ساڑھے سات سو اور پھر ایک ہزار کر دیا گیا۔

یکم اپریل ۱۸۷۳ء میں دوسری مرتبہ چار سال کے لئے لوگوں کو عارضی طور پر ٹیکس سے نجات ملی لیکن ۱۸۷۷ میں لائسنس ٹیکس ایکٹ کے تحت ہندوستان کے باسیوں پر پھر سے ٹیکس مسلط کر دیا گیا۔

۱۸۶۰ء سے ۱۸۸۰ء تک انکم ٹیکس ایکٹ میں ۱۳ ترامیم ہوئیں اور دو مرتبہ معطل ہوا۔ لیکن ۱۸۸۶ء میں اسے ایسی صورت دے دی گئی کہ پھر تیس ۳۰ سال نافذالعمل رہا۔ جس کے تحت پانچ سو روپے سے کم آمدنی کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ سود اور تنخواہوں کی رقم جو پانچ سو سے دو ہزار تک ہوتی اس پر ۴ پائی فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس لیا جاتا۔ دوسری عام آمدنیوں پر جو دو ہزار سے زیادہ ہوتیں۔ ان پر ۵ پائی فی صد روپیہ کے حساب سے ٹیکس وصول کیا جاتا۔

۱۹۱۶ء میں نئی ترمیم کے ذریعہ تنخواہوں، بونس، سالانہ وظائف پنشن اور سرکاری عطیات پر ایک ہزار سے دو ہزار روپے پر ۴ پائی فی روپیہ سے ٹیکس کا نیا شیڈول دیا گیا اسی طرح دوسری آمدنیوں پر یعنی دو ہزار سے پانچ ہزار روپیہ پر ۵ پائی فی روپیہ، پانچ ہزار ایک روپے سے دس ہزار تک ۶ پائی فی روپیہ، دس ہزار ایک سے پچیس ہزار روپے پر ۹ پائی فی روپیہ اور پچیس ہزار سے اوپر رقم پر ۱۲ پائی فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس کا نیا نظام قائم ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی مرتبہ کل آمدنی TATAL Income اور قابل ٹیکس آمدنی (TaxaBle Income) کا تصور دیا گیا۔ آل انڈیا کمیٹی کے ذریعے انکم ٹیکس ایکٹ کو انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۲۲ء کا نام دے دیا گیا[1] اگرچہ ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۵ء میں بھی معمولی ترامیم ہوئیں لیکن یہی وہ ایکٹ ہے جو تقسیم کے بعد پاکستان کو ملا...

---

[1] انکم ٹیکس لاء، از خواجہ امجد سعید ص ۲، ۱ اور ص ۳

پاکستان کو انگریزی سرکار سے ورثے میں ملا اور وہ آج بھی اپنی اصل کے ساتھ پورے پاکستان میں رائج ہے۔

مکس

اسلام سے پہلے انسانی معاشرے میں جو مختلف قسم کے ٹیکس رائج تھے ان میں ایک مکس تھا۔ جو زمانہ جاہلیت میں لوگوں سے زبردستی وصول کیا جاتا تھا[1] علامہ ابن منظور نے نقل کیا ہے۔

دراھم کانت تؤخذ من بائع السلع فی الاسواق فی الجاھلیة

یہ وہ درہم تھے جو جاہلیت کے زمانے میں بازاروں میں مال فروخت کرنیوالوں سے وصول کئے جاتے تھے۔

ایسے شخص کے بارے میں سیدالانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ان صاحب المکس فی النار

بے شک ٹیکس وصول کرنیوالا جہنم میں ہوگا۔

لا یدخل الجنة صاحب مکس یعنی العشار

تجارتی عشر وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے۔

امالان فانھم یاخذون مکسا باسم العشر ومکوسا اخر لیس لھا اسم بل شئی یاخذون حراما سحتا ویاکلونہ فی بطونھم نارا حجتھم فیہ داحضة عند ربھم وعلیھم غضب۔ ولھم عذاب شدید[4]

آج کل عشر کے نام پر جو مکس یا مکوس لوگ وصول کر رہے ہیں، اس کا کوئی نام نہیں۔ بلکہ وہ ناجائز اور حرام ہے وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ اپنے رب کے پاس ان کی حجت نہیں چلے گی اور ان پر غضب ہوگا۔ اور انکے لئے سخت عذاب ہوگا۔

---

[1] کتاب الاموال ص ۴۶۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۹، الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۱، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۶۷

[2] لسان العرب ج ۶ ص ۲۲۰ [3] کتاب الاموال ص ۴۶۹ مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۹، الفتح الربانی ج ۱۷

[4] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۶۷۔

مسند احمد کے شارح احمد عبدالرحمٰن البنا الساعتی نے بھی واضح کیا ہے۔

ان المکس من اعظم الذنوب وذالک لکثرۃ مطالبات الناس ومظلاماتھم وصرفھا فی غیر وجھھا
(حاشیہ فتح الربانی ج ۵ ص ۱۸)

بے شک ٹیکس گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ اسلئے کہ لوگوں سے کثرت کے ساتھ مطالبے کئے جاتے ہیں اور نہ وصول ہونے کی صورت میں ان پر ظلم کئے جاتے ہیں اور وصول کر کے ان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

انما کان فی النار لظلمہ الناس واخذ اموالھم بدون حق شرعی فان استحل ذالک کان فی النار خالدا فیھا ابدا لانہ کافر والا فیعذب فیھا مع عصاۃ المومنین ماشاء اللہ ثم یخرج ویدخل الجنۃ
(حاشیہ فتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۷)

صاحب المکس جہنم میں اس لئے جائے گا کہ اس نے لوگوں پر ظلم کیا۔ ان سے شرعی حق کے بغیر مال وصول کیا۔ اگر اسے حلال سمجھے گا تو ہمیشہ آگ میں رہے گا۔ اسلئے کہ وہ کافر ہے۔ اگر حلال نہیں سمجھے گا تو گنہگار ہوگا۔ نافرمان اہل ایمان کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا آگ سے نکال کر اسے جنت میں داخل کر دے گا۔

معلوم ہوا کہ "مکس" جہالت کے ٹیکسوں میں سے ایک ٹیکس تھا۔ جس کے وصول کرنے والے کو اسلام نے جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے۔

جزیہ | یہ وہ ٹیکس تھا جو غیر مسلمان سے ان کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جاتا ہے[1]۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق یہ ۸ھ یا ۹ھ میں اس وقت وصول کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا[2]۔

---

[1] مفردات القرآن۔ جزیہ۔ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۱۸

[2] فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۹

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ [1]

اہل کتاب میں سے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ان کے ساتھ اس وقت تک قتال کریں کہ جب تک وہ ذلیل و رسوا ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہیں دے دیتے۔

اسی آیت مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں حکم ہے حضرت عمر فاروق کو مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے میں تردد تھا لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی دے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنا شروع کر دیا [2]

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جریر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَيْسَ عَلٰى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ [3] — مسلمان پر جزیہ نہیں۔

امام ترمذی نے اپنی جامع الترمذی میں باب باندھا ہے۔

باب ماجاء ليس على المسلمين جزية [4] — اس کا باب کہ مسلمانوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

پھر انہوں نے حضرت ابن عباس والی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والعمل على هذا عند عامة اهل العلم — عام اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔

امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

تسقط الجزية بالاسلام والموت — امام ابوحنیفہ کے نزدیک (غیر مسلم) کے

---

[1] سورۃ التوبہ آیت ۲۹ [2] دار قطنی ج ۲ ص ۱۵۵، کنز العمال ج ۴ ص ۵۰۲ [3] ابوداؤد ص ۴۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳، ایضاً ص ۲۸۵ [4] جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۰۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۹۰

عند ابی حنیفۃ لقولہ علیہ السلام لیس علی مسلم جزیۃ [۱]

مسلمان ہو جانے یا مر جانے کی وجہ سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم پر جزیہ نہیں۔

خراج | یہ ٹیکس بھی غیر مسلم اہل ذمہ پر لگایا جاتا تھا۔ در حقیقت یہ ان کی زمینوں پر لگان تھا مفتوحہ علاقوں میں زمینوں کو ان کے سابقہ مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا جاتا اور ان کے علاقے کے اعتبار سے ان سے خراج وصول کیا جاتا۔

امام غزالیؒ سے منقول ہے کہ حکومت وقت اگر مسلمانوں سے خراج کے طور پر مال لیتی ہے تو وہ ناجائز ہے [۲]

حضرت علاء بن الحضرمی سے مروی ہے۔

بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی البحرین فکنت اٰتی الحائط یکون بین الاخوۃ یسلم احدھم فاخذ من المسلم العشر والمشرک الخراج [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین کی طرف بھیجا پس میں ایسے باغ میں آتا کہ جس میں کئی بھائی شریک ہوتے ان میں سے ایک مسلمان ہوتا۔ میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج وصول کرتا۔

خراج اس غلام سے بھی لیا جاتا تھا جو کسی ہنر میں مہارت رکھنے کی بنا پر کمائی کرتا اور اپنے آقا کو طے شدہ خراج ادا کرتا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے۔

کان ابو حنیفۃ یقول لا یجتمع خراج و زکوٰۃ علی رجل [۴]

امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص پر خراج اور زکوٰۃ جمع نہیں ہو سکتے۔

ضریبۃ یا غلۃ | یہ بھی ٹیکس کی ایک صورت تھی جو غلاموں اور غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

---

[۲] کیمیائے سعادت اردو ص ۳۰۱ [۳] مسند احمد ج ۵ ص ۵۲ ابن ماجہ ص ۱۳ [۴] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۰۱

حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

حجم ابوطیبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر لہ بصاع او صاعین من طعام وکلم موالیہ فخفف عن غلتہ او ضریبتہ

(صحیح بخاری ص ۳۰۲)

"ابوطیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی پس آپ نے اناج کے ایک یا دو صاع اس کو دینے کا حکم فرمایا اور اس کے مالکوں سے اس کی سفارش کی پس اس کے ٹیکس میں تخفیف کر دی گئی۔"

عشور عشر کی جمع ہے اور اس سے مراد اسلامی عشر یا صدقات نہیں بلکہ یہ وہ تجارتی امپورٹ ڈیوٹی تھی جو یہود و نصاریٰ اور ذمیوں کے ان مالوں پر وصول کیجاتی تھی جو تجارت کرنے کی خاطر مسلمانوں کے علاقوں میں لایا کرتے تھے۔

حسن سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر فاروق کو لکھا۔

ان تجارا من قبلنا من المسلمین یاتون ارض الحرب فیاخذون منھم العشر

ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ ان سے مال کا دسواں حصہ وصول کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق نے ان کو جواب میں حکم فرمایا۔

خذ انت منھم کما یاخذون من تجار المسلمین وخذ من اھل الذمۃ نصف العشر ومن المسلمین من کل اربعین درھما درھما ولیس فیما دون المائتین شئ فاذا کانت مائتین ففیھا خمسۃ دراھم وما زاد فبحسابہ

(کتاب الخراج)

تم بھی ان سے اسی طرح دسواں حصہ وصول کرو کہ جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ ذمیوں سے بیسواں اور مسلمانوں سے ہر چالیس پر ایک ایک درہم وصول کیا کرو۔ دو سو درہموں سے مال کم ہو تو اس پر کچھ وصول نہیں کرنا جب مال دو سو درہموں کا ہو جائے تو اس میں سے پانچ درہم لینے ہیں اور اگر مال دو سو درہموں سے زیادہ ہو جائے تو پھر حساب لگا کر رقم وصول کرو۔

عمرو بن شعیب کی روایت کے مطابق حربیوں میں سے اہل منبج نے حضرت عمر فاروق کی خدمت میں تحریراً عرض کیا۔

دعنا ندخل ارضك تجارا وتعشرنا	ہمیں اپنے ملک میں تجارت کے لئے آنے کی
فشاور عمر اصحاب رسول الله صلی	اجازت دیں اور ہم سے دسواں حصہ وصول
الله علیہ وسلم فی ذالك فاشاروا	کیا کریں عمر فاروق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ بہ فکانوا اول من عشر من	وسلم کے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا
اھل الحرب	تو انہوں نے اس کے حق میں رائے دی چنانچہ
(کتاب الخراج ص ۱۳۴)	وہ پہلی حربی قوم تھی کہ جس سے عشر لیا گیا۔

معلوم ہوا کہ تجارتی عشر یعنی امپورٹ ڈیوٹی کی ابتداء حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں اس وقت ہوئی جب حربی قوم کے تجار نے اہل اسلام کے علاقوں میں تجارت کی اجازت ملنے پر خود ہی اپنے مالوں کا دسواں حصہ اسلامی خزانے میں جمع کروانے کی پیش کش کی۔

دوسری روایت کے مطابق جب مسلمان تجار سے حربیوں نے دسواں حصہ وصول کرنا شروع کیا تو اس کے جواب میں امیر المومنین کی اجازت سے حربی تجار سے بھی مسلمانوں نے دسواں حصہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ خیال رہے کہ مسلمانوں سے جو ڈیوٹی وصول ہوتی تھی اس کی وہ حیثیت نہ تھی جو کہ غیر مسلموں سے ہونے والے ڈیوٹی کی تھی۔

قاضی ابو یوسف نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

وکل ما اخذ من المسلمین من العشور	اور مسلمان سے جو ڈیوٹی کے طور پر وصول کیا جائے
فسبیلہ سبیل الصدقۃ وسبیل ما	گا اسکی حیثیت زکوٰۃ جیسی ہوگی اور جو ذمیوں
یوخذ من اھل الذمۃ جمیعًا واھل الحرب	اور حربیوں سے وصول ہوگی اس کی نوعیت
سبیل الخراج (ایضاً)	خراج جیسی ہوگی۔

زیاد بن حدید سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے مجھے عشر پر عامل بنا کر حکم دیا کہ

ان اخذ من تجار المسلمین ربع العشر	میں مسلمان تجار سے ½ ۲ فیصد وصول کروں

دوسری روایت کے مطابق۔

من تجار اهل الذمة مثل ما اخذ من تجار المسلمين

اہل ذمہ کے تجار سے وہ وصول کروں کہ جو مسلمان تجار سے ان کے علاقوں میں وصول کیا جاتا ہے

انس رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ان سے فرمایا۔

خذ من المسلمين من كل اربعين درهما درهما ومن اهل الذمة من كل عشرين درهما ومن لا ذمة له من كل عشرة دراهم درهما (كتاب الاموال)

کہ مسلمانوں سے ہر چالیس درہموں پر ایک درہم (۲½ فیصد) اہل ذمہ سے ہر بیس درہموں پر ایک درہم (۵ فیصد) اور جو اہل ذمہ نہیں ان سے ہر دس درہموں پر ایک درہم (۱۰ فیصد) وصول کروں۔

قاضی ابو یوسف نے خلیفہ ہارون رشید پر یہ بھی واضح کر دیا تھا۔

اذا مر التاجر على العاشر بمال او متاع وقال قد اديت زكاته وحلف على ذالك فان يقبل منه ويكف عنه ولا يقبل فى هذا من الذمى ولا من الحربى لانه لا زكوٰة عليهما (المحلى لابن حزم ص۱۱۵ ج۶)

اگر کوئی تاجر مال و متاع کے ساتھ عاشر کے پاس سے گزرے اور حلف اٹھا کر کہے کہ میں نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو اس کی یہ بات مان لی جائے اور اس سے ڈیوٹی وصول نہ کی جائے کیوں کہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

قاضی ابو یوسف کی اس ہدایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان تاجروں سے جو تجارتی ڈیوٹی وصول کی جاتی تھی۔ وہ ان کے مالوں کی زکوٰۃ ہوتی تھی۔ اگر تجار حلف اٹھا کر کہہ دیتے کہ ہم نے اپنے مالوں کی زکوٰۃ پہلے ہی ادا کر دی ہے تو پھر ان سے کوئی ڈیوٹی وصول نہ کی جاتی تھی۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ عمر فاروق نے مسلمانوں سے بھی تجارتی عشر وصول کیا تو یہ بات کسی بھی صورت میں درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام سے ایسا عشر وصول کرنے سے منع فرمایا لہذا جس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ عمر فاروق کیسے کر سکتے تھے۔

حرب بن عبید الثقفی کے خالو سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کے بارے میں دریافت کیا۔

اعشرھا فقال انما العشور علی الیھود والنصاریٰ ولیس علی اھل الاسلام عشور (مسند احمد ۳ ص ۴۷۴)

کیا میں اپنی قوم سے عشر وصول کروں؟ آپ نے فرمایا۔ بے شک عشور یہود و نصاریٰ پر ہے اہل اسلام پر عشور نہیں۔

یہی روایت امام ابوداؤد اور امام ابن ابی شیبہ نے وائل کے حوالے سے نقل کی ہے۔[1]

سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یامعشر العرب احمد واللہ الذی رفع عنکم العشور[2]

اے عرب کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو کہ جس نے تم سے عشور کو ہٹا دیا۔

احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یعنی ماکانت تاخذ ملوکھم ورؤساء قبائلھم منھم من الضرائب والعشور ونحو ذالک (الفتح الربانی)

یعنی ان کے بادشاہ اور قبائل کے سردار ٹیکس اور عشور اور ان کی مثل ان سے جو وصول کیا کرتے تھے۔

امام ابو عبید نے نقل کیا ہے۔

انہ قد کان لہ اصل فی الجاھلیۃ یفعلہ ملوک العرب والعجم جمیعًا فکانت سنتھم ان یاخذوا من التجار عشر اموالھم اذا مروا بھم (کتاب الاموال ص ۶۳۴)

اس کی بنیاد جہالت کے زمانے میں رکھی گئی کہ عرب و عجم کے بادشاہوں کا طریقہ بن گیا کہ اپنے پاس سے گزرنے والے تاجروں سے دس فیصد ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ اور عشر فرض ہے

مذکورہ روایت سے عیاں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا پابند بنایا ہے۔ اگر کوئی اس کے علاوہ بارگاہ اللہ میں صدقہ پیش کرتا ہے یا انفاق فی سبیل اللہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو اپنے عمل سے وہ عنداللہ اپنے درجات کو بلند کرواتا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ اس پر کوئی ایسا ٹیکس واجب نہیں ہو سکتا کہ جس کی اصل جاہلیت کے زمانہ تھی۔

---

[1] ابوداؤد ص ۴۳۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۹۲ [2] مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۹۷

اسی لئے علامہ شوکانی نے فیصلہ دیا ہے کہ:

لیس علیھم غیر الزکوٰۃ من الضرائب والمکس ونحوھا (نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۲۴)

ان پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس اور اس کی مثل واجب نہیں۔

علامہ الساعاتی کا بیان ہے۔

ای غیر ما فرضہ اللہ علیھم فی الصدقات فلا یوخذ من المسلم ضریبۃ ولا شئی یقرر علیہ فی مالہ لانہ یصیر کالجزیۃ (الفتح الربانی ج ۵ ص ۱۷)

یعنی صدقات کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر جو فرض کیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں لیس مسلمان سے کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے اور نہ کچھ اس پر مقرر کیا جائے، اگر ایسا کیا جائے گا تو وہ جزیہ کی صورت اختیار کر جائے گا۔

ظاہر ہے کہ مسلمان سے جزیہ وصول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جزیہ تو غیر مسلموں پر واجب ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

اذا ادیت زکوٰۃ مالک فقد قضیت ما علیک[1]

جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو جو تجھ پر فرض تھا اسے تو نے پورا کر دیا۔

امام ترمذی نے پہلے اس حدیث کو باب بنایا۔ پھر روایت کے طور پر نقل کرنے کے بعد مزید وضاحت یوں کی ہے کہ اور طریقے سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا۔

ھل علی غیرھا؟ قال لا الا ان تطوع۔

کیا اس کے علاوہ بھی کچھ مجھ پر فرض ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں! اگر تو رضاکارانہ طور پر دینا چاہے تو اجازت ہے۔

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۴، ابن ماجہ ص ۱۲۸، فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۳، زوائد ابن حبان ص ۲۰۴ کنز العمال ج ۶ ص ۲۹۳ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۸۴

یہی الفاظ امام بخاری کی ایک نقل کردہ روایت کے ہیں[1]

فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ[2] مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور فرض نہیں۔

امام شعرانی نے علمار کرام کا اس پر اجماع نقل کیا ہے ۔ اسی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام ماوردی نے لکھا ہے کہ :

لا یجب علی المسلم فی مالہ حق سواھا[3] مسلمان کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق فرض نہیں ہوتا۔

اگر کہا جائے کہ فاطمہ بنت قیس سے یہ بھی مروی ہے۔

فی المال حق سوی الزکوٰۃ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

جامع الترمذی میں یہ دونوں روایتیں موجود ہیں۔ امام ترمذی نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے" والی روایت کی سند درست نہیں۔ کیونکہ اس روایت کے ایک راوی ابوحمزۃ میمون الاعور کو ضعیف کہا گیا ہے۔

جامع الترمذی کے شارح علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے نقل کیا ہے کہ

امام احمد نے ابوحمزۃ میمون کے بارے میں فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے یعنی اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ امام دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ امام بخاری کا کہنا ہے کہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک مضبوط نہیں۔ امام نسائی کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں[4]

امام بیہقی کی تحقیق ہے کہ یہ حدیث ابوحمزۃ میمون الاعور کوفی کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل یحیٰ بن معین اور ان کے بعد آنے والے حفاظ حدیث نے اس پر جرح کی ہے۔ ہمارے ساتھی تعالیق میں جو روایت نقل کرتے ہیں وہ "لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ" ہے یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی حق نہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۲ [2] المغنی لابن قدامہ ج ۱ ص ۵۰۳، کنز العمال ج ۶ ص ۳۲۳ المیزان الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲ ابن ماجہ ص ۱۲۸ [3] الاحکام السلطانیہ ص ۱۱۳ [4] تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۲، میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۲۴

اس ساری بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان اگر صاحب نصاب ہے تو وہ صرف زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ اس کے علاوہ اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر ضرورت مندوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ عنداللہ ماجور ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جب بحرین کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو زکوٰۃ کے بارے میں تحریری ہدایت نامہ دیا۔

ھذہ فریضۃ الصدقۃ التی فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المسلمین التی امر اللہ بھا رسولہ فمن سئلھا من المسلمین علی وجھھا فلیعطھا ومن سئل فوقھا فلا یعط[1]	یہ وہ صدقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا یہ وہی ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ پس مسلمانوں میں سے فریضہ کے مطابق جس سے طلب کیا جائے وہ ادا کر دے اور جس سے فرض کردہ سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔

صحیح بخاری جو آج کل مدارس میں متداول ہے۔ اس میں "فلا یعط" کے نیچے بین السطور لکھا ہوا ہے۔

ای زائدًا علی الفریضۃ المعینۃ۔	یعنی فرض معینہ سے جب زیادہ طلب کیا جائے

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے[2]

ضحاک بن مزاحم سے تو یہ بھی مروی ہے۔

نسخت الزکاۃ کل حق فی المال[3]	زکوٰۃ نے مال کے ہر حق کو منسوخ کر دیا ہے

جب زکوٰۃ و عشر کے بارے میں یہ حکم ہے کہ صاحبِ نصاب مسلمان پر جتنی فرض ہوتی ہے اس سے زیادہ اس سے وصول نہ کی جائے تو اس پر زکوٰۃ و عشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۹۵ نسائی ج اص ۳، ۲۰۲ ابن حبان ج ۱۱۱ الام ج ۲ ص ۴ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۵۳ (مترجم) [3] المحلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۸، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۴۵

ایک مال پر ایک ہی بار زکوٰۃ و عشر اور ٹیکس کا واجب ہونا

وعشر اور ٹیکس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مسلم یا غیر مسلم کے ایک مال پر سال میں ایک ہی مرتبہ زکوٰۃ و عشر یا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دنیا میں مروجہ نظام ٹیکس کے تحت ایک ہی آمدنی یا ایک ہی مال پر کئی ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ انکم ٹیکس، سوپر ٹیکس، سرچارج، ویلتھ ٹیکس، سیلز ٹیکس، امپورٹ ڈیوٹی اور ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ۔

اسلام میں اس کی بالکل اجازت نہیں کہ ایک مال پر بار بار زکوٰۃ یا عشر وصول کیا جائے۔ یا زکوٰۃ اور عشر کی شرح میں اضافہ کر دیا جائے۔ اسی طرح غیر مسلم کے مال پر بار بار تجارتی ڈیوٹی واجب کر دی جائے یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈال دیا جائے۔

علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی نے حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں اسلام کی عظمت کو اجاگر کرنے والا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عاشر نے رومی تاجر سے اس کے گھوڑے کا عشر وصول کر لیا۔ اتفاق سے اس تاجر کا گھوڑا فروخت نہ ہوا۔ جب وہ اپنے گھوڑے سمیت واپس ہوا تو عاشر نے اس سے پھر عشر طلب کیا۔ نصرانی نے عاشر سے کہا کہ میں جب تمہارے پاس سے گزرا تو تمہیں عشر ادا کر دیا تھا۔ اب مجھ پر کچھ بھی ادا کرنا باقی نہیں۔ جب عاشر نے اصرار کیا تو اس نے اپنا گھوڑا عاشر کے پاس چھوڑا اور خود مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ اس نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق کو مسجد نبوی میں اس طرح پایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی کتاب یا خط کو دیکھ رہے تھے۔ نصرانی نے مسجد کے دروازے سے آواز لگائی کہ میں نصرانی شیخ ہوں۔ حضرت عمر نے جواب میں فرمایا۔ میں دین حنیف کو ماننے والا شیخ ہوں۔ کیا بات ہے؟ نصرانی نے عاشر کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو سنا دی۔ حضرت عمر فاروق اس کی بات سنکر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ نصرانی نے خیال کیا کہ امیر المومنین نے اس کی بات کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ لہٰذا وہ عاشر کے پاس واپس آیا اور دوبارہ عشر ادا کرنے پر تیار ہو گیا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے عاشر کے پاس امیر المومنین کا حکم نامہ پہنچ چکا تھا۔ کہ اگر اس سے عشر لے چکے ہو تو دوسری بار مت لینا۔

نصرانی نے کہا کہ جس دین میں عدل وانصاف کی یہ صفت موجود ہو وہی حق ہونے کے لائق ہے اور وہ وہیں مسلمان ہوگیا (المبسوط ج ۲ ص ۲۰۱)

جب غیر مسلم سے اس پر واجب ہونے والی ڈیوٹی سے زیادہ وصول کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا تو اسلامی ریاست میں مسلمانوں سے غیر اسلامی ٹیکس وصول کرنے کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟

علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی المتوفی ۹۷۰ھ نے نقل کیا ہے۔

ان تمام اسلامکوان تودوا زکوٰۃ امو الکم (کنز العمال ج ۶ ص ۲۹۶) تمہارا اسلام کو پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو

لہٰذا واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی بھی غیر شرعی ٹیکس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسلام نے ان تمام ٹیکسوں کو ختم کر دیا تھا جو عرب میں اس وقت رائج تھے۔ مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی فرض ہے اور جو صاحب نصاب اس کی ادائیگی کا منکر ہو تو حاکم وقت اس سے زبردستی وصول کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے خلافت کے آغاز میں کیا تھا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہندوستان کا اوّلین سیرت نگار
ابومعشر نجیح سندھی

از
نوقیر احمد شادی ندوی
ریسرچ اسکالر
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب مسلمانوں میں لکھنا پڑھنا عام ہوا اور ان میں تاریخ نویسی کا رواج ہوا تو سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات کی جمع و ترتیب کا سلسلہ شروع ہوا۔ متاخرین صحابہ کرام اور تابعین عظام نے حیات مبارکہ پر بہت سی جامع اور مفصل کتابیں لکھیں، قرن اول میں بہت سے مؤلفین نے سیرت مطہرہ پر قلم اٹھایا اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک فن سیر و مغازی نے کافی ترقی کر لی تھی چنانچہ بنو امیہ کے آخری اور بنو عباس کے شروع زمانے میں مغازی کی جامع و مفصل کتابیں لکھی گئیں۔ اسی زمانے میں موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) نے ایک جامع کتاب "کتاب المغازی" کے نام سے لکھی۔ اس کے علاوہ خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) نے نہایت ہی جامع و ضخیم کتاب لکھی، لیکن سیر کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے پہلے بھی کئی سیرت نگاران نبوی گزر چکے ہیں، جن کے حوالے اور روایتیں مختلف کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سب سے پہلا نام حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (م ۹۴ھ) کا آتا ہے اس کے بعد حضرت سعید بن مسیب (م ۹۴ھ) عامر بن شراحیل (م ۱۰۳ھ) اور حضرت ابان بن عثمان (م ۱۰۵ھ) رضی اللہ عنہم وغیرہ کا نام آتا ہے۔

سرزمین ہند بھی اس مبارک فیض سے فیضیاب ہوئی اور سیر نگاری کے نور سے منور ہوئی، اسلام کا سب سے پہلا کارواں جب ہندوستان کے ساحل پر وارد ہوا تو عرب و ہند کے جو تعلقات جو بہت قدیم تھے مزید مضبوط ہوئے، اور اسلام نے اسی وقت اپنا قدم جمانا شروع کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر سب سے پہلا حملہ کیا، لیکن وہ ساحل ہی تک محدود رہے، اس کے بعد ۹۲ھ میں محمد بن

قاسم نے سندھ کو فتح کیا، تاہم یہ فتح بھی عارضی تھی اس کے باوجود اسلام نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی، اور لوگ اسلام کے نور سے منور ہونے لگے، کچھ ہی دنوں میں لوگوں کے دل حبِ نبوی اور عشقِ رسول سے لبریز ہو گئے، نتیجتاً ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل ہند کی شاعری اور نثری تصنیفات حب نبوی سے بھری پڑی ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے دل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا ہے، اسی عشق و محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ پر منظوم و منثور شکل میں عقیدت کے پھول آپ کے قدموں میں نچھاور کئے جاتے ہیں اور اب تک ہزاروں کتابیں صرف ہندوستان میں لکھی جا چکی ہیں۔

موجودہ تحقیقات کے مطابق ہندوستان میں سیرت نگاری کی بنیاد ڈالنے اور اسکی ابتدا کرنے والے ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی تھے جن کا شمار سیرت نبوی کے اولین سیرت نگاروں میں ہوتا ہے انہوں نے دوسرے اسلامی دیار و امصار کے علاوہ شہر نبوی مدینہ منورہ اور شہر خلافت بغداد میں بھی درس سیرت دیتے تھے۔

ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور و معروف فقیہ محدث اور سیرت نگار تھے، عرصہ تک غلامی کی زندگی گزارنے کے باوجود علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوئے اور نہایت ہی بلند مقام حاصل کیا، درآنحالیکہ لوگوں کو انکے عرب ہونے کا دھوکہ ہونے لگا جبکہ وہ سندھی الاصل تھے ان کی زندگی ہی میں ان کے عرب ہونے اور نہ ہونے پر بحث چھڑ گئی تھی، ایک دفعہ کسی نے ان کو یمنی کہہ دیا تو انہوں نے فوراً اس کی تردید کی[۱] خطیب بغدادی ابومعشر کے صاحبزادے محمد بن ابومعشر کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "میرے والد سندھی تھے عرب میں مدت تک قیام کے باوجود ان کی زبان میں سندھیت کا اثر آخر وقت تک باقی رہا اور کعب کو قعب کہا کرتے تھے" ابونعیم کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے[۲]۔

ابومعشر کے ابتدائی حالات کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا، وہ بنی مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب غلام تھے[۳] بعد میں خلیفہ ابوجعفر منصور کی بیوی اور مہدی کی ماں ام موسیٰ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا[۴] ایک زمانہ میں حدود یمن میں سندھیوں کی بڑی کثرت تھی، ان ہی میں ابومعشر کا خاندان بھی تھا، یزید بن مہلب نے یمامہ اور بحرین میں جنگ کی اس میں ابومعشر گرفتار ہو کر مدینہ

آئے اور ایک مدت تک وہیں رہے اس وجہ سے ان کو مدنی بھی کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ ابو معشر کی منتقلی وطن کے بارے میں کئی واقعات بیان کئے جاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو سرقہ (چوری) کر کے مدینہ لایا گیا اور فروخت کر دیا گیا، ان آقاؤں نے ان کا نام نجیح رکھا[۵] لیکن یہاں جو سرقہ کہا گیا ہے غالباً اس سے مراد ابو معشر کی گرفتاری ہے کیونکہ وہ گرفتار ہو کر مدینہ آئے تھے، بہر حال ابو معشر اپنی غلامی کی زندگی میں بھی حصول علم سے غافل نہ ہوئے، اور مستقل استفادہ علوم میں مشغول رہے ان کے آقاؤں نے بھی انہیں خوب موقع فراہم کیا حتی کہ وہ مدینہ منورہ کے مشہور فقہا، ومحدثین میں شمار ہوئے، ذہبی نے ان کو حافظ حدیث، فقیہہ اور صاحب مغازی والاخبار لکھا ہے[۶] ابو معشر نے مدینہ منورہ اور دیگر مقامات پر تعلیم حاصل کیا، علم حدیث مغازی اور فقہ میں کمال حاصل کیا، بالخصوص فن مغازی میں درجہ امامت تک پہنچ گئے، نسائی ان کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیخان (امام بخاریؒ ومسلمؒ) میں سے کسی نے ان سے روایت نہیں لی ہے[۷] جبکہ ابن حجر حدیث اور تاریخ میں خاص مقام کا حامل کہتے ہیں، خاص طور سے ان کی کتاب المغازی سے ائمہ نے استشہاد کیا ہے، امام احمد بن حنبلؒ ان کو بہت پسند کرتے تھے اور فن مغازی میں ان کی بصیرت کے قائل تھے، امام احمد کا قول ہے کہ ابو معشر صدوق (سچے) ہیں مگر وہ سند کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتے، اس لئے حجت نہیں ہیں[۸] امام شافعی نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے۔
دراصل انتقال سے دو سال قبل وہ سخت اختلال وتغیر میں مبتلا ہو گئے تھے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔ موت سے پہلے ابو معشر میں بہت زیادہ تبدیلی پیدا ہو گئی تھی[۹] لہذا اس نقص کے پیدا ہونے سے پہلے کی روایتیں مقبول حجت ہیں ان سب کے باوجود مغازی کے سلسلے کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے سبھی نے ابو معشر کو قابل حجت گردانا ہے اور مغازی کے اماموں میں شمار کیا ہے۔

خلیفہ مہدی ابو معشر کے علم وفضل کا بہت قدرداں تھا اس کی ان سے انسیت کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ابو معشر ان کی ماں کے غلام رہ چکے تھے، ایک دفعہ حج کے موقع پر دونوں کا ساتھ ہوا، مہدی نے انہیں بلوا کر اپنے قافلہ والوں کو فقہ سکھانے پر مامور کیا اور ایک ہزار

دینار ان کی خدمت میں پیش کیا۔ جب سنہ ۱۶۰ھ میں مہدی مدینہ منورہ آیا تو اس نے ابو معشر کو بغداد چلنے کے لئے کہا اور ابو معشر مع اہل وعیال مدینہ سے بغداد منتقل ہو گئے وہاں تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی گئی، زندگی کے باقی ایام بغداد ہی میں بسر کیا، اور رمضان سنہ ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔[۱۰] ہارون رشید نے نماز جنازہ پڑھائی اور وہاں کے بڑے قبرستان میں دفن کئے گئے۔[۱۱]

ابو معشر نے مغازی کا زیادہ تر حصہ علماء نے مدینہ کی مجلسوں میں سنکر یاد کر لیا تھا، ابو معشر کو بچپن ہی سے مغازی سے لگاؤ تھا بچپن ہی سے زبانی یاد کرتے تھے آگے چل کر اسی میں ان کو شہرت و بلندی حاصل ہوئی، ان کے صاحبزادے محمد بن ابو معشر کہتے ہیں "میرے والد کے استاد کے پاس تابعین بیٹھ کر مغازی کا مذاکرہ کرتے تھے اور والد یاد کر لیا کرتے تھے"[۱۲]

ابو معشر کے اساتذہ اور شیوخ جن سے گاہے بگاہے ابو معشر نے استفادہ کیا ان میں چند بہت ممتاز اور مشہور ہیں، خاص طور پر جو نام ان کے اساتذہ میں آتا ہے ان میں محمد بن کعب قرظی، نافع مولی ابن عمر، سعید مقبری، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ بن یسار اور محمد بن قیس وغیرہ کا نام آتا ہے، ابن حجر نے مشہور تابعی سعید بن مسیب کو بھی ان کے شیوخ میں شمار کیا ہے، حالانکہ سعید بن مسیب سے ان کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ علامہ ذہبی جامع ترمذی کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "سعید بن المسیب کی ابو معشر سے ملاقات نہیں ہے بلکہ سعید مقبری سے ان کی ملاقات ہوئی ہے اور ابو معشر ان سے بہت زیادہ روایت کرتے ہیں"[۱۳] ابو معشر کو ایک یہ فضیلت بھی حاصل تھی کہ انہوں نے مشہور تابعی ابو امامہ بن سہیل بن حنیف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کیا تھا[۱۴]

ابو معشر نے اپنے علم و فضل سے لوگوں کو خوب فیضیاب کیا، اور اس کے بہت موقع عنایت کئے، چنانچہ ان سے مستفید ہو کر علم و فضل کے اعلیٰ مقام تک پہنچنے والوں کی تعداد بے شمار ہے ان میں بہت سے جلیل القدر ائمہ اور علماء کا نام بھی آتا ہے جس سے ابو معشر کی علمیت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ان میں سے چند مشہور و معروف نام اس طرح ہیں۔ سفیان ثوری، یزید بن ہارون، محمد بن عمر واقدی، محمد بن بکار، عبدالرزاق، ابو نعیم، لیث بن سعد، وکیع بن جراح

سعید بن منصور اور خود ان کے صاحبزادے محمد بن ابو معشر وغیرہ ہیں ان کے علاوہ صاحب رجال السند والہند نے اسحٰق بن عیسیٰ طباع کا نام بھی ان کے شاگردوں میں شامل کیا ہے[۱۵]۔ ابن سعد نے اپنے مغازی کے شیوخ میں ابو معشر کا نام ذکر کیا ہے اور ان کے حوالے سے تراجم صحابہ بھی بیان کرتے ہیں[۱۶]

فہرست ابن ندیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو معشر نے "کتاب المغازی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی[۱۷] لیکن ان کی تصنیف کردہ کتاب کا کہیں پتہ نہیں چلتا تاہم ابو معشر کی کتاب کے متعدد اقتباسات واقدی، ابن سعد اور طبری وغیرہ کی کتابوں میں ملتے ہیں، واقدی کی "کتاب المغازی" میں جب کسی فصل کی ابتدا میں تمام رواۃ کے نام آتے ہیں وہاں پر خاص طور سے ابو معشر کا حوالہ دیا جاتا ہے، ابن سعد کے سیر کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو معشر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات مبارکہ سے متعلق روایات فراہم کی تھیں، ابن سعد کے علاوہ طبری بھی ابو معشر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر سے متعلق روایات نقل کرتے ہیں، ان تمام اقتباسات سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ ابو معشر نے کتاب المغازی کی تصنیف کی تھی، قاضی اطہر مبارک پوری رقم طراز ہیں " ابن اسحٰق کی طرح ابو معشر نے بھی بغداد میں کتاب المغازی لکھی[۱۸]" ابو جعفر منصور نے مہدی کے لئے ابن اسحاق کے کتاب المغازی لکھنے کی فرمائش کی تھی لیکن مہدی نے خود ابو معشر کو اپنے یہاں بلا کر کتاب المغازی لکھنے میں آسانیاں فراہم کیں۔

ابو معشر کی تصنیف کردہ کتاب المغازی کو اہل علم نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ مدتوں ان میں متداول رہی، فتح الباری کتاب المغازی میں بھی جا بجا ان کے حوالے سے روایات موجود ہیں[۱۹]۔

ابو معشر کی تصنیف میں کتاب المغازی کے علاوہ کسی اور کتاب کا پتہ نہیں چلتا جب کہ خلیلی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو معشر نے فن تاریخ میں بھی کوئی کتاب تصنیف کی تھی[۲۰] جو صدر اسلام کے حوادث کی ایک تجزیاتی سن وار تاریخ تھی اور جس میں ۱۷۰ھ تک کے وقائع مذکور تھے آخری واقعہ ان کی کتاب سے طبری نے جو اخذ کیا ہے وہ خلیفہ ہادی کی وفات ۱۷۰ھ ہے۔

ابو معشر مغازی میں اکثر اپنی سند بیان کرتے ہیں مگر تاریخ میں انہوں نے کوئی سند بیان نہیں

گیا، اسی طرح سے ابن سعد بھی ابومعشر کے حوالہ سے عبدالملک بن مروان کے سلسلے میں ایک عبارت نقل کرتے ہیں " عبدالملک بن مروان دمشق میں جمعرات کے دن ۱۵ ارشوال ۸۶ھ کو مرا اس وقت وہ ساٹھ سال کا تھا جس دن سے اس کی بیعت لی گئی اس دن سے وفات تک اس کی مدت حکومت اکیس سال ڈیڑھ مہینہ رہی اس میں سے نو سال عبداللہ بن الزبیر سے جنگ کرنے میں صرف ہوئے، پھر شام کی خلافت اس پر مسلم ہوگئی۔ اور مصعب کی شہادت کے بعد وہ عراق کا بھی تنہا مالک ہوگیا[۲۱]"

بہرحال اس کتاب کا بھی وجود نہیں ہے اور نہ فن تاریخ میں الگ سے کسی کتاب کے تصنیف کرنے کا کوئی ٹھوس اور واضح ثبوت ملتا ہے در اصل دونوں ایک ہی کتاب ہیں جس کو ابن ندیم نے کتاب المغازی کہا ہے اور خلیلی نے تاریخ کی کتاب کہا، درحقیقت متقدمین کے یہاں مغازی سیر اور تاریخ ایک ہی فن سمجھے جاتے تھے بعد میں چل کر یہ تمام فنون الگ الگ ہوئے' ابن ندیم لکھتے ہیں " ابومعشر وقائع وسیر کے ماہر اور ایک محدث تھے ان کی ایک کتاب المغازی تھی "[۲۲]

یہ بات تقریباً طے شدہ اور یقینی ہے کہ ابومعشر ہندوستان کے پہلے سیرت نگار ہیں اور انہوں نے کتاب المغازی تصنیف کی، سیر و مغازی میں ان کی جلالت شان کے سبھی معترف اور قائل ہیں جن کے ثبوت میں متاخرین سیرت نگاروں کی کتب سیرت بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں جس مغازی ابومعشر کے متعدد اقتباسات جابجا بکھرے ہوئے ہیں اور سبھی ان کی روایات سے متاثر اور مستفید نظر آتے ہیں۔

حواشی

لہ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، تبع تابعین، مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۷۸ء ۲/۲۷

۲ہ عبدالحی بن فخرالدین حسنی، نزہتہ الخواطر، مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۹۴۷ء ۱/۴۰

۳ہ ابن ندیم : الفہرست، مطبع استقامہ قاہرہ ص۱۴۲

۴ہ قاضی اطہر مبارکپوری، تدوین سیر و مغازی شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند ۱۴۱۶ھ ص۲۱۲

۵ہ جوزف میور ودتس : ترجمہ۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے

مؤلفین، نقوش، رسول نمبر۔ ادارۂ فروغ اردو لاہور، دسمبر ۱۹۸۲ء جلد ۱ شمارہ ۱۳۰ ص ۶۸۰
۶ ؎ تدوین سیر و مغازی ص ۲۱۳ ۸ ؎ نزہۃ الخواطر ۱/۴۶
۵ ؎ تدوین سیر و مغازی ص ۲۱۳ ۹ ؎ حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مطبع دار الکتب مصر ۱۲/۴۲۹ ۱۰ ؎ تدوین سیر و مغازی ص ۲۱۵
۱۱ ؎ نقوش (مذکور) ۱/۶۸۰ ۱۲ ؎ تاریخ بغداد ۱۳/۴۲۸
۱۳ ؎ عبداللہ شمس الدین ذہبی: تذکرۃ الحفاظ، مطبع مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد ۱۹۵۵ء ۱/۲۳۴ ۱۴ ؎ تبع تابعین ۲/۲۷
۱۵ ؎ قاضی اطہر مبارک پوری: رجال السند والہند الی القرآن السابع مطبع حجازیہ بومبائی ۱۹۵۸ء ص ۲۵۵ و ص ۲۵۶ ۱۶ ؎ نقوش (مذکور) ۱/۶۸۰ ۱۷ ؎ الفہرست ص ۱۴۲
۱۸ ؎ تدوین سیر و مغازی ص ۱۱۵ ۱۹ ؎ ایضاً ۲۰ ؎ نقوش (مذکور) ۱/۶۸۰
۲۱ ؎ نقوش (مذکور) ۱/۶۸۰ ۲۲ ؎ الفہرست ص ۱۴۲

بقیہ:- نئی کتابیں

تو بھی بے مزہ ہو جاتا ہے اسی مناسبت سے قرآن میں نظم و مناسبت کی تلاش بھی متوازن مقدار میں ضروری ہے اور اسی میں مطالعۂ قرآن کا اصل مزہ ہے۔ مصنف نے اسی خیال کی تائید کی ہے۔

قرآن میں نظم و مناسبت ایک ایسا موضوع ہے جس کی طرف اب تک صرف خواص علماء ہی کی توجہ تھی۔ زیر تبصرہ کتاب کی اشاعت سے انشاءاللہ عام علماء بھی اس طرف متوجہ ہوں گے۔ کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایک مشکل موضوع کو آسان زبان میں پیش کر دیا ہے

کتاب کی طباعت، کتابت اور کاغذ عمدہ ہے بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں تصحیح سے رہ گئی ہیں۔ قرآن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

محمد خالد صدیقی
ساجن کلیان سیتی نیپال

آخری قسط

حیلہ جائز ہے

حیلہ جائز ہے کیونکہ کتاب و سنت سے اس کے جواز کی دلیل ملتی ہے۔ اسے حرام کہنے والے اور حلال کہنے والے کی وضاحت اور تشریح میں بڑا فرق ہے، حرام قرار دینے والے حیلہ کو شریعت مطہرہ کے لئے خطرہ مانتے ہیں کہ اس کے ذریعہ جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کیا جاتا ہے، جب کہ قائلین جواز کا موقف یہ ہے کہ انسان جب حرام میں پڑنے لگتا ہے تو حیلہ محض حرام سے نکالنے کی ایک تدبیر ہے۔

ابن نجیم نقل فرماتے ہیں۔

وانما هو الهرب من الحرام والتخلص منه حسن (الاشباہ ص۴۱۵)	یہ حرام سے دور بھاگنا ہے اور اس سے چھٹکارا پانا بہتر ہے۔

اسی لئے بہت سے فقہاء کرام نے اس بات کو کتاب المخارج کا نام دیا ہے۔ کہ اسکے ذریعہ حرام سے بچا جاتا ہے نہ کہ حرام کو حلال کیا جاتا ہے۔

کتاب اللہ سے دلیل

قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں یہ قصہ مذکور ہے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص ۴۴)	اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لو، اور اس سے مارو، اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، اچھے بندے تھے (اللہ سے) بہت رجوع کرتے تھے۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں اس کے پس منظر کو نقل کیا ہے جسے ہم حضرت مفتی شفیع صاحب کے حوالے سے انہیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

"حضرت ایوب کی بیماری کے زمانہ میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب کی بیوی کو ملا تھا، اسے انہوں نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، اس نے کہا کہ اس شرط سے اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے اسے شفا دی۔ میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا، انہوں نے ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا انہوں نے کہا بھلی مانس وہ تو شیطان تھا میں عہد کرتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دے دے تو میں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا پس آپ کو سخت رنج پہنچا اس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے"۔

(معارف القرآن ۷/۵۲۰)

اسکے بعد حضرت ایوب نے اللہ کے حضور دعا کی اسے انہیں شفایاب کرے چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول کرلی۔ مفسرین نے کچھ دوسرے واقعات بھی نقل فرمائے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر طبری ۱۰/۱۰۷ وما بعدہا مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ)

چونکہ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ صحتیابی کے بعد بیوی کو سو قمچیاں ماریں گے، اس لئے اسے پورا کرنا تھا، دوسری طرف بیوی نے جس ایثار، قربانی حسن سلوک اور محبت و مودت کا معاملہ برتا تھا اس کا تقاضہ یہ نہیں تھا کہ بدلے میں اسے سو قمچیاں ماری جائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے اس مشکل سے نکلنے کی یہ تدبیر فرمائی کہ سو قمچیوں کا مٹھا بنایا جائے اور اس سے ایک بار بیوی کو حضرت ایوب علیہ السلام ماریں، قسم پوری ہو جائے گی اور وہ حانث (قسم توڑنے والے) بھی نہ ہوں گے[1]

---

[1] فلما شفاه الله عز وجل وعافاه ما كان جزاؤها مع هذه الخدمة التامة والرحمة والشفقة والاحسان ان تقابل بالضرب فافتاه الله عز وجل ان ياخذ ضغثا ... فيضربها به ضربة واحدة وقد برت يمينه وخرج من حنثه ووفى بنذره (تفسير ابن کثیر ۴/۴۱)

اس سے واضح طور پر حیلہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وھذا من الفرج والمخرج لمن اتقی اللہ تعالیٰ واناب الیہ	یہ کشادگی ہے اور اس شخص کے لئے تنگی سے نکلنے کا راستہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور اس کی طرف رجوع ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ۴/۴۱)

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ "معارف و مسائل" کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضہ یہ ہے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ کو سو قمچیاں ماریں، لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اس لئے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔"

سورۂ نساء میں ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۤءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا (النساء: ۹۸)	سوائے مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے ان کمزور لوگوں کے جو کہ حیلہ اختیار نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی سبیل پاتے تھے۔

ہجرت کے معاملہ میں تدبیر اور حیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ ایک امر مطلوب تھا، (اور جب بھی دین و ایمان کے تحفظ کا سوال پیدا ہوگا اور ہجرت کے امکانات ہوں گے اس وقت ہجرت واجب ہوگی) جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی وہ مطعون قرار پائے، البتہ ان لوگوں کا استثناء کیا گیا جو کہ کمزور تھے اور کوئی تدبیر اختیار نہیں کر سکتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات حیلہ واجب ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن السعدی فرماتے ہیں۔

ولكن لا يعذى الانسان الا اذا بذل
جهده وانسدت عليه ابواب
الحيل لقوله (لا يستطيعون حيلة)
(تيسير الكريم الرحمٰن فى تفسير كلام المنان ۲/۱۳۹)

لیکن انسان کو اس وقت تک معذور قرار نہیں دیا جا سکتا، جب تک کہ وہ کوشش نہ کرے اور اس پر حیلہ کے دروازے بند نہ ہو جائیں اور یہ اللہ کے قول لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً کی وجہ سے ہے۔

سورۂ یوسف میں یہ تفصیلی واقعہ مذکور ہے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ
جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ
ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ
إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا
عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ
صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ
حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝
قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا
جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا
كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا
جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ
فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الظَّالِمِينَ ۝ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ
قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ
اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ
أَخِيهِ كَذَٰلِكَ كِدْنَا
لِيُوسُفَ (يوسف ۷۰-۷۶)

پھر جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو تم ضرور چور ہو، وہ انکی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے، انہوں نے کہا کہ ہم کو بادشاہی پیمانہ نہیں ملتا، اور جو شخص اس کو لا کر دے گا اس کو ایک اونٹ کے برابر غلہ ملے گا، اور میں اس کا ذمہ دار ہوں، یہ لوگ کہنے لگے کہ بخدا ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے، اور ہم چور نہیں، لوگوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جس شخص کے اسباب میں ملے وہی اپنی سزا ہے، ہم لوگ ظالموں کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان لوگوں کے تھیلے کی تلاشی کی ابتدا کی، پھر اسے اپنے بھائی

کے تھیلے سے برآمد کیا، ہم نے یوسف کے
لئے ایسے ہی تدبیر کی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ایک تدبیر فرمائی، مفسرین نے اسے "محبوب تدبیر" کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وهذا من الكيد المحبوب المراد الذى وجبه الله يرضاه لما فيه من الحكمة والمصلحة المطلوبة	یہ پسندیدہ تدبیروں میں سے ہے یعنی جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اس سے خوش ہے کیونکہ اس میں حکمت اور مطلوبہ مصلحت پائی جاتی ہے۔

(ابن کثیر ۲/۴۶۷)

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف و مسائل کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"اس آیت میں واضح طور پر اس حیلہ و تدبیر کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ سب کام جب کہ بامر خداوندی ہوئے تو ان کو ناجائز کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔"

اس کے علاوہ بھی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کید و حیلہ کی نسبت اپنی جانب کی ہے۔

سورۂ طارق میں ہے۔

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَّأَكِيدُ كَيْدًا	وہ لوگ ایک تدبیر کرتے ہیں اور میں بھی ایک تدبیر کرتا ہوں۔

سورۂ نمل میں ہے۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (۵)	اور انہوں نے ایک مکر کیا اور ہم نے ایک مکر کیا اور وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو کہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

احادیث نبویہ سے استدلال

صحیحین کی روایت ہے۔

وعن ابی سعید وابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاء بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا۔۔۔۔

(بخاری مع الفتح ۴/۴۶۷)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو خیبر کا عامل مقرر کیا وہ عمدہ کھجوریں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہوتی ہیں کہا اللہ کی قسم ہرگز نہیں اے اللہ کے رسول ! ہم نے دو صاع کے بدلہ ایک صاع اور تین صاع کے بدلہ دو صاع لی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ تمام کھجوریں درہموں سے بیچ دیا کرو اور پھر عمدہ کھجوریں درہم سے خرید لیا کرو۔

تقریباً یہی روایت شیخین نے حضرت بلال کے واسطے سے بھی نقل کی ہے جس میں کھجور لانے والے خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۳ ام دار الکتاب بیروت)

اگر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا ہو تو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ جھوٹ کا سہارا لینا پڑے تب بھی دونوں کے بیچ اصلاح احوال اور میل ملاپ کرادی جائے۔

ابو داؤد کی روایت ہے۔

لم یکذب عن نمی بین اثنین لیصلح

(ابو داؤد ۴/۲۸۰)

دو آدمیوں کے درمیان اصلاح (میل ملاپ) کی خاطر جس نے چغل خوری کی اس نے جھوٹ نہیں بولا۔

اصلاح احوال کے لئے جب جھوٹ تک بولا جا سکتا ہے تو اس طرح کے دیگر مصالح کے لئے حیلہ کے دروازہ کو بند کیسے کیا جا سکتا ہے۔؟

تعریض میں بھی آدمی بات کو گول مول بیان کر کے مشکلات سے نکلتا ہے، یا ناپسندیدہ جواب دینے سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے تعریض کا جائز

ہونا معلوم ہوتا ہے۔

عن مطرف بن عبد اللہ قال صحبت عمران بن حصین من الکوفة الی البصرة فما اتی علیہ یوم الا انشدنا فیہ شعرا وقال ان فی معاریض الکلام وحة علی الکذب	مطروف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمران بن حصین کی کوفہ سے بصرۃ تک مصاحبت اختیار کی، کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ شعر نہیں کہتے۔ اور فرمایا! تعریضوں کے ذریعہ جھوٹ سے بچ نکلنے کی گنجائش ہوتی ہے

اس روایت کو طبری نے "التہذیب میں اور طبرانی نے "الکبیر" میں نقل کیا ہے اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے دوسری سند سے قتادہ کے واسطے سے اسے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اور بیہقی نے بھی اس کی روایت کی ہے، ابن عدی نے حضرت علی کے واسطے سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ جس کی سند کمزور ہے، امام بخاری نے ہی حضرت عمر سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

اما فی المعاریض ما یکفی المسلم من الکذب۔ (فتح الباری ۱۰/۶۱۰)	کیا معاریض میں ایسی چیز نہیں جو کہ ایک مسلمان کو جھوٹ سے بے نیاز کردے۔؟

بڑے بڑے فقہاء، علماء سے تعریض ثابت ہے، جو کہ حیلہ کے ہی مترادف ہے اس لئے اس کے جواز پر کلام ہی نہیں ہونا چاہئے۔

دونوں دلائل پر ایک سرسری نظر

حیلہ کے جواز اور عدم جواز پر تفصیلی دلائل گزر چکے ہیں، جو کہ بظاہر متضاد بھی ہیں، ایک آیت اسے جائز کہتی ہے تو دوسری حرام، ایک روایت میں صراحت سے اس کی حرمت معلوم ہوتی ہے تو دوسری سے اس کے لئے گنجائش نکلتی ہے۔ اس لئے دونوں ہی دلائل کی تنقیح ضروری ہے۔

متعارض نصوص میں علماء احناف کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ وہ پہلے نصوص میں جمع و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں پھر اس کے بعد نسخ کے راستہ پر چلتے ہیں، پھر ترجیح کو اختیار کرتے ہیں یہی محدثین کا طریقہ بھی ہے اور اہل علم میں اس نے قبولیت حاصل کی ہے[1]

---

[1] حاشیہ صفحہ ۳۷ پر

ایک اصولی بات

اس میں شک نہیں کہ دونوں ہی دلائل اپنی جگہ قوی ہیں، آیت بہرحال آیت ہے اور روایت بھی صحیح سندوں سے ثابت ہے اصحاب السبت کے بارے میں جو قصہ بیان کیا گیا اس کا اطلاق بلا شبہہ آج کی اقوام پر بھی ہوگا لیکن کیا آیت میں ہر طرح کا حیلہ مراد ہے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" اس آیت میں یہودیوں کے جس اعتدا یعنی حدود سے تجاوز کا ذکر کرکے اس کو سبب عذاب بتلایا گیا ہے روایات سے ثابت ہے کہ وہ صاف طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ تھی بلکہ ایسے حیلے تھے جن سے حکم شرعی کا ابطال لازم آتا تھا۔ مثلاً ہفتہ کے دن مچھلی کی دم میں ایک ڈور کا پھندہ لگا کر دریا میں چھوڑ دیا اور یہ ڈور زمین پر کسی چیز سے باندھ دی۔ پھر اتوار کے روز اس کو پکڑ کر کھا لیا تو یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس میں حکم شرعی کا ابطال بلکہ ایک قسم کا استہزا ہے۔ اس لئے ایسا حیلہ کرنے والوں کو بڑا سرکش، نافرمان قرار دے کر ان پر عذاب آیا" ——— مگر اس سے ان فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن میں سے بعض خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں۔ ---- تو یہاں حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے، ابطال نہ مقصود ہے نہ واقع ہے اسی طرح بعض دوسرے مسائل میں بھی فقہاء نے حرام سے بچنے کی بعض ایسی ہی تدبیریں بتلائی ہیں ان کو یہودیوں کے حیلہ کی طرح کہنا اور سمجھنا غلط ہے"۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

" لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ انھیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ

---

[۱] حاشیہ ص ۳۶ کا) اس موضوع پر میرے مخدوم استاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا مقالہ "متعارض نصوص میں ترجیح کے اصول" ملاحظہ فرمائیں: بحث و نظر شیپہ زیر ادارت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی حفظہ اللہ شمارہ ۱۸

کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعلِ حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔"

(معارف القرآن ۷/۵۲۳)

حاصل یہ کہ اصل اعتبار مقاصد کا ہے، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حیلہ کا مقصد کیا ہے۔ اصحاب سبت کا واقعہ ہو، یا ان یہودیوں کا جنہوں نے اللہ کے منع کرنے کے باوجود چربی کو پگھلا کر فروخت کیا تھا اور اس کی قیمت وصول کر لی تھی۔ یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تہدید ہے جسے حیلہ کے سلسلہ میں امام احمد نے نقل فرمایا ہے یا حلالہ کی روایت، ان تمام کا منشا یہ کہ حیلہ کے ذریعہ اللہ کی شریعت میں دراندازی نہ کی جائے، اس کا مقصد ابطال حق یا حرام کو حلال کرنا نہ ہو، اگر ایسا کیا گیا تو وہ سزا و عتاب کے مستحق ہوں گے۔

جن لوگوں نے تعریض کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے بھی اس کے مقصد پر نظر رکھی ہے حافظ ابن حجر ابن بطال کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

ومحل الجواز فیما یخلص من الظلم او یحصل الحق، واما استعمالها فی عکس ذالك من ابطال الحق ویحصل الباطل فلا یجوز	جواز کا محل وہ صورت ہے جس میں ظلم سے نجات چاہے یا حق کو حاصل کرے لیکن اس کے برعکس ابطال حق یا حصول باطل کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے۔
(فتح الباری ۱۰/۶۱۰)	

"سد ذرائع کا تقاضہ"

دلائل حرمت میں "سد ذرائع کا تقاضہ" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا گیا تھا، اور اس کے ذریعہ حرمت ثابت کی گئی تھی، لیکن یہاں بھی احوال وظروف اور مقاصد پر نظر رکھنی ہوگی، "سد ذرائع کے اصول کو ہر جگہ اور ہر حال میں نافذ کریں گے تو پھر سخت حرج اور تنگی لازم آئے گی۔

مثلاً ضرورت و حاجت کے تحت ممنوع چیزوں کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے "الضرورات تبیح المحظورات، المشقة تجلب التيسير وغیرہ۔ لیکن ممکنہ خطرہ یہاں بھی موجود ہے کہ حاجت وضرورت کا نام لے کر ہوسکتا ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی کوشش کی جائے تو کیا یہاں سد ذرائع کا انطباق ہوسکتا ہے؟ کہ چونکہ اس کے

ذریعہ غلط دروازے کھلتے ہیں اس لئے سد الذریعہ حاجت اور ضرورت سے ثابت ہونے والے احکام کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔

مثلاً ہتھیار کی خرید و فروخت پر ممانعت سد اللذریعۃ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ بنائے فساد نہ ہو اگر اس جگہ، اس ماحول میں اس فرد کے لئے یہ موجب فساد ہو تو اس اصول کا اطلاق نہ ہوگا ایسے ہی حیلہ کے باب میں سمجھنا چاہئے کہ اس کا مقصد اصلی کیا ہے؟ کیا وہ حرج و تنگی سے نکلنا چاہتا ہے یا پھر ابطال حق یا شریعت مطہرہ کے ساتھ ٹھٹھا و مذاق کرنے کے لئے کر رہا ہے۔؟

جہت حرمت کب راجح قرار پاتی ہے؟

بلاشبہ قاعدہ یہی ہے کہ جب حرام و حلال یکجا جمع ہو جائیں تو جانب حرمت راجح قرار پائے گی، یہ غیر مشروط اور مطلق تشریح علماء احناف کے ہاں ہے۔ جب کہ فقہاء شوافع کے یہاں یہ تشریح ہے کہ اگر حلال کا درجہ وجوب کا ہو تو حرمت کے بجائے حلت اور جواز کی جہت کو ترجیح دی جائیگی۔

اس باب میں فقہاء شوافع کا مسلک زیادہ مضبوط نظر آتا ہے، حدیث رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث مذکور ہے۔

عن اسامة بن زيد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بمجلس فيه اخلاط من المسلمين والمشركين عبدة الاوثان واليهود فسلم عليهم

(بخاری، مسلم، ترمذی ۵/۶۱)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان بت پرست مشرک اور یہودی ملے ہوئے تھے، آپ نے ان کو سلام کیا۔

بخاری نے اس واقعہ کو مفصل بیان کیا ہے اور مجلس میں عبداللہ بن ابی بن سلول کی موجودگی اور آپ سے گستاخ کلامی کا بھی ذکر کیا ہے [1]

---

[1] دیکھیں بخاری / باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین۔

اس سے یہ امر بھی مستفاد ہے کہ حرام وحلال میں اگر حلال کو برتنے میں مصلحت ہو اور ضرورت زیادہ ہو تو پھر حلال کو اختیار کیا جائے گا۔ جیسے کہ کوئی شخص اضطراب کی حالت میں ہو تو اس کے لئے غیر کے مال کو زبردستی لے لینا جائز ہے کیونکہ جان کی حرمت مال کی حرمت سے زیادہ ہے۔

زیر نظر مسئلہ میں بھی ہمیں غور کرنا ہو گا کہ حیلہ کا موقع ومحل کیا ہے؟ اور کس مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے! مثلاً ہجرت اگر کے بغیر ممکن نہ ہو تو حیلہ اختیار کرنا ضروری ہو گا۔ اصلاح اور میل ملاپ کے لئے جھوٹ کو جائز قرار دیا گیا کیونکہ جھوٹ کا مفسدہ تعلقات کے بگاڑ سے کم ہے۔ ایسے ہی جنگ میں جھوٹ اور دھوکہ کو جائز قرار دیا گیا کہ اس میں منفعت مفسدہ سے زیادہ ہے۔

تعریض کے بارے میں تفصیل

تعریض کے سلسلہ میں اوپر جو روایت گزری اس سے بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہر حالت میں تعریض درست ہے، جیسا کہ فتح الباری کے حوالہ سے مذکور ہوا ______ بلکہ احوال وظروف کے بدلنے سے اس کے احکام میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والضابط ان کل ما وجب بیانہ فالتعریض فیہ حرام، لانہ کتمان وتدلیس، و یدخل فی ھذا الاقرار بالحق و التعریض فی الحلف علیہ ۔۔۔ والفتیا والحدیث والقضاء وکل ما حرم بیانہ فالتعریض فیہ جائز بل واجب اذا امکن ووجب الخطاب کالتعریض لسائل عن مال معصوم اونفسہ یرید ان یعتدی علیہ

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کا بیان واجب ہو اس میں تعریض حرام ہے اس لئے کہ یہ کتمان وتدلیس ہے اس میں حق کے اقرار اور اس پر قسم کھانے میں تعریض بھی داخل ہے، نیز فتوی بیان حدیث اور قضا بھی۔۔۔ اور ہر وہ شے جس کا بیان حرام ہو اس میں تعریض جائز ہے بلکہ واجب ہے، جب کہ ممکن ہو اور خطاب واجب ہو۔ جیسے کہ اس وقت تعریض کی جائے جب کہ کوئی مال معصوم کے بارے میں سوال کرے یا خود اسی کے بارے میں دریافت کرے اور اس کا ارادہ اس پر ظلم

(اعلام الموقعین ۳/۲۴۷) کرنے کا ہو"

بالکل یہی بات تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ حیلہ کے بارے میں بھی کہنی چاہئے جیسا کہ اگلے صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

ایک ضابطہ کی پابندی ضروری

محض اس بنیاد پر حیلہ کو مطلق حرام نہیں قرار دیا جا سکتا کہ بعض دلائل حرمت کو ثابت کرتے ہیں، امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر "کتاب الحیل" کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، اور اس کو غیر مقید بیان کرنے کی حافظ ابن حجر نے یہ وجہ بیان کی ہے۔

وانما اطلق اولا للاشارۃ الی ان من الحیل مایشرع فلا یترک مطلقاً (فتح الباری ۱۲/ ۳۴۳)

پہلے مطلق اس اشارہ کے لئے بیان کیا کہ بعض حیلے مشروع بھی ہیں اس لئے انھیں چھوڑا نہیں جا سکتا۔

اس سے پہلے انہوں نے بیان کیا کہ۔

وضابطھا ان کانت للفرار من الحرام والتباعد من الاثم فحسن وان کانت لابطال حق مسلم فلا بل ھی اثم وعدوان (ایضاً)

اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ حرام سے فرار اور گناہ سے دور ہونے کے لئے ہو تو بہتر ہے اگر کسی مسلم کے حق کو باطل کرنے کے لئے ہو تو بہتر نہیں، بلکہ یہ گناہ اور سرکشی ہوگی۔

اور نہ ہی قائلین جواز کے قول کو مطلقاً تسلیم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کے اندر جو حرمت کا پہلو ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر حیلہ علی الاعلان جائز نہیں ہوتا تو پھر فقہاء کرام اس کا ذکر ہی کیوں کرتے اور اس سے متعلق مسائل کو اس قدر عرق ریزی سے کیوں بیان کرتے اس کے لئے ابواب اور فصول کیوں قائم کرتے ہیں لیکن یہ اعتراض برائے اعتراض ہے، کیونکہ جن فقہاء نے مختلف ابواب فقہ میں حیلہ سے متعلق مسائل کا ذکر کیا ہے انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کو یہ حیلہ اختیار کرنا ہی ہے، وہاں انہوں نے اس کی کراہت یا عدم کراہت سے بحث نہیں کی بلکہ نفس مسئلہ بیان کیا ہے

حیلہ کے جواز کی نسبت سب سے زیادہ علماء احناف کی جانب کی جاتی ہے لیکن علی

طور پر فقہ حنفی میں حیلہ کا کوئی خاص مقام نہیں ہے اور جہاں اسے ناجائز کہنا چاہئے فقہاء احناف نے واضح الفاظ میں اس کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ البتہ جہاں ضرورت و حاجت حیلہ کو برتنے کا تقاضہ کرتی ہے وہاں اس سے فرار بھی اختیار نہیں کیا ہے، انہوں نے مقاصد پر نظر رکھی ہے، امام نسفی حنفی نے اپنی کتاب "الکافی" میں امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے الفاظ پر غور کیجئے کہ کتنے اچھے انداز میں امام موصوف نے حرام حیلہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

عن محمد بن الحسن قال، لیس من اخلاق المؤمنین الفرار من احکام اللہ بالحیل الموصلۃ الی ابطال الحق (حوالہ مذکور ۲۴۴)

امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ مومن کا اخلاق نہیں کہ وہ ایسے حیلوں سے اللہ کے احکام سے فرار اختیار کرے جو بطلانِ حق تک پہنچا دیتا ہے۔

محدثین کے سرخیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی خیال کے حامل نظر آتے ہیں، چنانچہ انہوں نے کتاب الحیل کے تحت پہلا باب یہ قائم کیا ہے۔

باب فی ترک الحیل وان لکل امرئ ما نوی فی الایمان وغیرھا

اور اس کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مشہور حدیث بیان کی۔

انما الاعمال بالنیۃ الخ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حیلہ کی کئی قسمیں بیان کی ہیں، انہیں ہم اس باب میں ایک ضابطہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ فان توصل بھا بطریق مباح الی ابطال حق او اثبات باطل فھی حرام

اگر اس کے ذریعہ مباح طریقہ سے حق کو باطل کرنے یا باطل کو ثابت کرنے تک پہنچا جائے تو یہ حرام ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس صورت کو علماء کے درمیان نزاعی بتلایا ہے کہ بعض کے نزدیک ایسا کرنا مطلق درست ہے اور وہ حکم ظاہراً و باطناً نافذ ہو جائے گا، یا درست ہے یعنی نافذ تو ہوگا ہی لیکن گناہ بھی ہوگا۔

اگر اس صورت کو علی الاطلاق نا درست تسلیم کر لیا جاتا ہے تو بہ ظاہر دونوں قسم کے دلائل میں جو تعارض و تضاد نظر آتا ہے وہ ختم ہو جائے گا اور وہ اس طرح کہ دلائل حرمت کا تعلق حیلہ کی اس پہلی صورت سے ہے، جیسا کہ جواز کا تعلق نیچے دی گئی باقی صورتوں سے ہے۔

۲۔ أولی اثبات حق أو دفع باطل فھی واجبۃ او مستحبۃ	یا اس کے ذریعہ مباح طریقہ سے حق کو ثابت کیا جائے یا باطل کا دفاع کیا جائے تو یہ واجب یا مستحب ہے۔
۳۔ وان توصل بھا بطریق مباح الی سلامۃ من وقوع فی مکروہ فھی مستحبۃ او مباحۃ	اور اگر اس کے ذریعہ مباح طریقہ سے مکروہ میں پڑنے سے بچنا مقصود ہو تو یہ مستحب یا مباح ہے۔
۴۔ أو الی ترك مندوب فھی مکروھۃ	یا کسی مستحب کو چھوڑنا ہو تو یہ مکروہ ہے۔

(فتح الباری ۱۲/۳۴۲)

بقیہ خطۂ بلقان کی تاریخ

طے کرنے کے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں۔ البانوی نژاد مسلمانوں نے اس تجویز کو جسے امریکہ کی حمایت بھی حاصل ہے، قبول کر لیا ہے لیکن سرب اس پر بھی تیار نہیں۔

بقیہ وفیات

سے سب کا جواب دیتے یا وعدہ کرتے اور پورا کرتے، اکثر میں ان سے کہا کرتا تھا کہ آپ تو راستہ میں تعزیہ ہو جاتے ہیں جو جگہ جگہ رکتا ہوا لے جایا جاتا ہے مسکرا کر رہ جاتے ندوہ سے فراغت کے بعد ادارہ تعلیمات اسلام جو مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا سے کئی برس وابستہ رہے۔ آخری عمر میں معذور ہو گئے تھے اور پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد سجادؒ ایک عہد ساز شخصیت

فکر سجاد ملی مسائل کا حل

رپورٹ:۔ رضوان احمد ندوی

پھلواری شریف ۔ حضرت مولانا محمد سجاد علیہ الرحمہ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کی خدمات و کارناموں پر اس لئے سیمنار رکھا گیا تھا کہ تاکہ فکر سجاد کی روشنی میں مستقبل میں قوم و ملت کی فلاح و بہبود اور ان کی کشتی کو حوادث زمانہ سے نکال کر ساحل مقصود تک پہنچانے کے لئے ٹھوس قدم اور لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔

امارت شرعیہ کے بانی مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ ایک عبقری شخصیت کے مالک اور ایک نئے عہد کے بانی تھے۔ ان کی قومی، ملی اور سماجی خدمات آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں آج امارت شرعیہ اپنے بزرگوں کے اخلاص اور تقویٰ کی وجہ سے روحانی اور مادی اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ عہدہ، منصب سے بے نیاز ہو کر صرف قوم و ملت کی فلاح اور تعمیر و ترقی کے لئے کام کیا۔ ان کا اسوہ ہمارے لئے باعث تقلید ہے۔

ان خیالات کا اظہار امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے قاضی القضاۃ اور سجاد سیمنار کے کنوینر مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے سجاد سیمنار کے اختتامی اجلاس میں علماء اور دانشوروں سے خطاب کرتے ہوئے کیا، حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا کہ ملک کے مشاہیر

علماء نے مولانا سجاد کے علمی کمالات، زہد و تقویٰ اور ان کی دینی و ایمانی بصیرت اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر قیمتی مقالات پیش کئے۔ قدرت کی طرف سے مولانا کو جو ایمانی بصیرت اور صلاحیت عطا کی گئی تھی اسے انہوں نے ملک و ملت کی تعمیر میں صرف کیا۔ سجاد سیمنار کا پیغام یہ ہے کہ مولانا سجاد کے اصول و نظریات کے مطابق اپنے اجتماعیت کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کریں اجتماعیت اور ایمانی قوت ہی سے ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں پیچھے ہوتے جا رہے ہیں قوم کو جہالت و غربت کے دلدل سے نکالنے کے لئے ٹھوس اقدام اور حکمت عملی طے کریں۔

۲۰ / اپریل ۱۹۹۹ء بروز منگل دن کے ۹ بجے المعہد العالی کی سہ منزلہ پرشکوہ اور نہایت ہی دلکش سیمنار ہال میں جناب قاری انور حسین صاحب کی تلاوت کلام پاک سے کل ہند دو روزہ مولانا محمد سجاد سیمنار کا آغاز ہوا امارت شرعیہ کے ناظم جناب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ عظیم آباد کی سرزمین قدیم زمانہ سے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز رہی ہے یہاں آپ کی آمد ہمارے لئے باعث افتخار ہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم دین اور کرناٹک کے امیر شریعت مفتی اشرف علی صاحب نے اپنے تاثراتی کلمات میں فرمایا کہ "اپنے بزرگوں اور اسلاف کے تذکروں اور ان کی خدمات کو یاد رکھنے کے لئے اس طرح کا سیمنار مفید اور مستحسن قدم ہے جس پر امارت شرعیہ اور اس کے ذمہ داران کو مبارکباد دیتا ہوں اس طرح کے سیمنار شخصیت پسندی اور حق پرستی کا مظہر ہیں۔

سیمنار کے مہمان خصوصی اور ملک کے مشہور صاحب قلم اور فکر سید سلیمان ندوی کے امین مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ناظم وبانی جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ نے فرمایا کہ جب ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا زوال شروع ہوا تو اس زمانے میں انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے سید احمد شہید علیہ الرحمہ نے تحریک جہاد شروع

کیا اس تحریک سے جن اکابر علماء اور قائدین ملت نے گہرا اثر قبول کیا ان میں صوبہ بہار کے نامور عالم دین مولانا محمد سجاد سر فہرست ہیں انہوں نے ملت اسلامیہ کے وقار کی بحالی اور ان کی شیرازہ بندی کے لئے پورے ملک میں امارت شرعیہ کے قیام کی تحریک چلائی۔ حقیقت میں مولانا محمد سجاد نے تحریک سید احمد شہید کو عملاً زندہ کیا اس لئے میں ان کو اپنے عہد کی تاریخ ساز شخصیت کا مالک اور ہر طرح کے کمالات اور صفات حسنہ کا جامع تصور کرتا ہوں۔

خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مولانا محمد سجاد کے بارے میں کچھ کہنا میرے لئے امتحان بھی ہے اور باعث شرف بھی انہوں نے کہا کہ ملت کے اجتماعی مسائل اور مشکلات کو حل کرنے اور ملت کو باوزن بنانے کے لئے عملی سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے یعنی ایک طرف دین و اسلام سے گہری وابستگی ہو وہیں دوسری طرف سیاست بھی ہمارے قبضہ میں ہو۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا محمد سجاد کی سات اہم نئی مطبوعات کا رسم اجراء حضرت امیر شریعت مدظلہ کے ہاتھوں ہوا۔ جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) حکومت الٰہی (۲) قضایا سجاد (۳) خطبہ صدارت مراد آباد (۴) قانونی مسودے (۵) مکتوبات سجاد (۶) مقالات سجاد (۷) امارت شرعیہ شبہات اور ازالہ۔ اس کے علاوہ اس موقع پر حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی کی مشہور کتاب "ہندوستان اور مسئلہ امارت" حضرت مولانا محمد علی مونگیری کا خطبہ صدارت "مسلمان ایک امت ایک جماعت" کے جدید ایڈیشن کا اجراء حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب اور ہفت روزہ نقیب کی خصوصی اشاعت "مولانا سجاد نمبر" کا اجراء حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کے ہاتھوں ہوا۔

مقالات کی پہلی نشست میں ہند و بیرون ہند کے جن نامور محققین اکابر علماء مشاہیر اہل قلم اور دانشوران نے مقالات پیش کئے ان کے نام یہ ہیں۔

مولانا محمد رضوان قاسمی حیدر آباد، محترم جناب ظفر نظامی صاحب صدر شعبہ سیاسیات

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مولانا بدرالحسن صاحب قاسمی کویت، مفتی برہان الدین صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ، جناب پروفیسر عبدالباری صاحب سلطان پور، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حیدرآباد، دوسری نشست بعد نماز عصر شروع ہوئی جس میں مولانا نثار الہدیٰ قاسمی ویشالی، جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب خدابخش لائبریری پٹنہ، مولانا اسرار الحق قاسمی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل دہلی، مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی مولانا معین الدین صاحب مہتمم مدرسہ قاسمیہ گیا وغیرہ نے مقالات پیش کئے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اپنی شدید علالت کی وجہ سے سمینار میں شریک نہیں ہو سکے، البتہ انہوں نے سمینار کے لئے اپنا قیمتی، وقیع اور علمی وتحقیقاتی مقالہ ارسال فرمادیا تھا جسے مولانا محمد رضوان القاسمی نے پڑھ کر سنایا۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ساتھ کام کرنے والوں میں ایک شخصیت جناب محمد عثمانی صاحب (مکۃ المکرمہ) کی بھی ہے ان کا مقالہ ان کے صاحبزادے محترم جناب ڈاکٹر محمد محسن عثمانی پروفیسر جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی نے پڑھ کر سنایا۔ دوسری نشست مغرب تک چلی۔ اس کے بعد سمینار کی تیسری نشست ۲۱ اپریل بروز بدھ ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی اس اجلاس کی صدارت قاضی شریعت مولانا محمد قاسم مظفرپوری نے کی، نظامت کے فرائض جناب مفتی نسیم احمد صاحب قاسمی نے انجام دیئے، مقالات کی خواندگی کا سلسلہ شروع ہوا، جناب مولانا عبدالجلیل صاحب قاسمی نائب قاضی شریعت امارت شرعیہ، مولانا اختر عادل سمستی پور، خواجہ افضل امام پٹنہ، پروفیسر عبدالباری صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قاری طیب اخلاقی، مولانا عبدالقادر شمس دہلی، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی مفتی امارت شرعیہ، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب، قاری غضنفر صاحب مدرسہ اسلامیہ گیا مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے علاوہ ہندوستان کے مشہور مؤرخ، سوانح نگار جناب نثار احمد فاروقی صاحب ریٹائرڈ پروفیسر دہلی یونیورسٹی نے اپنے مقالہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"آج قومی کام کرنے کے لئے مولانا محمد سجاد جیسی شخصیات کی ہی ضرورت ہے جنکی فکر رسا تھی، عزم راسخ تھا، حوصلہ بلند تھا، جو عہد جاہلی کے شاعر تابط شرا کے لفظوں میں شکوہ وشکایت کم کرتے تھے، ایک راہ بند ہوتی تھی تو اپنے لئے دوسرا راستہ بنا لیتے تھے"

صدر اجلاس مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری نے اپنا مقالہ "فکر سجاد" نے شریعت اسلامیہ کا ایک عظیم باب زندہ کیا" عنوان سے پیش کیا۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ 'موجودہ عہد میں نظام امارت وقضا ہی ہمارے مسائل ومشکلات کا واحد حل ہے۔ مولانا سجاد کی ہمہ گیر شخصیت پر ملک کے تقریباً ۴۵ اہل قلم کے نگارشات موصول ہوئے قلت وقت کی وجہ سے کچھ اہم مقالات نہیں پڑھے جاسکے البتہ ان تمام مقالات کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ اس اجلاس میں جناب نثار احمد فاروقی صاحب کی دو تجویزیں منظور کی گئیں پہلی تجویز یہ تھی کہ حضرت مولانا سجاد یادگاری خطبہ کے عنوان سے سال میں ایک بار کسی اہم شخصیت کو خطبہ دینے کے لئے مدعو کیا جائے اوراس کی اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ پروفیسر عبدالباری صاحب سلطان پوری نے اپنی تجویز میں کہا کہ مولانا محمد سجاد کی خدمات اور کارنامے کے لئے ایک تحقیقی مرکز قائم کیا جائے، جس میں دو باصلاحیت عالم دین کو اس کام کے لئے مقرر کیا جائے اور عام نگرانی کے لئے کسی مستند محقق کی خدمات حاصل کی جائیں، یہ تینوں تجاویز اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔ مولانا سجاد سیمینار نہایت ہی پرسکون ماحول میں شروع ہوا ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندے، مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران، اکابر علماء ومشاہیر اہل قلم شریک ہوئے۔ مولانا سجاد کی زندگی کے مختلف گوشوں پر مقالات پیش کئے گئے شرکاء سیمینار نے اس موقع پر اپنے تاثرات اور تہنیتی پیغامات میں اس سیمینار کو افکار سجاد کی اشاعت کے لئے ایک مستحسن اقدام قرار دیا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے دوررس اثرات ظاہر ہوں گے، یہ سیمینار تاریخی حیثیت کا حامل تھا۔

اس دوروزہ سیمینار میں جن علماء کرام اور دانشوروں نے اپنے تحقیقی مقالات

پڑھے یا پیش کئے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ   حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی

حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب   حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ   پروفیسر عبدالمغنی صاحب

مولانا قاسم مظفرپوری   ۔ مولانا اسرارالحق ۔ قاسمی

۔ عبدالجلیل صاحب قاسمی   جناب انوارالحسن وسطوی صاحب

مولانا سید محمد رابع ندوی   مولانا شاہ محمد عثمانی   مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مولانا بدرالحسن قاسمی کویت   مولانا محمد اسلام قاسمی   مولانا محمد اویس عالم

مولانا نثار الہدیٰ قاسمی   مفتی نسیم احمد قاسمی   مفتی جنید عالم قاسمی ندوی

مولانا ابوالکلام شمسی   خواجہ افضل امام صاحب   مولانا نورالحق رحمانی

پروفیسر نثار احمد فاروقی   ڈاکٹر عبدالباری علی گڑھ   پروفیسر عبدالباری شبنم سبحانی

مولانا رضوان القاسمی حیدرآباد   مولانا عبدالقادر شمس قاسمی   مولانا اختر امام عادل

مفتی عبداللہ خالد   آفتاب احمد صاحب   جناب واحد نظیر صاحب

خدابخش لائبریری، مولانا رضوان احمد صاحب ندوی   جناب رضوان احمد اردو اکیڈمی بہار

جناب محمد ہمایوں اختر پروفیسر ظفر احمد نظامی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مولانا وصی احمد شمسی، مولانا طیب اخلاقی مولانا قاری معین الدین مولانا مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی، مولانا غضنفر گیاوی جناب شاہنواز اور مولانا احمد علی قاسمی۔

کوسوو کے تناظر میں

خطۂ بلقان کی مختصر تاریخ

آج ہم بلقان کا نام سنتے ہیں مگر اب اس نام کا کوئی ملک ذیل کے نقشہ پر موجود نہیں ہے مگر ایک زمانہ میں ترکی کی عثمانیہ حکومت کا حصہ تھا اور بڑی اہمیت کا حامل تھا، جس پر عثمانیہ حکومت نے پانچ سو برس تک حکومت کی جہاں اکثریت مسلمانوں کی تھی مگر جب عثمانیہ حکومت کمزور ہوئی تو یورپی طاقتوں نے اس کے حصے بخرے کر دیئے جس کا اختتام ۱۹۱۲ء میں ہوا۔

علامہ شبلی نے اسی سے متاثر ہو کر اپنی مشہور نظم کہی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

یہ طوفان بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

بلقان سے متعلق ذیل کا مضمون سہ روزہ دعوت میں شائع ہوا ہے جسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے جس سے اس مظلوم خطہ کی پوری تاریخ سامنے آجائے گی۔

(مرتب)

لفظ "بلقان" ترکی زبان سے آیا ہے اور اس کے معنی "پہاڑ" ہیں انیسویں صدی کے اوائل میں اس علاقے کو بلقان کا نام دیا گیا۔ بلقان کئی بار متحد ہوا اور کئی بار ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ اسی خصوصیت کے حوالے سے بالقنائزیشن کی اصطلاح رائج ہوئی۔

ترک چودہویں صدی کے اواخر میں اس علاقے پر حملہ آور ہوئے اور تقریباً پانچ سو سال تک اس علاقے پر حکمرانی کرتے رہے سترہویں صدی میں آسٹرو ہنگرین سلطنت طاقتور ہوتی گئی جس کے باعث سلطنت عثمانیہ کمزور ہونا شروع ہو گئی ۱۸۷۸ء میں معاہدہ

برلن کے تحت سرحدوں کی از سرِ نو تشکیل کی گئی اور سربیا، مونٹینگرو اور رومانیہ آزاد اور خود مختار ممالک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرے۔ دوسری طرف سلوانیا اور کروشیا کے علاوہ بوسنیا ہرزیگوینا بھی آسٹرو ہنگرین سلطنت کے قبضے میں چلا گیا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں سلطنت عثمانیہ بالکل کمزور ہو چکی تھی اس لئے بچے کھچے علاقے بھی اس کے قبضے سے نکلنے لگے۔ لوگوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب ترک ان پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے، چنانچہ پورے علاقے میں قوم پرستی کی لہر دوڑ گئی ۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ بلقان اس وقت شروع ہوئی جب مونٹینگرو کی افواج ترکوں کے علاقے میں داخل ہو گئیں۔ چند روز بعد یونان، سربیا اور بلغاریہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ ان بلقان اتحادیوں نے کوسوو، مقدونیہ اور البانیہ سے ترکوں کا اقتدار ختم کر دیا اور ان ممالک نے خود مختاری کا اعلان کر دیا، بعد ازاں سربیا نے بلغاریہ، مقدونیہ اور کوسوو پر حملہ کر دیا اور تینوں ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ بلقان کی دوسری جنگ تھی۔ ۱۹۱۴ء میں آسٹرو ہنگرین شہنشاہ نے ولی عہد فرانز فرڈیننڈ کو بوسنیا ہرزیگوینا بھیجا تاکہ علاقے میں موجودہ شورش پر قابو پایا جاسکے۔ ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو سرائیوو میں ایک سرب قوم پرست نے ولی عہد اور اس کی اہلیہ کو قتل کر دیا۔ یہ قتل پہلی جنگ عظیم کی بنیاد بنا کیونکہ آسٹرو ہنگرین سلطنت نے ولی عہد کے قتل پر سربیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ روس نے سربیا کی بھرپور حمایت کی اور پھر چند ہفتوں کے دوران جرمنی، فرانس اور برطانیہ بھی جنگ میں کود پڑے اور تاریخ کی پہلی سب سے بڑی خونریز عالمی جنگ شروع ہو گئی۔

۱۹۲۰ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد دنیا کا نقشہ تبدیل ہو گیا آسٹرو ہنگرین سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطنت عثمانیہ بھی انجام پذیر ہوئی۔ کئی ممالک دنیا کے نقشے سے مٹ گئے اور کئی دوسرے وجود میں آ گئے۔ معاہدہ ورسائی کے تحت دیگر خطوں کی طرح بلقان میں بھی سرحدی تبدیلیاں لائی گئیں۔ سرب کروٹس اور سلوینین علاقوں پر مشتمل ایک نئی سلطنت وجود میں آئی ۱۹۲۹ء میں بادشاہ الیگزنڈر اول نے ملک کا نام تبدیل کر کے یوگوسلاویہ رکھ دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت پر سربوں ہی کا غلبہ

تھا جس کے باعث دیگر قوموں میں احساس محرومی پیدا ہوا اور سرب مخالف تحریک شروع ہو گئی، اس تحریک میں کروٹ پیش پیش تھے اس تحریک کے نتیجے میں ۱۹۲۴ء میں ایگزینڈر اول کی متشددانہ حالات میں موت واقع ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور جرمن فوج علاقے میں داخل ہوئی تو کروٹوں نے انہیں خوش آمدید کہا بعد ازاں ہٹلر نے کروٹوں کی کٹھ پتلی حکومت بھی قائم کر دی، اس حکومت میں بوسنیا کی ریاست بھی شامل تھی۔ جنگ اور خانہ جنگی کے اس زمانے میں فریقین نے قتل و غارت اور بربریت کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی نظیر مشکل سے ملتی ہے اس دور میں کوسوو پر البانیہ کا قبضہ تھا۔

۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد مارشل ٹیٹو نے سوشلسٹ یوگوسلاویہ کی مملکت قائم کی جس میں چھ ریاستیں کروشیا مونٹینگرو، سربیا، سلوانیا بوسنیا ہرزیگووینا اور مقدونیہ شامل تھیں۔ واضح رہے کہ سربیا کی ریاست دو صوبوں کوسوو اور ووڈووینا پر مشتمل تھی۔ مارشل ٹیٹو کے دور میں ملک میں سیاسی استحکام رہا تاہم وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث لوگوں میں بے چینی کا احساس پروان چڑھتا رہا جو ۱۹۸۰ء میں ٹیٹو کی موت کے بعد ابھر کر سامنے آیا۔ اس وقت عام خیال یہی تھا کہ یوگوسلاویہ ایک بار پھر شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گا لیکن فیڈریشن مزید دس سال تک قائم رہی۔

۱۹۹۰ء کے بعد قوم پرستی کی لہر اور سوویت یونین کی شکست و ریخت نے یوگوسلاویہ کی فیڈریشن کو عدم استحکام سے دوچار کر دیا۔ ۱۹۹۲ء میں سب سے پہلے سلوانیہ نے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ کروشیا نے بھی اس کی تقلید کی اور یوں بلقان ایک بار پھر خانہ جنگی کا شکار ہو گیا۔ ۱۹۹۲ء ہی میں بوسنیا ہرزیگووینا کا تنازعہ شروع ہوا۔ بوسنیا میں موجود سرب علیحدگی پر تیار نہیں تھے، انہیں سربیا کی حمایت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ انہوں نے مسلم آبادی کو اپنی بربریت کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

۱۹۹۳ء تک بوسنیا کی مسلم ریاست محض سرائیوو تک محدود رہ گئی۔ سربوں نے مسلمانوں کی جس طرح منظم انداز میں نسل کشی کی اس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران

یہودیوں پر جرمنوں کے مظالم کو بھی ماند کر دیا۔ ۱۹۹۵ء میں بوسنیا میں دو الگ خود مختار حکومتیں وجود میں لائی گئیں ایک بوسنین سرب ری پبلک اور دوسری مسلم کروٹ فڈریشن اور اس طرح مسلمانوں کی نسل کشی ختم ہو سکی۔

۱۹۹۶ء میں کوسووہ میں کوسوو لبریشن آرمی نے سربوں کی حکمرانی کے خلاف مسلح تحریک شروع کر دی اور اس طرح کوسوو کے بحران کا آغاز ہوا۔

کوسوو: چند حقائق

رقبہ اور آبادی

کوسوو سربیا کا جنوب مشرقی صوبہ ہے اور اس کا رقبہ ۴۲۰۰ مربع میل ہے جب کہ دارالحکومت کا نام پرسٹینیا ہے۔ کوسوو کی آبادی تقریباً ۲۰ لاکھ ہے جو ۹۰ فیصد البانوی نژاد مسلمانوں اور ۱۰ فیصد سربوں پر مشتمل ہے۔

تاریخ

سربوں کا خیال ہے کہ کوسوو ان کی تاریخ کی بنیاد ہے۔ مسیحی یادگاروں کے حوالے سے کوسوو سربوں کے نزدیک وہی حیثیت رکھتا ہے جو یروشلم یہودیوں کے لئے ہے۔ ۱۳۸۹ء میں سربوں کی عثمانی ترکوں کے مقابلے میں شکست کے بعد کوسوو ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ البانوی نژاد باشندوں کا دعویٰ ہے کہ وہ کوسوو کو آباد کرنے والی قدیم ترین نسل ایلرین سے تعلق رکھتے ہیں اور اس لئے کہ کوسوو ان کا وطن ہے۔

سیاست

کوسوو کمیونسٹ یوگوسلاویہ کے زمانہ میں سربیا کا ایک حصہ تھا تاہم ۱۹۷۴ء میں کوسوو کو تقریباً خود مختاری دے دی گئی لیکن ۱۹۸۹ء میں صدر میلاسووچ نے خود مختاری ختم کرتے ہوئے کوسوو میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ اس کے جواب میں زیر زمین متوازی ریاست قائم کرنے کی کوشش کی اور اس طرح کوسوو کی تحریک آزادی کا آغاز ہوا۔ البانوی نژاد مسلمانوں کی اکثریت مکمل آزادی کی خواہاں ہے جس پر سربیا تیار نہیں، دوسری طرف بڑی طاقتیں بھی کوسوو کی مکمل آزادی کے خلاف ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح بلقان میں بڑے پیمانے پر جنگ شروع ہو سکتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کوسوو کو نیم خود مختار ملک بنا دیا جائے جہاں البانوی نژاد مسلمانوں کو اپنے معاملات طے

بقیہ صفحہ ۴۳

اسلامی فقہ اکیڈمی کا گیارہواں سمینار

اسلامی فقہ اکیڈمی کے گیارہویں سمینار کی جو مختصر روداد اس کے دفتر سے موصول ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا گیارہواں فقہی سمینار ۷ ارتا ۱۹ اراپریل امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے المعہد ہال میں منعقد ہوا جس میں ملک و بیرون ملک کے ممتاز علماء اور ماہرین قانون شریک ہوئے۔

اس تین روزہ سمینار میں ولایت وکفاءت اور ضعیف احادیث کے موضوع پر قرآن وسنت اور اصول کی روشنی میں علمی وموضوعی اعتبار سے مذاکرہ ہوا۔

اجلاس میں پورے ملک سے شریک علماء و اصحاب افتاء کے علاوہ بیرون ملک سے مشہور شامی فقیہ شیخ وہبہ زحیلی مصنف "الفقہ الاسلامی وادلتہ" شیخ مفتی محمد تقی عثمانی نائب صدر جدہ فقہ اکیڈمی اور چیف جسٹس شرعیہ کورٹ پاکستان، شیخ بدر الحسن قاسمی نمائندہ وزارت اوقاف کویت اور مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ کے صدر مولانا یعقوب اسمٰعیل بطور خاص شریک ہوئے۔

ہندوستان کے ممتاز بزرگ علماء میں کثیر التصانیف عالم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب رکن مسلم پرسنل لاء بورڈ، مولانا برہان الدین سنبھلی صدر شعبۂ فقہ وحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا نظام الدین صاحب امیر شریعت بہار واڑیسہ وسکریٹری جنرل آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، دار العلوم وقف دیوبند سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، مظاہر

علوم سہارنپور سے مولانا وقار صاحب، جناب عبدالرحیم قریشی سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ شریک رہے۔

اجلاس کی کاروائی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد بستوی، اور مولانا عبید اللہ اسعدی (بستوی) صاحب نے چلائی سکریٹری جنرل حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب دامت برکاتہم بھی اپنی علالت کے باوجود تمام اجلاس میں مسلسل حاضر رہے اور بحث میں حصہ لیتے رہے۔

آخری دن اجلاس میں جو فیصلے ہوئے وہ ذیل میں درج ہیں۔

ولایت سے متعلق فیصلے

۱۔ (الف) شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے۔

کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا۔

(ب) اس کی دو صورتیں ہیں (۱) ولایت اجبار (۲) ولایت استحباب۔

ولایت اجبار:۔ ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔

ولایت استحباب:۔ ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

(ج) شرعاً ولی کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں۔

دماغی توازن کا درست ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وراثت کا استحقاق ہونا، مسلمان ہونا، اولیاء کی ترتیب عصبات میں وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

۲ ——— ہر عاقل و بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے اور اس سلسلے میں لڑکی و لڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۳ ——— عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

۴ ——— عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفاءت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو اولیاء کو قاضی ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

۵ (الف) ـــــــ جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کر دیا ہو وہ نکاح لازم ہے الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر بد تدبیری کے ساتھ کر دیا ہے یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

(ب) ـــــــ باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے؛ البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

(ج) ـــــــ کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بوقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے اس کو نکاح کا علم ہو چکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو بصورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک باقی رہے گا۔

(د) ـــــــ شوہر دیدہ یعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحۃً ہو یا قرائن کے ذریعہ، اسی طرح یہ حق و اختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ یا نکاح کا علم نہ ہو۔

۶ الف ـــــــ ایک سے زائد یکساں درجہ کے اولیاء موجود ہوں تو جو ولی پہلے نکاح کر دے، اس کا نکاح صحیح ہے۔

(ب) ـــــــ اور قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبتہً دور کا ولی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دے تو قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، البتہ اگر قریب تر ولی کی رائے سے ہر وقت واقف ہونا ممکن نہ ہو اور تاخیر میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دور کے ولی کا کرایا ہوا نکاح درست ہے

کفاءت سے متعلق فیصلے

ا ـــــــ اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو ایک اور برابر تسلیم کیا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتا، اور بحیثیت انسان ہر ایک کو برابر عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات پ۲۶)

اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے انسانوں کی طبقاتی تقسیم اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں کو اعلیٰ اور ادنیٰ سمجھنا گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (الآیۃ)

۲ ـــــ اسلام نے بہت صاف لفظوں میں اخوت اسلامی کا نظریہ پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم الخ

اس لئے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، کسی کا دوسرے کو ذات برادری کی بنیاد پر حقیر سمجھنا اور نسب و نسل اور زبان پر فخر کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا یحل لمسلم ان یحقر اخاہ المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ

۳ ـــــ نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت زندگی بھر کی رفاقت کا عہد و پیمان کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے رازدار، پردہ پوش اور وجہ سکون بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً۔

اسلام نکاح کو استوار اور پائندہ دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرتے اور میاں بیوی تاحیات خوشگوار زندگی گزار سکیں۔

۴ ـــــ کفارت کی حقیقت مماثلت اور یگانگت ہے، میاں بیوی کے درمیان فکر و خیال، معاشرت، طرز رہائش، دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت

میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے اور رشتۂ نکاح مستحکم ہو، بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں، اور اس ناکامی کے برے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہو کر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفارت کی رعایت کی ہے۔

۵ ـــــــ مسلمان عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے کیا گیا عقد نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے۔ کفارت لزوم عقد میں مؤثر ہے صحت وانعقاد نکاح میں نہیں۔

۶ ـــــــ کوئی بھی غیر مسلم اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلم سوسائٹی کا معزز ترین فرد بن جاتا ہے، اسے پشتینی مسلمانوں کے برابر حقوق واحترام حاصل ہو جاتا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کا نکاح اگر نومسلم نوجوانوں سے کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوگا بلکہ موجب اجر و ثواب ہے۔

۷ ـــــــ مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے۔ عورت مرد کی کفو ہو یا نہ ہو، واضح رہے کہ کفارت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہے یعنی ضروری ہے کہ شوہر عورت کے معیار کا ہو یا اس سے بڑھ کر۔ عاقل بالغ مرد نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، شرعاً منعقد اور لازم ہے اس پر مرد کے اہل خانہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

۸ ـــــــ اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا لیکن اولیاء کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق ہوگا۔

۹ ـــــــ کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے نکاح کر لیا لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی ظاہر ہوئی تو وہ نکاح منعقد ہوگا، لیکن لڑکی یا اس کے اولیاء کو مرافعہ کا حق ہوگا۔

۱۰ ـــــــ مسئلہ کفارت میں دینداری کا اعتبار تو ضروری ہے، دیگر امور ایسے ہیں جن کا تعلق عرف وعادت اور سماجی حالات سے ہے، اس لئے پوری دنیا اور تمام ممالک واقوام کے لئے امور کفارت کی تعیین وتحدید یکساں نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہر ملک و

علاقے کے علماء و فقہاء وہاں کے عرف و عادات اور سماجی احوال کے پیش نظر امور کفارت کی تحدید و تعیین کریں گے، بلا اس کے کہ کفارت کو آپس میں عزت و ذلت اور شرافت اور رذالت کے ساتھ جوڑا جائے۔

احادیث ضعیفہ سے متعلق فیصلے

۱ ـــــ اس موضوع پر غور کرتے ہوئے سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی زمانہ اہل علم کے یہاں اس باب میں خاص افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بعض حضرات کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی معتبر و نامعتبر روایات کو صحیح و ثابت روایات کا درجہ دے رکھا ہے، جو کسی بھی طرح "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" کے تحت مطلوبہ احتیاط سے ہم آہنگ نہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو محض کسی حدیث کے سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو یکسر ناقابل اعتبار اور لائق رد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ضعیف احادیث بھی بعض مواقع پر مقبول ہیں اور حدیث کا سند کے اعتبار سے ضعیف ہونا اس کے متن و مضمون کے مردود و نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔

۲ ـــــ جو روایات موضوع ہیں، وہ قطعاً غیر معتبر ہیں، نہ ان سے استدلال کی گنجائش ہے اور نہ اس کے موضوع ہونے کی صراحت و وضاحت کے بغیر ان کو نقل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر کسی سند میں واضع حدیث راوی آجائے تو جب تک متن حدیث کے دوسری طرق کی تحقیق نہ کرلی جائے، محض اس سند کی وجہ سے حدیث کے متن و مضمون کو موضوع قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی ایسی سند سے بھی یہ متن منقول ہو جس میں واضع حدیث راوی نہ آیا ہو۔

۳ ـــــ اگر کسی حدیث کو متعدد فقہاء و مجتہدین اور محدثین نے بطور استدلال نقل کیا ہو یا اسی روایات پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو یا اس حدیث کو رد کرنے کے بجائے اس کے متن میں تاویل کا راستہ اختیار ہو، اور ظاہر و متبادر معنی کے بجائے دوسرا معنی متعین کیا ہو تو یہ "تلقی بالقبول" ہے۔

۴ ـــــ تلقی بالقبول کی وجہ سے سنداً ضعیف احادیث بھی مقبول کا درجہ حاصل

کر لیتی ہے۔

۵ ـــــ تلقی بالقول کے علاوہ احادیث صحیحہ سے اور صحابہ کے فتاویٰ سے مطابقت کی بنا پر بھی احادیث ضعیفہ درجہ اعتبار حاصل کر لیتی ہیں۔

۶ ـــــ جن احادیث کے رواۃ متہم بالکذب اور فاسق نہ ہوں لیکن راوی کے خفت ضبط کے باعث روایت ضعیف ہو۔ ان کے لئے تعدد طرق مفید ہے اور ایسی روایت "حسن لغیرہ" کے درجہ میں آجاتی ہے، بشرطیکہ دوسرے طرق میں بھی راوی پر خفت ضبط ہی کی تہمت ہو نہ کہ کذب و فسق کی۔ ایسی ضعیف حدیثیں جو دوسری نصوص ثابتہ سے متعارض نہ ہوں یا جن میں ضعف راوی کے متہم بالکذب یا فسق کی وجہ سے ہو تو یہ نہ فضائل میں معتبر ہوں گی اور نہ احکام میں۔

۷ ـــــ ترغیب و ترہیب میں ضعیف روایات معتبر ہیں، بشرطیکہ ان میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو، اور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں، اور ان پر عمل کرتے ہوئے ثواب و عقاب کی امید تو رکھی جائے لیکن یقینی جازم نہ ہوں۔

۸ ـــــ موجودہ علمی انحطاط دیکھتے ہوئے مناسب ہے کہ اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں صحیح و ثابت احادیث کے نقل کا اہتمام کریں اور جہاں ایسی ضعیف حدیثیں پیش کرنی پڑیں وہاں مناسب انداز پر ایسی حدیث کا درجہ اور مقام پر بھی واضح کر دیں تاکہ ضعیف و بے اصل روایات کے نقل کرنے کا چلن نہ ہو جائے۔

۹ ـــــ ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں لیکن اس میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو، نہ کہ فقدان عدالت کی وجہ سے اور کسی نص صحیح و ثابت سے متعارض ہوں، ان سے احتیاطی احکام یعنی کراہت و استحباب کئے جا سکتے ہیں۔

۱۰ ـــــ نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان میں ایسی ضعیف الاسناد احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کیے جا سکتے ہیں تو ایسی احادیث علت غیر منصوصہ پر مبنی قیاس سے اولیٰ ہے، یہی جمہور سلف کا مسلک ہے۔

نوٹ:۔ مولانا عبداللہ جولم صاحب کو شق ۹، اور ۱۰ سے اتفاق نہیں ہے۔

باب الاستفسار والجواب

مکرمی ومحترمی جناب مولانا مجیب اللہ صاحب السلام علیکم

دعا ہے کہ آپ با صحت و عافیت ہوں۔ میں چند مہینے باہر رہا۔ واپس آیا تو جمع شدہ ڈاک میں الرشاد کے چند پرچے بھی تھے۔ ان میں ماہ دسمبر ۹۸ء کے شمارے میں آپ کی زیر ترتیب کتاب اسوۂ حسنہ کی قسط نمبر ۲۱ ہے صفحہ ۲۰ اور ۲۱ پر آپ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے عورتوں کے محرم کے بغیر سفر نہ کرنے کے ضمن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کا نام فلاں جہاد کے لئے لکھ لیا گیا ہے اور ان کی بیوی حج کو جانا چاہتی ہیں تو آپ نے فرمایا جاؤ تم اس کے ساتھ حج کرو۔ یہ روایت میں نے ایک جگہ اور بھی پڑھی ہے بس اس فرق کے ساتھ کہ اس روایت میں یہ ہے کہ ان صاحب نے کہا کہ ان کی بیوی حج کے لئے روانہ ہو چکی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم جہاد پر جانا موقوف کر دو اور جا کر بیوی سے مل جاؤ۔

مجھے اس روایت کی صحت میں ایک اشکال درپیش ہے جو عرض کرتا ہوں دور رسالت میں صرف دو حج ہوئے۔ ایک ۹ھ ہجری میں حضرت ابو بکر کی قیادت میں جب سورہ توبہ کی آیات نازل ہوئیں (بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ... فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ...) اور آپ نے حضرت علی کو روانہ کیا کہ وہ جا کر دوران حج اس کا اعلان کر دیں۔ دوسرا حجۃ الوداع (۱۰ھ ہجری) جو خود آنحضور کی قیادت میں ہوا۔ یہ روایت جو آپ نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے نقل کی ہے حجۃ الوداع سے تو متعلق ہو نہیں سکتی اس لئے حج سے متعلق ہو سکتی ہے جو ۹ھ ہجری میں

حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں ہوا۔ جس کے لئے ان صاحب کی بیوی نے جانا چاہا ہو یا روانہ ہو چکی ہوں۔ بہ روایت دیگر) سورہ توبہ تبوک کی مہم سے واپسی کے دوران (ابتدائی آیتیں مدینہ پہنچنے کے بعد) نازل ہوئیں۔ تاریخ میں تبوک کی مہم کے بعد حج کا ہنگامہ شروع ہونے تک یا حجۃ الوداع ۱۰ھ ہجری تک کسی جہاد کا ذکر نہیں ہے۔

میری الجھن یہ ہے کہ ۹ھ ہجری میں تبوک کی مہم کے بعد جب کوئی جہاد ہوا ہی نہیں تو روایت کے اس ٹکڑے کی کیا توجیہ ہوگی کہ اس شخص نے فلاں جہاد کیلئے نام لکھوا دیا ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمائیے۔

عرصہ ہوا ملاقات ہوئے۔ اشتیاق ملاقات کے ساتھ۔

سید امین الحسن رضوی

مکرمی و محترمی! وعلیکم السلام

گرامی نامہ ملا جس سے خوشی ہوئی۔ آپ کے اشکال کے سلسلے میں چند باتیں عرض ہیں۔ یہ خوشی ہے کہ آپ کے اشکال نے نصف ملاقات کا موقع فراہم کر دیا۔

۱ ـــــ اجتماعی طور پر حج کا اہتمام تو ضرور دو مرتبہ ہوا۔ مگر صلح حدیبیہ اور خاص طور پر فتح مکہ کے بعد انفرادی طور پر لوگ حج وعمرہ کے لئے برابر جاتے رہے اس لئے ممکن ہے کہ وہ اس دور سے متعلق روایت ہو۔ حدیث کی کتابوں میں متعدد صحابی اور صحابیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا یا انہوں نے حج کی نذر مانی وہ پورا نہ کر سکیں تو کیا ان کی طرف سے حج کر دوں آپنے اس کی اجازت دی اور انہوں نے ان کی طرف سے حج کیا۔ حج دو ہجری میں فرض ہو گیا تھا اس لئے ہر صحابی اسکے لئے بے چین رہتے تھے۔

۲ ـــــ عام طور پر سیرت نگار حضرات اور محدثین غزوہ اور سریہ میں یہ فرق کرتے ہیں کہ جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک ہوتے ان کو غزوہ کہتے ہیں اور جس میں آپ شریک نہیں ہوئے اسے سریہ کہتے ہیں۔ مگر بہت سے سرایا ایسے ہیں جن کو غزوہ کا نام دیا گیا ہے۔ جیسے غزوۂ ابوطہ یا غزوہ

ودان، غزوہ عشیرہ وغیرہ اور بعض غزوہ ایسے ہیں جن میں آپ خود شریک نہیں ہوئے مگر ان کو تمام محدثین غزوہ لکھتے ہیں۔ جیسے غزوہ موتہ۔

۳ ـــــ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ غزوہ تبوک کے بعد کوئی غزوہ نہیں ہوا یہ درست ہے لیکن آپ کے ذہن میں یہ بات ضرور ہوگی کہ فتح مکہ کے بعد بے شمار سرایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بت خانوں کو توڑنے کے لئے روانہ فرمائے تاریخ کی تعیین تو مشکل ہے مگر ان سرایا کی حیثیت غزوہ سے کم نہ تھی۔ مثلاً سریہ خالد بن ولید بت خانہ "عزیٰ" کو توڑنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ سریہ ابوسفیان ومغیرہ ابن شیبہ بت خانہ "لات" کو توڑنے کے لئے روانہ کیا گیا، ابن سعد نے نصف درجن اس طرح کے سرایا کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان سرایا میں ان کا نام رہا ہو اس لئے کہ ان میں پختہ قسم کے مسلمان ہی بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو انکے توڑنے میں ہچکچاہٹ نہ ہو۔ کیونکہ عام ذہنوں میں یہ بیٹھا ہوا تھا کہ اگر ان کو ہاتھ لگایا گیا تو بڑی آفت آجائے گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مدینہ کی دس سالہ زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ چھوٹی موٹی کشمکش یا دشمنوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی سریہ بلکہ سرایا گشت نہ لگاتے رہے ہوں اس کے لئے تجربہ کار اور منتخب لوگ ہی بھیجے جاتے تھے، اس لئے کسی بھی مہم کا یہ واقعہ ہو سکتا ہے۔ بخاری میں پوری روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسافر امرأۃ الا مع ذی محرم ولا یدخل علیھا رجل الا ومعھا محرم فقال رجل یا رسول اللہ انی ارید ان اخرج فی جیش کذا وکذا وامرأتی ترید الحج فقال اخرج معھا (بخاری کتاب الحج والنذر)

اس میں تریدالحج کا لفظ قابل غور ہے۔

۴ ـــــ ایک بات اور ذہن میں آتی ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا بھی واقعہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ غزوہ موتہ میں جو تھوڑی سی ناکامی ہوئی تھی اس کے بعد سے سرحد کی عیسائی حکومت کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اور وہ برابر مدینہ پر حملہ کا پروگرام بناتے رہتے تھے۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا

ہے جب ایک صحابی نے رات کے وقت حضورؐ کے ایلار کی خبر بڑے غم انگیز انداز میں حضرت عمرؓ کو دینے کے لئے دروازہ کھٹکھٹایا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کیا غسانی آگئے؟

ان حالات کے پیش نظر غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا اہتمام فرمایا اس سے پہلے غزوہ احزاب کے علاوہ کسی دوسرے غزوہ میں اہتمام نہیں فرمایا اس کی حیثیت نفیر عام کی تھی اور تیس ہزار فوج کے ساتھ آپ روانہ ہوئے اسلئے چنداں اس کا امکان ہے کہ اس میں ان صحابی کا بھی نام درج رہا ہو، غزوۂ تبوک کے لئے آپ ماہ رجب میں روانہ ہوئے چونکہ مدینہ سے اس کا فاصلہ بہت زیادہ تھا اس لئے جانے آنے میں کئی مہینے لگ سکتے تھے اور پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ واپسی ہو بھی جائے اس لئے ان صحابی نے آپؐ سے یہ سوال کیا ہو کہ میرا نام اس غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے جیسا کہ مسلم میں ہے اور میری بیوی حج کو جانا چاہتی ہیں ایسی صورت میں میں کیا کروں آپؐ نے ان کو ان کے ساتھ حج میں جانے کی اجازت دے دی ہو اس لئے کہ آپ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کے لئے حج ہی جہاد ہے۔ مگر غزوۂ تبوک میں جنگ کی نوبت نہیں آئی، اس لئے جلد واپسی ہوگئی اور تین مہینے بعد آپؐ نے حجۃ الوداع کا ارادہ فرمالیا، جس کا ارادہ غزوۂ تبوک سے پہلے آپ نے نہیں فرمایا تھا، اور اس میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ شریک ہوگئے ہوں جس کی اجازت انہوں نے پہلے سے لے لی تھی۔

یہ چند باتیں اشارۃً عرض کر دی ہیں آپ خود صاحبِ نظر ہیں ان پر غور کرنے کے بعد ممکن ہے کہ آپ کا یہ اشکال رفع ہو جائے

(مرتب)

وفیات

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ

یہ افسوسناک خبر ناظرین الرشاد کو مل چکی ہوگی کہ سعودی عرب کے سب سے ممتاز عالم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا دو مہینے پہلے انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شیخ ایک معمولی جسم وجثہ کے آدمی تھے اور پیدائشی نابینا تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حافظہ غضب کا عنایت کیا تھا قرآن پاک کی آیات، احادیث نبوی اور شرعی مسائل ان کے نوک زبان ہوتے تھے۔ مسائل کا جواب دینے میں ان کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی تھی، ان کے اسی علمی امتیاز کی وجہ سے مدینہ یونیورسٹی کا جب قیام عمل میں آیا تو سب سے پہلے اس کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ شرعی معاملات میں کسی رورعایت کے قائل نہ تھے، پورے ملک بلکہ خلیج کے کئی ملکوں کی دینی سیادت ان کے ہاتھ میں تھی، اس میں حکومت بھی ان کے فتووں اور حکموں کی بڑی حد تک پابند تھی۔ ان کو یہ حیثیت اپنی علمی واخلاقی ذاتی حیثیت کی وجہ سے حاصل تھی۔ حکومت کی رہین منت نہ تھی اب دیکھئے یہ منصب کس کو ملتا ہے۔

فیاضی، سیر چشمی، مہمان نوازی اور سادگی میں ان کی زندگی اسلاف کا نمونہ تھی ان کو جو کچھ حکومت سے ملتا تھا وہ سب اسی سیر چشمی کی نذر ہو جاتا تھا، وہ ذاتی تعاون ہی میں کشادہ دست نہ تھے بلکہ لوگوں کی ہر طرح کی سفارش کرنے میں بھی وسیع النظر تھے۔

۱۹۶۹ء میں پہلی بار جب حج میں جانے کا اتفاق ہوا تو مکہ میں رابطہ اسلامی کے پرانے دفتر میں انہوں نے ایک عام دعوت دی۔ جن میں کچھ خواص بھی مدعو تھے راقم الحروف کو بھی شریک ہونے اور ملاقات کا موقع ملا۔ اسی زمانہ میں حرمین شریفین میں ٹی، وی لگانے کی تیاری ہو رہی تھی، شیخ چاہتے تھے کہ ان مقامات مقدسہ میں ٹی وی کی گندگی نہ آنے پاوے مگر حکومت نے بہت سی ضرورتیں دکھا کر لگا دیا دوبارہ ۱۹۸۷ء میں ذرا تفصیل سے ملاقات کا موقع ملا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سعودی عرب میں خاص طور پر خلیج کے جنگ کے بعد امریکہ کے عمل و دخل کے خلاف حق کا اظہار کرنے والے علماء کی یا تو زبان بند کر دی گئی ہے یا پھر ان کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا ہے۔ اسی جرم میں حذیفی صاحب کو مسجد نبوی کی امامت سے ہٹا دیا گیا، اسی جرم میں الرشاد عربی کا داخلہ وہاں ممنوع قرار پایا۔ شیخ بن باز بھی حکومت کی بہت سی پالیسیوں میں اس کے ہم نوا نہ تھے مگر حکومت بھی ان کی عوامی مقبولیت کی وجہ سے کچھ طرح دیتی تھی اور وہ بھی اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے کسی جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھے، اللہ تعالیٰ امت کو ان کا بدل عنایت کرے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین

حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناظرین الرشاد کو اطلاع مل چکی ہوگی کہ پچھلے مہینہ ہندوستان کے ایک ممتاز عالم اور شیخ وقت مولانا عبد الحلیم صاحبؒ کا انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مولانا ضلع فیض آباد کے ایک دیہات کے رہنے والے تھے۔ مظاہر علوم سے فارغ ہوئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کو مشغلہ بنایا ایک مدت تک وہ جونپور کے مشہور گاؤں مانی کلاں میں بحیثیت صدر مدرس علم دین کی خدمت انجام دیتے رہے اسی زمانہ میں اپنی باطنی اصلاح و تربیت کے لئے مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، مولانا سے میرا بھی تعلق تھا، اس لئے فتحپور

میں بھی اور پھر الٰہ آباد میں بارہا ملاقات ہوتی رہی، ایک بار مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو ہفتہ کے لئے جونپور تشریف لائے تو تقریباً ایک ہفتہ تک مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی تحریک پر مولانا تشریف لائے تھے ساتھ ساتھ رہے۔ جامعۃ الرشاد کے قیام کے بعد وہ خود بھی از راہِ کرم کئی بار تشریف لائے اور دعا دی۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ وہ ایک مدت تک مانی کلاں میں رہے مگر وہاں کچھ ناگوار صورت پیدا ہوئی تو انہوں نے وہاں سے ہٹ کر گرینی میں مدرسہ ریاض العلوم کے نام سے نیا قائم کیا جو متوسط درجہ کے مدرسوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، مولانا کا اصلاحی تعلق اصلاً مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور ان سے خلافت بھی ملی تھی، ان کے انتقال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع فرمایا خود ان کا سلسلہ ارشاد بہت وسیع تھا، تقریباً ۶۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا، اپنی معنوی یادگار کے علاوہ مادی یادگار میں دو عالم لڑکے چھوڑے ہیں جو مدرسہ کا نظم و انتظام سنبھال رہے ہیں۔

ادھر چند برسوں میں ہندوستان کے کئی اکابر اپنی مسندیں خالی کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان کی جگہ پُر ہوتی نظر نہیں آتی۔ قابلِ اعتماد شخصیتیں برسوں کے ریاض اور بڑے ایثار و قربانی کے بعد بنتی ہیں افسوس ہے کہ ہماری نئی پود میں اس طرح کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، بلکہ دیکھا یہ جارہا ہے کہ جو بیکا دُکا نئی پود تزکیۂ نفس کے راستہ کو اختیار کررہی ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ کی مصداق نظر آتی ہے۔ تزببت قبل ان تحصرم تم انگور بننے سے پہلے منقیٰ بن گئے۔

خلوت میں ایک مدت گزارنے سے پہلے جو لوگ جلوت میں آجاتے ہیں ان سے باطنی فائدہ کے بجائے دنیا طلبی فروغ پاتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ نے اسلاف کے طریقہ کے مطابق ایک مدت خلوت گزینی اور گمنامی میں گزار کر پھر جلوت میں آئے اس لئے ان سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچا، حاجی امداد اللہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

میں تو نام و نشاں بھلا بیٹھا　　شہرہ کس نے اڑا دیا میرا

مولانا عبدالغفار ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دو ماہ پہلے ہمارے دوست مولانا عبدالغفار ندوی کا لکھنؤ میں انتقال ہوگیا تھا جس کی اطلاع دیر سے ملی اور بیماری کی وجہ سے پرچہ بھی ادھر برابر تاخیر سے شائع ہو رہا ہے اس لئے ان پر تاثرات لکھنے میں تاخیر ہوئی جس کا افسوس ہے۔

ندوہ کے فارغین میں عبدالغفار نام کے دو ممتاز حضرات تھے اور اب دونوں مرحوم ہو چکے ہیں۔ ایک مولانا عبدالغفار ندوی نگرامی مرحوم تھے جو ہم لوگوں کے قدما میں تھے، دوسرے میرے مخلص دوست مولانا عبدالغفار ندوی جونپوری مرحوم تھے، جن سے ۱۹۳۸ء میں دوستانہ تعلق قائم ہوا اور آخر عمر تک قائم رہا۔ سوچنے کے انداز میں فرق بھی ہوا، اور راستے بھی الگ ہوئے مگر ذاتی تعلق میں فرق نہیں آیا۔

۱۹۳۵ء کے آخر سے ۱۹۳۹ء کے وسط تک راقم الحروف مظہر العلوم بنارس میں زیر تعلیم تھا۔ وہاں ۱۹۳۸ء کے آخر میں ایک معقولات کے ممتاز استاذ مولانا عبدالرحمن صاحب کو دربھنگہ سے بلایا گیا ان کے ساتھ جونپور کے تین طالب علم ساتھ آئے۔ ابو العرفان، اشتیاق احمد اور تیسرے ہمارے مولانا عبدالغفار تھے، یہ لوگ ایک سال مظہر العلوم بنارس میں رہے پھر ان تینوں نے اگلے سال یعنی ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا۔ مگر وہاں کسی وجہ سے ان کا دل نہیں لگا۔ یہ تینوں لوگ شوال کے آخر میں ندوہ آئے اور وہاں داخلہ لیا۔ اتنی تاخیر سے داخلہ مشکل ہوتا تھا مگر مولانا ابو العرفان مرحوم کے والد مولانا دین محمد صاحب مرحوم سے حضرت سید سلیمان صاحب ندوی کے ذاتی تعلقات تھے۔ اس لئے ان کے خط کی وجہ سے تینوں کا داخلہ آسانی سے ہوگیا۔

اسی سال راقم الحروف بھی شروع شوال ہی میں داخلہ لے چکا تھا اس طرح ہم لوگ پھر ندوہ میں اکٹھا ہو گئے۔ مولانا عبدالغفار صاحب مرحوم کو میرے کمرہ میں

میں جگہ ملی اس طرح ہم لوگ کئی سال روم فیلو کی حیثیت سے ساتھ رہے۔

مولانا عبدالغفار ندوی ہمارے ہمعصر ساتھیوں میں پڑھنے لکھنے میں بھی ممتاز تھے اور اپنی سادہ مزاجی اور اخلاق و محبت میں بھی پورے ندوہ میں ایک امتیاز رکھتے تھے، ان کی سادہ مزاجی اور اخلاق و مروت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ گرمیوں میں ہم لوگ باہر صحن میں چارپائیاں بچھا کر سوتے تھے، عموماً وہ اپنی چارپائی کے ساتھ میری چارپائی بھی کمرہ سے باہر نکال دیا کرتے، حالانکہ وہ مجھ سے عمر میں بھی بڑے تھے اور درجہ کے اعتبار سے بھی۔ مجھے وہ اپنی چارپائی کے نکالنے کا موقع کم ہی دیتے تھے۔ تین چار برس کی مدت میں آپس میں کبھی ناگواری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہونے دی۔ ہم لوگ کچھ چھیڑ چھاڑ اور شرارتیں کرتے بھی تو وہ ہنس کر ٹال جاتے۔

ندوہ کے زمانہ ہی میں وہاں تبلیغی جماعت کا کام شروع ہوا جس کی تفصیل بھی بڑی لمبی ہے اس میں جن طلبہ نے سب سے زیادہ حصہ لینا شروع کیا ان میں مولانا عبدالغفار صاحب بھی نمایاں تھے، انہی کے اثر سے میں نے بھی حصہ لینا شروع کیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد وہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہوگئے اور پھر پوری زندگی اس کے لئے وقف کر دی گو ہم لوگ ان سے ہم آہنگ نہ ہو سکے۔ مگر ذاتی تعلقات میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا، بلکہ گھریلو تعلق قائم رہا، آج بھی ان کے بھائیوں سے تعلق قائم ہے، ان کی تین شادیاں ہوئیں دو میں میں شریک رہا بحمداللہ ان سب کئی بچے بچیاں ہیں اور سب اپنی جگہ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔

نہایت ذی استعداد عالم باعمل تھے مگر اپنی سادگی، خاکساری، خوش اخلاقی اور بے نفسی کی بنا پر اپنی کسی ادا سے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ اتنی خوبیوں کے مالک ہیں، ان کی زندگی نمود و نمائش سے پاک فقیرانہ زندگی تھی مگر عوام و خواص سب میں مقبول تھے، بارہا ایسا ہوتا تھا کہ وہ راستہ چلے جا رہے ہیں اور راستہ میں روک روک کر لوگ مولانا کو اپنے متضاد کاموں کی فرمائش کرتے جاتے اور وہ نہایت اطمینان

بقیہ ص ۲۴۳ پر

محمد جلیس کریمی

نئی کتابیں

ہجرتِ مصطفیٰ

مصنف :- محمد علاء الدین ندوی

ناشر :- مجلس علم وعرفان لکھنؤ ۔ صفحات ۴۴۸ ۔ قیمت ۹۲/۰۰

کرۂ ارضی پر جب سے انسان کا وجود ہوا ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کا سلسلہ جاری ہے، انفرادی طور پر بھی ہجرت کی جاتی رہی ہے اور اجتماعی طور پر بھی، البتہ مقصد ہجرت میں حالات و مواقع کے اعتبار سے فرق رہا ہے کبھی جغرافیائی سبب سے ہجرت اختیار کرنی پڑی، کبھی معاشی سبب سے، کبھی سیاسی سبب سے اور کبھی انسانوں کی ایک دوسرے پر چیرہ دستیوں کی وجہ سے انہیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑا، غرض کہ جب تک نوع انسانی کا وجود رہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ لیکن آج سے چودہ سو انیس سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ عام لوگوں کی ہجرتوں سے بہت مختلف تھی، مقصد کے اعتبار سے بھی اور نتیجے کے اعتبار سے بھی، زیر تبصرہ کتاب اسی ہجرت کی تاریخ پیش کرتی ہے۔ جس میں تاریخ کے ساتھ ہجرت کرنے والے کی پوری سیرت سمو دی گئی ہے۔

کتاب میں دو ابواب کے تحت بیس فصلیں ہیں۔ باب اول میں ہجرت کا مفہوم، راہ دعوت میں اس کی ناگزیریت، ہجرت حبشہ، ہجرت ابوبکر صدیق، ہجرتِ طائف اسراء و معراج، ہجرتِ کبریٰ کی تیاری، مہاجرین اولین، راہِ ہجرت کی آزمائشیں ہجرت کے وقت یثرب کا ماحول، ہجرتِ کبریٰ، فضائے دشت میں بانگِ رحیل اور ہجرت کے مضمرات بیان کئے گئے ہیں۔

باب دوم میں ہجرت کبریٰ اور تدبیر الٰہی، تحریک ہجرت اور اسکی

منصوبہ بندی، ہجرت کے مضمرات و اسرار، ہجرت کے ثمرات و نتائج، شباب اسلام، ہجرت اسلامی تقویم کی بنیاد اور ہجرت کی انقلابی و تحریکی روح اور اس کا پیغام جیسے مباحث زیر بحث آتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے متعدد پہلو ہیں، بچپن کی زندگی، نوجوانی کی زندگی نبوت سے پہلے کی زندگی، مکی زندگی، مدنی زندگی، سیاسی زندگی، دعوتی زندگی، گھریلو زندگی وغیرہ۔ موجودہ دور میں علمائے اسلام نے آپ کی زندگی اور سیرت کو بہتر طور سے سمجھنے کے لئے یہ سہولت ایجاد کی ہے کہ کسی ایک پہلو کو نمایاں کیا جائے اور اس میں مخفی اسوۂ حسنہ سے مستفید ہوا جائے۔ زیر تبصرہ کتاب میں ہجرت محمدی کے ایک خاص پہلو کو بہتر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اردو میں اس تعلق سے ایک عمدہ اضافہ فرمایا۔

کتاب کی کتابت اور طباعت عمدہ ہے۔ دعوت دین اور اس کے لئے قربانیوں کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

نام کتاب :- قرآن کریم میں نظم و مناسبت

مصنف :- ڈاکٹر عبید اللہ فہد اصلاحی

ناشر :- انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تاریخ اشاعت :- ۱۹۹۸ء۔ صفحات ۲۶۸ - قیمت :- ۱۰۰/۰۰

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام میں نظم و مناسبت نہ ہو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قرآن ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے، ہر سورت میں متعدد آیتیں ہیں اور ہر آیت اپنا ایک مضمون رکھتی ہے۔ لیکن ان ساری سورتوں آیتوں میں ایک ہم آہنگی موجود ہے۔

قرآن کریم میں نظم و مناسبت سمجھنے کی کوشش کوئی نئی نہیں ہے۔ بلکہ صدر اول سے ہی اس پر داد تحقیق دی گئی ہے علمائے اسلام کی اس پر بیش قیمت تحریریں

موجود ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب حصہ اول کی انہیں تحریروں کا خلاصہ پیش کرتی ہے
اس میں چار ابواب ہیں۔ باب اول میں نظم و مناسبت کا مفہوم، اہمیت و فوائد
اس کے حامی اور مخالف علماء و مفسرین کے خیالات اور نظم و مناسبت سے متعلق
بعض مثالیں پیش کی گئیں ہیں، باب دوم میں نظم قرآن کے ادبی مطالعات کے
تحت ابن قتیبہ، ابوالحسن علی بن عیسیٰ امانی، قاضی عبدالجبار اسد آبادی، علامہ
محمد بن محمد خطابی اور علامہ باقلانی کے نظریات بیان کئے گئے ہیں۔ باب سوم میں
نظم قرآن پر پہلی کتاب پیش کرنے والے عبدالقاہر جرجانی کے افکار عالیہ مذکور ہیں
اسی باب کے تحت دوسری فصل میں عصر حاضر کے متعدد علماء کی آراء جمع کی گئی ہیں۔
جو علامہ جرجانی کے افکار کے مطالبات پر مشتمل ہیں۔ باب چہارم میں علامہ
زمخشری کا نظریہ نظم قرآن پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک عمدہ
پیش کش ہے۔

علماء و مفسرین کی ایک جماعت نے قرآن میں نظم و مناسبت کی تلاش و جستجو
کو بے سود قرار دیا ہے ان کے نزدیک یہ ایک زحمت طلب علم ہے یہ ایک سمندر
میں شناوری کے مانند ہے جس کا قرآن کے اتارنے والے نے کسی کو مکلف نہیں
بنایا ہے، قرآن اصلاً کتاب ہدایت ہے اور اس کی ہر آیت اپنی جگہ مستقل ہے
چنانچہ کسی ایک آیت سے بھی ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے جب کہ نظم و مناسبت کی
قید سے یہ سہولت جاتی رہتی ہے ایسی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ پہلے
پورے قرآن کی مناسبت معلوم کی جائے پھر ہدایت حاصل کی جائے ظاہر ہے
کہ یہ ایک غیر ضروری امر ہے۔ مصنف نے ان خیالات کے حاملین کی آراء کا بھی
مناسب جائزہ لیا ہے۔

اصحاب صرف و نحو کا ایک مقولہ ہے کہ "النحو فی الکلام کالملح فی الطعام" یعنی
کلام میں نحو کی ضرورت ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک کی۔ ظاہر ہے کہ کھانے
میں نمک نہ ہو تو وہ بے مزہ ہو جاتا ہے اسی طرح اگر وہ مقدار سے زیادہ ہو جائے

بقیہ ص ۲۹ پر

سالانہ چندہ
ہندوستان سے 60/=
خصوصی معاون 100/=
قیمت فی پرچہ 6/=

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان
ماہنامہ جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
پندرہ ڈالر امریکی - 15
15/=.5

جلد نمبر ۳۸ | جولائی ۱۹۹۹ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ | شمارہ نمبر ۲۱۹

فہرست مضامین

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

رشحات

قرآن پاک اور حدیث نبوی نے عربی زبان کو لفظی اعتبار سے بھی وسعت دی اور معنوی اعتبار سے بھی ایک نیا لباس عطا کیا، عربی زبان کے بے شمار الفاظ کو جو اس نے وسعت دی ان کی حیثیت اب اسلامی تہذیب کی اصطلاحات کی ہوگئی ہے، اب اگر کوئی ان اصطلاحات کو اس کے موقع محل سے کاٹ کر کہیں استعمال کرتا ہے تو وہ نہ صرف اسلامی تہذیب کو داغدار کرتا ہے بلکہ لغت کی معنویت کو بھی مجروح کرتا ہے آپ کو ایسے ہزاروں الفاظ عربی زبان میں ملیں گے جنھیں قرآن وحدیث نے معنوی اعتبار سے نیا قالب دے دیا ہے اور یہ معنی اب اس میں پورے طور پر رچ بس گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایمان، اسلام، توحید، آخرت، برزخ، جہاد، شہادت اب اگر کوئی ان الفاظ کے لفظی معنی کو ان کے اصطلاحی معنی کے موقع ومحل سے کاٹ کر استعمال کرتا ہے تو وہ ایک مجرمانہ کام کرتا ہے، مثال کے طور پر جہاد اور شہادت کے لفظ کو عوام ہی نہیں بلکہ اہل علم بھی جتنا بے موقع استعمال کرتے ہیں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے جہاد کے لفظی معنی کوشش کے ہیں اور شہادت کے معنی گواہی دینے اور موجود ہونے کے ہیں مگر اسلامی اصطلاح میں یہ جہاد ایک مخصوص ذمہ داری ہے اور شہادت ایک منصب ہے جس کا رشتہ ایمان سے جڑا ہوا ہے اسلئے ایمان سے خالی ہر کوشش اور ہر گواہی کے لئے اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح مذکورہ بالا الفاظ کو بھی قیاس کر لیجئے، مشہور مستشرق ڈاکٹر اسمتھ آنجہانی اپنے شاگردوں سے مغالطے دینے کے لئے کہا کرتے تھے کہ اسلام کے معنی تابعدار کے ہوتے ہیں اس معنی میں ہم بھی مسلم ہیں اور جو بھی خدا کا تابعدار ہو وہ مسلم ہے تو ہم کو بھی آپ لوگ مسلم کیوں نہیں کہتے، میں نے اُن کے ایک شاگرد رشید سے عرض کیا کہ وہ خود اپنے

کو کر تحیین کہنے کے بجائے مسلم کیوں نہیں کہتے اور لکھتے وہ اس لیے نہیں لکھتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اب لغوی معنی میں نہیں بولا جاتا بلکہ وہ ایک اسلامی اصطلاح بن گیا ہے، اب صرف لغوی یا تکوینی اسلام (تابعداری) قابل قبول نہیں ہے بلکہ اصطلاحی یا تشریعی اسلام معتبر ہے جس کا رشتہ رسالت سے جڑا ہوا ہے، اس لئے ہم ایسے کسی آدمی کو مسلم اس وقت تک نہیں کہہ سکتے جب تک اس تشریعی اسلام کو قبول نہیں کرتا جس کا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت سے جڑا ہوا نہ ہو۔

رشحات میں کئی بار یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتیں خاص طور پر امریکہ برطانیہ اور یہودی لابی مسلمان ملکوں میں تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی بحران پیدا کرنے میں لگی ہوئی ہے، عراق کے ساتھ امریکہ، برطانیہ نے آٹھ برس سے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اور جس طرح وہاں انسانی حقوق کی پامالی اور یو، این، او، کے دستور کی جو خلاف ورزی وہ کر رہے ہیں اس ظلم سے بچہ بچہ واقف ہے، ادھر جب سے افغانستان میں طالبان برسر اقتدار آئے ہیں اس پر ہر طرح کی اقتصادی اور تجارتی پابندی بڑھا دی گئی ہے۔ اسامہ بن لادن کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالہ کر دینے کے لئے پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

ایران اور سوڈان اس کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہے ہیں، لیبیا کے قذافی کی زود پشیمانی نے مسلمان ملکوں کے داخلی معاملات میں مداخلت کرتے اسکے حوصلہ کو اور بڑھا دیا ہے۔ ایران میں وہ اسلام پسندوں کو انتہا پسند قرار دے کر اعتدال پسند سیکولر مزاج طبقہ کو ان کے مقابلہ میں ان کو ابھار رہا ہے۔ اسرائیل کی بین الاقوامی دہشت پسندی اسے نظر نہیں آرہی ہے وہ خطرناک سے خطرناک اسلحہ بنائے تو وہ امن پسند ہے مگر ایران کی میزائیل سازی اسے برداشت نہیں ہے خلیجی ملکوں اور بحرین وغیرہ کی وہ کوششیں ان کے لیے ناقابل برداشت ہیں جو اسلامی اتحاد کیلئے ان ملکوں کے سربراہوں کی طرف سے کی جا رہی ہیں۔

غرض یہ کہ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک اس وقت روس کے بکھرنے کے بعد مسلمان ممالک کو دشمن نمبر ایک سمجھ رہے ہیں یہ سب محاذ اس لئے کھولے جارہے ہیں کہ مسلمان ممالک سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے دوسری طاقت نہ بن سکیں اور ساتھ ہی ان کے محبوب اور مسلمان کے دشمن نمبر ایک اسرائیل کا تحفظ بھی ہو سکے، بے غیرت امریکہ اور برطانیہ کو یہ فکر نہیں ہے کہ اسرائیل بلا وجہ روزآنہ لبنان پر بمباری کیوں کر رہا ہے؟ بلکہ اس کے تحفظ کے لئے شام کی گولان پہاڑیوں کے خالی کرانے اور فلسطینیوں کی خود مختاری کے لئے وہ اسرائیل کی خوشامد میں لگا ہوا ہے مگر امریکہ کو اپنے حلیف برطانیہ جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا کے زوال سے سبق لینا چاہئے کہ وہ ایک جزیرہ میں سمٹ گیا ہے۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ایک مدت کے بعد یہ ایک خوش کن خبر آئی ہے کہ ہندوستان کی پانچ آل انڈیا مسلم تنظیموں جمعیۃ العلماء، جماعت اسلامی، مسلم پرسنل لا بورڈ، ملی کونسل، مسلم مجلس مشاورت نے مل کر ایک متحدہ محاذ بنالیا ہے جس کی طرف سے ایک مسلم ایجنڈا بھی شائع کر دیا گیا ہے، اس مسلم ایجنڈے میں مسلم مسائل کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں کچھ مسائل تشنہ ضرور رہ گئے ہیں ممکن ہے ذمہ داروں نے مصلحتاً چھوڑ دیا ہو، مگر یہ کیا کم خوش آئند بات ہے کہ مسلمانوں کے اہم مسائل کے سلسلہ میں ان جماعتوں کے ذمہ دار سر جوڑ کر ایک جگہ بیٹھے اور مسلمانوں کو درپیش مسائل سے ملک کی سیاسی جماعتوں کو اپنی متحدہ آواز ان تک پہنچائی۔ خدا کرے یہ اتحاد ملت اسلامیہ ہندیہ کے مستقبل کے لئے نیک فال ثابت ہو

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کو ملک کے اندر اور ملک سے باہر جو مقبولیت اور عزت اور وقار بخشا ہے وہ اس صدی میں کسی بوریا نشین دینی شخصیت کو شاید نہ ملا ہو، جس کا ایک مظاہرہ ان بین الاقوامی سندات اعزاز سے ہوتا ہے جو مختلف سربراہان مملکت کی طرف سے ان کو ملتا رہا ہے حال میں وہ برونائی کے حکمراں کی طرف سے

بورقیہ ایوارڈ سے نوازے گئے ہیں جو دنیا کے اہم ایوارڈوں میں ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست ، تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے لحاظ سے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بہت سی شخصیتیں اپنا خصوصی امتیاز رکھتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا کو علم وفضل، اپنی دینی وعلمی خدمات اور عربی دانی کیساتھ فقیری میں جو شاہی، طبیعت میں جو استغنا و بے نیازی اور ملت کی خیر خواہی کا درد وسوز عطا کیا ہے وہ کم لوگوں کو ملتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی باطنی کیفیت پر اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے عہد تابعین کی ایک بڑی شخصیت کا ایک واقعہ نقل کرنا مناسب ہوگا، قاسم بن محمد جو تبع تابعین میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ۔

میں عبداللہ بن مبارک کے ساتھ اکثر سفر میں رہتا تھا میرے دل میں خیال ہوا کہ آخر کس بنا پر ان کو اتنا فضل وشرف اور قبول عام حاصل ہے جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی نماز پڑھتے ہیں جتنے روزے وہ رکھتے ہیں ہم بھی ان سے کم روزے نہیں رکھتے، وہ حج کرتے ہیں ہم بھی حج کرتے ہیں، وہ جہاد میں شرکت کرتے ہیں ہم بھی ان سے پیچھے نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ شام جا رہے تھے راستہ میں رات کو کہیں ٹھہرے، سب لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ یکایک چراغ گل ہوگیا، ایک آدمی چراغ جلانے کے لئے اٹھا، چراغ جلا کر واپس ہوا تو ہم نے دیکھا کہ عبداللہ بن مبارک کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اسی (خشیت الہٰی کی) وجہ سے ان کو یہ فضل وشرف حاصل ہے۔ پھر فرماتے ہیں غالباً چراغ گل ہونے پر اندھیرا ہوگیا، اور اس سے یک گونہ ہم لوگوں پر جو گھبراہٹ طاری ہوئی اس چیز نے ان کو قبر وقیامت کی یاد دلادی اور ان پر رقت طاری ہوگئی۔

اس سلسلہ میں اپنی طالب علمی کے بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۴۱ء ندوہ میں تبلیغی جماعت کا کام شروع ہوا، مولانا علی میاں

مولانا ناظم صاحب اور بعض دوسرے اساتذہ کی راہنمائی میں کچھ طلبہ جمعرات کو کھانے کا سامان لے کر لکھنؤ کے آس پاس کے گاؤں مثلاً ملہور، مگلور، علی گنج وغیرہ جایا کرتے اور دوسرے دن جمعہ بعد واپسی ہوتی، ایک سفر میں ہم لوگ ملہور گئے، گرمی کا زمانہ تھا، رات کے وقت مسجد کے صحن میں ہم لوگ سوئے تھے، میری بغل میں حضرت مولانا سوئے، رات کو تقریباً ۳ بجے میری نیند ٹوٹی تو دیکھا کہ مولانا اپنی جگہ پر نہیں ہیں مجھے استنجے کی حاجت تھی لوٹے میں پانی لے کر کھیت کی طرف گیا تو کچھ دور سے قرآن پڑھنے کی آواز ہلکی ہلکی سنائی دی، ذرا اور قریب گیا تو دیکھا کہ مولانا مصلی بچھا کر نفل پڑھ رہے ہیں اور رقت طاری ہے، وہ مسجد میں بھی نماز پڑھ سکتے تھے مگر انہوں نے اخفاء اور دوسروں کی نیند میں خلل نہ پڑنے کا خیال کر کے یہ زحمت اٹھائی۔ مجھے بھی کچھ غیرت محسوس ہوئی، جلدی جلدی استنجا اور وضو سے فارغ ہو کر مسجد آکر الٹی سیدھی چند ٹکر لگائی، بحمد اللہ مولانا کی اس کیفیت لہ ازیں کا زین السوجبل کی حرارت کچھ نہ کچھ قلب میں آج تک باقی ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہی باطنی خصوصیات کی وجہ سے انھیں یہ مجد و شرف بخشا ہے مگر اس مجد و شرف کے باوجود نہ تو ان کی فقیرانہ زندگی میں فرق آیا ہے اور نہ عام برتاؤ پر اس کا اثر پڑا ہے اور نہ ان کے یہاں مٹو بچو کا شیخانہ انداز پایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تادیر ان کو سلامت رکھے، وہ اس وقت ملت اسلامیہ کی آبرو ہیں۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عام آدمی جب نوافل اور ذکر و اذکار شروع کرتا ہے تو اسے بھی اپنے اندر کچھ بزرگی کا احساس ہونے لگتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اسے بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اسی عجب میں وہ مارا جاتا ہے، اسلئے جب تک تجربہ سے کسی کے ظرف کا اندازہ نہ ہو چاہے وہ عالم ہی کیوں نہ ہو اسے فرائض و واجبات اور مؤکدات ہی کی تاکید کرنی چاہیئے۔

از
مجیب اللہ ندوی

اسوۂ حسنہ

الرشاد ستمبر ۹۷ء میں عبادت کی اہمیت کا ذکر آیا تھا اسکے بعد ہی نماز کا ذکر آنا چاہیے تھا مگر غلطی سے یہ حصہ رہ گیا تھا اس لئے اب شائع کیا جا رہا ہے۔

نماز

طہارت کی اور عبادت کی اہمیت اور فضیلت کے بیان کے بعد اب نماز کی فرضیت اور اہمیت کی تفصیل قرآن پاک، حدیث نبوی، اسوۂ نبوی اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ نماز کو عربی میں "صلوٰۃ" کہا جاتا ہے۔ صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (توبہ) آپ ان کے لئے دعا کیجئے آپ کی دعا اُنکے لئے سکون کا سبب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ "وصلت علیکم الملئکۃ" فرشتے تمہارے لئے دعا کرتے ہیں۔ نماز کو دعا اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ اپنے حقیقی آقا و مالک کی عظمت و جلال اور اس کی شان ربوبیت اور اپنی بندگی اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے نماز کا آغاز سورہ فاتحہ سے کیا جاتا ہے جس کی ابتدا، حمد و ثنا اور اعتراف ربوبیت سے ہوتا ہے، پھر اسکے واسطے سے ایک بندہ اپنے رب کی بندگی پر قائم رہنے کی اور اس کی مدد کی دعا مانگتا ہے (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) اور ساتھ ہی صراط مستقیم پر برابر چلتے رہنے کی توفیق چاہتا ہے (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ) گویا نماز بندے کو اپنے مالک و آقا تک پہنچانے کا سب سے قریب ترین واسطہ ہے اور دعا کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔

الدُّعاء مخ العبادۃ : دعا عبادت کا مغز ہے۔

اسلام میں نماز کی اہمیت

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں متعدد جگہ نماز کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اعلم ان الصّلوٰۃ اعظم العبادات شأنا واوضحها برهانا واشهرها فی الناس وانفعها فی النفس ولذالك اعتنی الشارع ببیان فضلها وتعیین اوقاتها وشروطها وارکانها وادابها ونوافلها اعتناءً عظیمًا لم یفعل فی سائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدین

(معارف الحدیث ج ۳ - ص ۲۰۶)

نماز اپنی شانِ عظمت اور عقل وفطرت کے مطابق ہونے کی وجہ سے تمام عبادات میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور لوگوں میں سب سے زیادہ معروف ومشہور ہے اور نفس کے تزکیہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ نفع بخش ہے اسی لئے شریعت نے اسکی فضیلت اور اس کے اوقات میں تعیین اور اس کے شرائط وارکان اور اسکے آداب ونوافل کے ساتھ جتنا اہتمام کیا اتنا کسی دوسری اطاعت وعبادت کا نہیں کیا انہیں خصوصیات کی وجہ سے اسے عظیم ترین اسلامی شعار قرار دیا گیا۔

یوں تو جتنی عبادتیں اسلام میں فرض کی گئی ہیں وہ سب اپنی جگہ ضروری اور اہم ہیں مگر جیسا کہ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ تمام عبادات اور طاعات میں نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے یہ اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جو ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب ہو، فرض ہے اور ہر حالت میں فرض ہے خواہ وہ تندرست ہو یا بیمار اور کمزور ہو یا طاقتور، مقیم ہو یا مسافر ہو، جنگ کی حالت میں ہو یا امن کی حالت میں اس کی فرضیت ہر حال میں قائم رہتی ہے۔ جب تک آدمی کا ہوش وحواس درست ہے مرتے دم تک یہ معاف نہیں ہے۔ اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر پڑھے۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹ کر پڑھے اگر لیٹ کر بدن کو حرکت نہیں دے سکتا ہے تو اشاروں سے پڑھے غرض کسی وقت اور کسی حال میں بھی یہ معاف

نہیں ہوتی حتیٰ کہ سات برس کے بچوں کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے اور جب یہ دس برس کے ہو جائیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر نہ پڑھتے ہوں تو مار کر نماز پڑھا دوسری عبادتیں سال میں یا عمر میں ایک بار فرض کی گئی ہیں مثلاً روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ مگر یہ روزانہ پانچ بار فرض کی گئی ہے۔ عبادت تو تمام انبیاء کی سنت ہے مگر خاص طور پر ملت ابراہیمی کا یہ ایک خاص امتیاز ہے۔ شاہ صاحب نے جو نماز کو شعار کہا ہے اس سے ان کا اشارہ غالباً اسی طرف ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے ذکر میں قرآن پاک نے دو جگہ نماز کے بنیادی ارکان کا ذکر کیا ہے۔ سورہ بقرہ اور سورہ حج میں اور تیسری جگہ سورہ ابراہیم میں اقامت صلوٰۃ کے لفظ کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں کعبہ کی تعمیر کے ساتھ ہی اس کا مقصد یہ بتا دیا گیا ہے۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (بقرہ)

اور ہم نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل کو تاکید سے حکم دیا کہ وہ میرے گھر یعنی کعبہ کو طواف کرنیوالوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کریں۔

سورہ حج میں مزید وضاحت ہے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (حج)

وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتا دی اور ٹھکانہ دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور عبادتِ الٰہی کے لئے کھڑے ہونے والوں اور رکوع و سجدہ کرنیوالوں کے لئے پاک کر دو۔

پھر سورہ ابراہیم میں اقامت صلوٰۃ کے لفظ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ذکر ہے۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس چٹیل بے آب و گیاہ میدان میں ٹھہرا دیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار تاکہ یہاں

مِنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ (ابراہیم) یہ لوگ نماز قائم کریں کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے۔

ان آیات سے نماز کی اہمیت کے ساتھ اس کے ملت ابراہیمی کے شعار ہونے کی بات بھی واضح ہوگئی ہے، اور حضورؐ کو یہ حکم مکی اور مدنی دونوں سورتوں میں دیا گیا ہے۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا (الحج) آپ یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے رہیئے اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور قرآن پاک میں بھی۔

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (بقرہ) آپ یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی پیروی کریں۔

اوپر جو نجاست اور طہارت کے پورے نظام کی تفصیل کی گئی ہے اس سے بھی اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے کہ نجاست و طہارت کے اس پورے نظام کا تعلق نماز ہی سے ہے دوسری عبادتیں طہارت کی پوری شرطوں کے بغیر بھی ادا ہوسکتی ہیں مگر نماز اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتی مثلاً آپ کے جسم پر گندگی لگی ہو یا جنابت کی حالت میں ہوں یا بے وضو ہوں ایسی حالت میں آپ روزہ کی نیت کرلیں تو آپ کا روزہ ہوجائے گا اسی حالت میں زکوٰۃ ادا کریں تو ادا ہوجائے گی حج کے بہت سے ارکان بے غسل اور بے وضو ادا ہوسکتے ہیں مگر نماز فرض تو بڑی بات ہے نفل نماز بھی نہ صرف طہارت حقیقی کے بغیر ادا نہیں کی جاسکتی بلکہ طہارت حکمی یعنی وضو کے بغیر بھی وہ ادا نہیں کی جاسکتی حتیٰ کہ بعض صورتوں میں ایسا آدمی مسجد میں بھی نہیں جاسکتا غرض نجاست سے بچنے اور طہارت پورا کرنے کا اتنا اہتمام اور کسی عبادت کے لئے نہیں کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں نماز کی تاکید بار بار آئی ہے قرآن پاک میں ہے کہ "نماز مسلمانوں پر وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (نساء) نماز میں سستی کرنے والوں کو قرآن پاک میں منافق قرار دیا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (نساء) منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ

اللہ اس کی سزا دینے والے ہیں وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات گرامی اور اسوۂ حسنہ دونوں سے اس کی اہمیت اور عظمت بتائی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا اور خوب دل لگا کر اچھی طرح نماز پڑھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ بخش دے گا اور جنت میں جگہ دے گا۔

آپ نے کبھی بھی بغیر عذر نماز کیا بلکہ تکبیر اولیٰ ہی نہیں ترک فرمائی فرض نمازوں کے علاوہ آپ نفل نمازیں اتنی اتنی دیر تک پڑھتے تھے کہ نماز پڑھتے پڑھتے آپ کے پیروں میں ورم آجاتا تھا آپ نے فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

آپ کی وفات سے ایک سال قبل بنو ثقیف کا وفد آپ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے آیا مگر اسلام قبول کرنے سے پہلے ان لوگوں نے آپ سے ترک نماز کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا اُس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں، یعنی آپ نے ان لوگوں کی اس بات پر بات پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز حائل ہے جس نے نماز چھوڑ دی گویا وہ کفر کی حد میں داخل ہو گیا، دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے نماز قصداً ترک کی اس نے کفر کیا۔ (مشکوٰۃ)

قرآن پاک میں نماز کا ذکر

اوپر ذکر کیا گیا کہ قرآن پاک میں صرف نماز پڑھنے کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ تقریباً پچاس جگہ نماز کو قائم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو پورے حضور قلب اور اہتمام سے ادا کیا جائے۔ اقامت کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو درست کرنا سیدھا کرنا، تاکہ اس میں کوئی کمی اور کجی باقی نہ رہ جائے۔ اور حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ پورے شعور اور یکسوئی کے ساتھ اسے ادا کیا جائے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے بعد نماز شروع کرتا ہے تو اس کی پہلی دعا یہ ہوتی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ — اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کیجئے۔

اس طلب ہدایت کے جواب میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی پہلی ہی آیت میں یہ اعلان فرما دیا کہ یہ پوری کتاب تمہاری ہدایت کے لئے بھیجی جارہی ہے بشرطیکہ ہدایت طلب کرنے کا جذبہ صادق موجود ہو، ارشاد ہوتا ہے۔

ذَالِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (البقرہ)

یہ کتاب الٰہی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے یہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے سراپا ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے کہ ایمان بالغیب کے ساتھ اقامت صلوٰۃ یعنی نماز بھی اپنے شرائط وارکان کے ساتھ ادا کی جائے نماز کی ادائیگی کے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی۔

قرآن پاک میں تقریباً ۲۵ جگہ اَقَامَ الصَّلٰوةَ، اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، اور يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کے الفاظ کے ساتھ اور تقریباً ۱۲ / ۱۳ جگہ امر کے صیغے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یا اَقِمِ الصَّلٰوةَ کے ساتھ اور دو تین جگہ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ یا وَهُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ کے الفاظ کے ساتھ نماز کو خوب صورتی کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے اقامت صلوٰۃ اور حفاظت صلوٰۃ کے مفہوم کی کچھ وضاحت اوپر آچکی ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے ایک تحفہ ہے

دوسری عبادات کے احکام قرآن پاک یا حضور پاک کے ارشادات گرامی کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں مگر نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ قدس میں بلاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت کو یہ تحفہ عنایت فرمایا۔ اور پھر حضرت جبریل کو بھیج کر دو دن اس کا پورا طریقہ حضور کو سکھلایا، ایسا اہتمام کسی دوسری عبادت کے لئے نہیں کیا گیا۔ سورہ بنی اسرائیل جو معراج کے بعد ہی نازل ہوئی اس میں بڑے اہتمام سے نماز کے پانچوں وقتوں کا ایک

عجیب معجزانہ انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

(بنی اسرائیل)

نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کی نماز میں قرأت قرآن کا اہتمام کرو فجر کے وقت قرآن پڑھتے وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے اور حضور قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔

سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ادا کی جاتی ہے اور فجر کی نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس کا علیٰحدہ سے ذکر کیا گیا، یہاں چاروں نمازوں کا ذکر مختصر مگر معجزانہ طور پر کیا گیا ہے، دوسری آیات میں مزید وضاحت ہے سورج کے ڈھلنے کی ایک صورت زوال کے بعد ہوتی ہے جو ظہر کا وقت ہے دوسری ڈھلنے کی صورت اس وقت ہوتی ہے جب چیزوں کا سایہ اس کے برابر یا دگنا ہو جاتا ہے یہ عصر کا وقت ہوتا ہے، ڈھلنے کی ایک تیسری صورت اس کا غروب ہو جانا ہوتا ہے جو مغرب کا وقت ہے اور رات کے اندھیرے ہونے کے بعد عشاء کی نماز ہوتی ہے۔

قرآن پاک نے جن صفات کے حاملین کو فلاح یافتہ اور جنت الفردوس کا مستحق قرار دیا ہے ان میں پہلی صفت ایسی نماز ہے جو خشوع و خضوع اور حضور قلب کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المومنون)

وہ لوگ کامیاب ہوئے جو اپنی نمازیں خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

پھر فلاح پانے والوں کی چند صفات بیان کرنے کے بعد آخر میں کہا گیا۔

وَهُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ

وہ اپنی نماز کی پوری پوری حفاظت کرتے ہیں۔

نماز میں کوتاہی اور سستی کی مذمت

نماز کی ادائیگی کا جتنا اونچا مرتبہ ہے اسی اعتبار سے اس میں کوتاہی اور سستی و غفلت سے یا دکھاوے کی نماز پڑھنے والوں کی قرآن پاک میں بار بار مذمت

آتی ہے اور اسے منافقین کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (ماعون)

بڑی خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو دکھاوے کیلئے نماز پڑھتے ہیں

دوسری جگہ منافقین کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء)

جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور صرف دوسروں کے دکھاوے کیلئے نماز پڑھتے ہیں اس میں اللہ کی یاد بہت کم ہوتی ہے۔

تیسری جگہ ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (توبہ)

وہ نماز کے لئے بڑی بے دلی کے ساتھ آتے ہیں۔

حدیث نبوی میں نماز کی فضیلت

نماز کی فضیلت اور اس کے فوائد کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ارشادات گرامی موجود ہیں چند حدیثیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اور کفر کے درمیان نماز حائل ہے جس نے نماز کو چھوڑا تو کفر کی سرحد میں داخل ہوگیا۔

دوسری حدیث حضرت بریدہؓ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا وبینھم ترک الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام نہ قبول کرنیوالوں کے درمیان نماز کا معاہدہ ہے یعنی ایمان لانے کے بعد آدمی خود بخود اس معاہدہ میں داخل ہوجاتا ہے او

جب کسی نے نماز چھوڑ دی تو وہ اس معاہدہ سے نکل گیا۔

گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے جو معاہدہ کیا تھا اسے توڑ کر گویا بغاوت کی راہ اختیار کی اور یہ کافرانہ روش ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

فمن ترکھا متعمدا فقد خرج من الملۃ [1]

جس نے قصداً نماز ترک کی وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو گیا۔

ذکر آچکا ہے کہ قرآن پاک میں صرف نماز پڑھنے ہی کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اقامت صلوٰۃ اور حفاظت صلوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے اقامت و حفاظت کا مطلب جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے یہ ہے کہ اس کے شرائط اور آداب کا لحاظ کیا جائے دل لگا کر پورے اطمینان و سکون سے پڑھا جائے بے فکری و بے شعوری اور بے توجہی سے نہ پڑھا جائے ارشاد نبوی میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

انہ ذکر امر الصلوٰۃ یوما فقال من حافظ علیھا کانت لہ نورا وبرھانا ونجاۃ یوم القیامۃ ومن لم یحافظ علیھا لم تکن لہ نورا وبرھانا ولا نجاۃ وکان یوم القیامۃ مع قارون وفرعون وھامان وابی ابن خلف [2]

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز پورے اہتمام اور شعور کے ساتھ ادا کرے گا اس کے لئے دنیا و آخرت میں روشنی ہوگی (یعنی دنیا کے معاملات میں روشنی ملے گی اور آخرت میں بھی) اس کے لئے دنیا و آخرت میں رہنمائی ہوگی اور قیامت میں نجات کا ذریعہ ہوگی اور جس شخص نے نماز کو اہتمام اور فکر و توجہ سے ادا نہ کیا تو اس کے لئے نہ روشنی ہوگی اور نہ دلیل ہوگی اور نہ

[1] معارف الحدیث ج ۲ ص ۲۱۰ بحوالہ الطبرانی [2] ایضاً بحوالہ مسند احمد دارمی بیہقی فی شعب الایمان صـ۱۱۲

نجات کا ذریعہ ہوگی ایسا آدمی قیامت کے دن
قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کا سرغنہ امیہ
بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

کنز العمال میں معجم طبرانی اوسط کے واسطہ ایک روایت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے
حضور نے فرمایا۔

ان من حافظ علی ھولاء الصلوات الخمس المکتوبۃ فی جماعۃ کان اول من یجوز علی الصراط کالبرق اللامع و حشرہ اللہ اول زمرۃ من السابقین [1]	جس نے فرض نماز پورے اہتمام اور حضور قلب کے ساتھ ادا کیا ایسے لوگ تو سب سے پہلے پل صراط سے بجلی کی چمک کی طرح گزر جائیں گے اور وہ سابقین اولین کے ساتھ اٹھائے جائیں گے

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اجر و ثواب نماز باجماعت ادا کرنے والا اکیلے ہے۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز کی اہمیت ایک مثال دے کر ذہن نشین فرمائی۔
حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارایتم لو ان نھراً بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمساً ھل یبقی من درنہ شیٔ قالوا لا یبقی من درنہ شیٔ قال فذالک مثل الصلوات الخمس یمحوا اللہ بھن الخطایا [2]	فرمایا بتلاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو اور اس میں وہ ہر روز پانچ بار وہ غسل کرتا ہو تو اس کے بدن پر کیا کچھ بھی میل کچیل باقی رہے گی، پھر آپ نے فرمایا کہ یہی مثال پنجوقتہ نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ گناہوں کی میل کچیل کو دھو دیتا اور مٹا دیتا ہے۔

..یہی بات آپ نے ایک دوسری مثال دے کر ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی حضرت
ابوذر غفاری روایت کرتے ہیں کہ۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج زمن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردیوں

---

[1] کنز العمال ج، ص، ۵۶ [2] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم

الشتاء والورق یتھافت فاخذ بغصنین من شجرۃ قال فجعل ذالك الورق یتھافت قال فقال یاابا ذر قلت لبیك یارسول اللہ قال ان العبد المسلم لیصلی الصلوٰۃ یرید بھا وجہ اللہ فیتھافت عنہ ذنوبہ کما یتھافت ھذا الورق عن ھذا الشجرۃ[1]

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد بن حنبل مسند ابوذر کتاب الصلوٰۃ)

کے زمانے میں گھر سے باہر تشریف لائے اور خزاں کی وجہ سے درخت کے پتے خود جھڑ رہے تھے تو آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو دست مبارک میں لیا اور ان کو ہلایا تو ان سے پتے جھڑنے لگے پھر حضور نے مجھے آواز دی اے ابوذر میں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ آپ نے اسکے بعد ارشاد فرمایا جب مومن بندہ خالص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

نماز مغفرت کا ذریعہ ہے

نماز کا چھوڑنا آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور اسکی پابندی نمازی کو گناہوں سے پاک صاف کر دیتی ہے ظاہر ہے کہ جب بندہ گناہوں سے پاک ہوگیا تو پھر اس کے لئے بارگاہ قدوسی سے جنت کا دروازہ یقیناً کھول دیا جائے گا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم یتوضأ فیحسن وضوءہٗ ثم یقوم فیصلی رکعتین مقبلاً علیھما بقلبہ ووجھہ الا وجبت لہ الجنۃ

(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے پھر بارگاہ الٰہی میں کھڑا ہو کر دو رکعت نماز قلب و دماغ کی پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ ادا کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔

تنبیہ

یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ جب کسی عمل پر مغفرت اور جنت کے وعدے کا ذکر حدیث نبوی میں آتا ہے تو اس وقت ان حدیثوں کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے اور اگر کوئی حق اس کے ذمہ ہے تو اس کو دنیا ہی میں ان بندوں سے معاف کرا لینا ضروری ہے ورنہ اسکی مغفرت اور جنت میں داخلہ کے لئے یہ چیزیں حجاب بن جائے گی اگر دونوں طرح

کے ارشادات نبوی کو سامنے نہ رکھا جائے گا تو اسلامی تعلیمات میں جو اعتدال اور توازن ہے اس کا پورا اندازہ نہیں ہو گا ایک حدیث سے اسکی وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصلوٰت الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنبت الکبائر
(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم ص ۵۷)

پنجوقتہ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک کی نمازیں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں جب تک تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے۔

ایک دوسری روایت حضرت عثمان سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من امرئ مسلم تحضرہ صلوٰۃ مکتوبۃ فیحسن وضوءھا وخشوعھا ورکوعھا الا کانت کفارۃ لما قبلھا من الذنوب ما لم یوت کبیرۃ وذلک الدھر کلہ (مسلم، معارف ج ۲ ص ۱۱۶)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرض نماز کا جب وقت ہو جاتا ہے اور ایک مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور خشوع کے ساتھ وہ نماز ادا کرتا ہے تو پچھلے گناہ کے لئے یہ نماز کفارہ ہو جاتی ہے، جب تک کوئی گناہ کبیرہ نہ ہو۔

نماز کے اوقات کی تعیین

عبادات میں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کے اوقات مقرر فرمائے ہیں قرآن پاک میں ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا

بیشک نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔

پھر یہ حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیج کر ان کی امامت میں ہر نماز کے اول و آخر وقت کی تعیین فرمادی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امنی جبریل عند البیت مرتین فصلی بی الظھر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراک وصلی العصر حین صار ظل کل

حضرت جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس دو دن اپنی امامت میں مجھے نماز پڑھائی پہلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا او

مثلى مثله وصلى بى المغرب حين
افطر الصائم وصلى بى العشاء
حين غاب الشفق وصلى بى الفجر حين
حرم الطعام والشراب على الصائم
فلما كان الغد صلى بى الظهر حين
كان ظله مثله وصلى بى العصر
حين كان ظله مثليه وصلى بى
المغرب حين افطر الصائم وصلى
بى العشاء الى ثلث الليل و
صلى بى الفجر فاسفر ثم
التفت الى فقال يا محمد (صلى
الله عليه وسلم) هذا الوقت
الانبياء من قبلك، والوقت ما بين
هذين الوقتين [3]

چیزوں کا سایہ ایک بالشت آگیا[1] اور عصر کی نماز
اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے
برابر ہوگیا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی
جب روزہ دار روزہ افطار کرتے ہیں[2] یعنی غروب کے
بعد فوراً اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب
شفق غائب ہوگئی اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی
جب روزہ دار سحری سے فارغ ہوجاتے یعنی غلس
میں جب دوسرا دن ہوا تو مجھے ظہر کی نماز اس وقت
پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اسکے برابر ہوگیا اور
عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز
کا سایہ دوگنا ہوگیا اور مغرب کی نماز پہلے دن
کے مطابق پڑھائی اور عشاء کی نماز تہائی رات
جانے کے بعد پڑھائی اور فجر کی نماز اجالا ہونے
کے بعد پڑھائی یعنی اسفار میں پھر مجھ سے مخاطب
ہوکر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگلے انبیاء کی
عبادت کے اوقات یہی تھے پانچوں نمازوں کے
اوقات انہی دونوں حدوں کے درمیان ہیں۔

اسوۂ نبوی

قرآن پاک کے حکم کے مطابق آپ نے اپنے ارشادات گرامی کے ذریعہ نہ صرف نماز کی اہمیت صحابہ کرامؓ کے ذہن نشین کرائی بلکہ عملاً بھی اسکی تعلیم فرمائی اور اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ اس کا نمونہ پیش فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت

---

[1] سایہ اصلی کے علاوہ [2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی طرح روزہ پر بھی عمل مکہ میں شروع ہوگیا تھا البتہ فرض ہجرت کے بعد ہوا۔

[3] مشکوٰۃ باب المواقیت اور کنز العمال ج ، ص ۳۵ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد، مستدرک، حاکم۔

ہے کہ۔

ان رجلا دخل المسجد ورسول
الله صلى الله عليه وسلم جالس
في ناحية المسجد فصلى ثم جاء
فسلم عليه فقال وعليك السلام
ارجع فصل فانك لم تصل ثم جاء
فسلم فقال وعليك السلام
ارجع فصل فانك لم تصل
فقال في الثالثة او في التي بعدها
علمني يا رسول الله فقال اذا
قمت الى الصلوٰة فاسبغ الوضوء
ثم استقبل القبلة فكبر ثم
اقرأ بما تيسر معك من
القرآن ثم اركع حتى تطمئن
راكعا ثم ارفع حتى
تستوي قائما ثم اسجد
حتى تطمئن ساجدا
ثم ارفع حتى تطمئن
جالسا ثم افعل ذلك
في صلوٰتك كلها

(بخاری ومسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی اس کے بعد وہ حضور کی خدمت میں آیا اور سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا جاؤ پھر نماز پڑھو نماز جیسی پڑھنی چاہیے تم نے اس طرح نہیں پڑھی وہ گیا اور پھر نماز دوبارہ پڑھی اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دے کر پھر فرمایا کہ جاؤ نماز پھر پڑھو نماز ٹھیک طرح نہیں پڑھی تیسری بار بھی آپ نے یہی فرمایا اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضور آپ مجھے نماز پڑھنی سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف اپنا رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر نماز شروع کرو اسکے بعد جو قرآن پاک تمہیں یاد ہو اس میں سے کچھ حصہ پڑھو (اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھو پھر جو قرآن یاد ہو اس میں سے کچھ حصہ پڑھو) پھر قرآن پڑھنے کے بعد رکوع کرو اور پورے اطمینان کے ساتھ رکوع کرو اور پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اطمینان کر لو اور پھر سجدہ کرو اور سجدہ میں پورے اطمینان

سے دعا پڑھو اور پھر پورے اطمینان کیساتھ
بیٹھ جاؤ اور پھر پوری نماز میں ایسا ہی کرو۔[۱]

اس حدیث میں آپ نے نہ صرف نماز کی تعلیم دی بلکہ اسے اطمینان وسکون کیساتھ ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس پہلو پر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی جلد پنجم میں جو کچھ لکھا ہے اس کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

"تمام انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاص تفوق حاصل حاصل ہے وہ یہ ہے کہ آپ جو شریعت لے کر آئے اسکی صورت صرف نظری اور خیالی نہ تھی اور نہ وہ کسی حیثیت سے مبہم اور مجمل رہی بلکہ آپ نے اپنے عمل اور طریقہ سے اس کی پوری تشریح فرما دی اور خود عمل فرما کر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسکی تعمیل کرا کے اس کے متعلق ہر قسم کے پیدا ہونے والے شک وشبہہ کی جڑ کاٹ دی اسلام نے جس روزانہ طریق عبادت کو پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اسکے تمام ارکان وآداب وشرائط وتعداد کی پوری تشریح فرما دی اور ان میں سے ہر چیز ناقابلِ شک قولی وعملی تواتر کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی نماز کس طرح سے پڑھنی چاہیئے، اس میں کیا کیا پڑھنا چاہیئے، کن کن وقتوں میں پڑھنی چاہیئے کس وقت کی نماز کتنی رکعتیں ہیں ان میں سے ہر چیز کی آپ نے آسان زبان میں تشریح فرما دی، صحابہ کو تلقین کی اور نبوت کی پوری زندگی نماز کے فرض ہونے کے بعد گزری، ایک دن، دو دن نہیں کم ازکم مدینہ میں متصل دس برس تک ہر روز پانچ دفعہ

---

[۱] یہ جن صحابی کا واقعہ ہے ان کا نام دوسری روایتوں میں خلاد بن رافع آیا ہے اس میں آپنے قرأت کے بعد رکوع، قومہ سجدہ اور جلسہ وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے، عام طور پر انہی ارکان میں لوگ عجلت سے کام لیتے ہیں اور انہوں نے بھی کیا۔ اسی لئے آپ نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی ان ارکان میں تعدیل نہ کرنے کی وجہ سے نماز خراب ہو جاتی ہے۔ رکوع اور سجدہ وغیرہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ صحابی ان سے واقف تھے اس لئے اس کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا۔

تمام مسلمانوں کے سامنے پورے اعلان کے ساتھ ادا فرماتے رہے یہانتک کہ مرض الموت میں بھی اس میں تخلف نہ ہوا اور آخری سانس تک اسی طرح بدستور اس پر عمل ہوتا رہا، مدینہ کی مسجد نبوی اور تمام اسلامی مسجدوں میں پنجوقتہ نماز کے اعلان کی آوازیں بلند ہوئیں اور ہر روز پانچ دفعہ ہر جگہ جہاں اسلام کا کلمہ پڑھا جاتا تھا، یہ فرض ادا ہوتا تھا آپ کے بعد تمام خلفاء راشدین اور تمام پیروان محمدی جہاں بھی رہے اور جہاں بھی پہنچے اسی طرح دن میں پانچ بار علی الاشہاد سفر و حضر میں تمام عمر ادا فرماتے رہے کیا ایسی علی الاعلان متواتر اور دائمی چیز میں کسی کو شک واقع ہو سکتا ہے یہ اہتمام، یہ اعلانیہ استمرار اور یہ تاکید بلیغ اس لئے فرمائی تاکہ جس طرح دوسرے پیغمبروں کا طریقہ عبادت ان کے پیروؤں کے ترک عمل سے مشتبہ اور عدم صحت نقل سے مشکوک ہو گیا، خاتم الانبیاء کی شریعت آخرین کا طریق عبادت اس سے محفوظ رہے کیونکہ اگر آپ کی اس شریعت میں شک پڑ جاتا تو پھر کوئی دوسری نبوت آکر اس کی تجدید و اصلاح کرنے والی نہ تھی، چنانچہ اسی بنا پر آج تک تمام پیغمبروان محمدی میں آپ کی یہ تمام سنتیں اور اس کے ضروری اور اہم متعلقہ ارکان و شرائط و احکام روایۃً متواتر اور عملاً محفوظ و قائم ہیں۔[1]

حضرت الاستاذ نے نماز کے سلسلہ میں اوپر جن اسوہائے حسنہ کی طرف اشارے کئے ہیں ان کی کچھ تفصیل صحابہ کرام کی زبان سے ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ سے نماز
یستفتح الصلوٰۃ بالتکبیر والقرأۃ	شروع فرماتے اور قرأت کا آغاز الحمد للہ رب العٰلمین
بالحمد للہ رب العٰلمین وکان اذا رکع لم	یعنی سورہ فاتحہ سے کرتے تھے اور جب آپ
یشخص راسہ ولم یصوبہ ولکن	رکوع فرماتے تو سر کو نہ اوپر کو اٹھاتے اور نہ نیچے

---

[1] سیرت النبی جلد ۵ ص

بين ذالك وكان اذا رفع راسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما وكان اذا رفع راسه من السجدة لم يسجد حتى يستوى جالسا وكان يقول فى كل ركعتين التحية وكان يفترش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى من عقبة الشيطان وينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلوٰة بالتسليم

(مسلم)

کو جھکاتے بلکہ درمیان میں رکھتے تھے (یعنی کمر کے برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے جب تک اطمینان کے ساتھ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہ فرماتے جب تک اچھی طرح اطمینان سے سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر التحیات پڑھتے اور بیٹھنے میں اپنا بایاں پیر بچھا لیتے اور داہنا پیر کھڑا رکھتے اور آپ عقبۃ الشیطان[1] یعنی شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے اور اس سے بھی منع فرماتے کہ دونوں کہنیوں کو زمین پر بچھا دی جائیں جس طرح درندے اور جانور کرتے ہیں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی نماز کا ایک اجمالی نقشہ بیان فرمایا ہے اس لئے اس میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اور سورتوں کے پڑھنے یا رکوع، قومے، سجدے اور جلسہ وغیرہ میں دعائیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے مگر دوسری روایتوں میں اس کی پوری تفصیل آتی ہے چند روایتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عن سُلیمان بن یسار عن ابی هُریرة قال ماصلیت وراء

سلیمان بن یسار (تابعی) حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے زمانے کے

---

[1] اس حدیث میں عقبۃ الشیطان جیسی بیٹھک سے منع فرمایا ہے اور دوسری روایت میں اقعاء الکلب کا لفظ آیا ہے یعنی کتے کی طرح نہ بیٹھے اسکی صورت یہ ہے کہ دونوں ایڑیاں کھڑی کر کے دونوں پیروں کے پنجے کے بل بیٹھے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

احد اشبه صلوة برسول الله
صلى الله عليه وسلم من فلان
قال سليمان صليت خلفه
فكان يطيل الركعتين الاوليين
من الظهر ويخفف الاخريين
ويخفف العصر ويقرأ في المغرب
بقصار المفصل ويقرأ في العشاء
اوساط المفصل ويقرأ في الصبح
بطوال المفصل ؎۱

ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس امام کے علاوہ کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے ان صاحب کے پیچھے نماز پڑھی ان کا معمول تھا کہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز بھی ہلکی پڑھتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر کی نماز میں عموماً طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عموماً معمول انہی سورتوں کے پڑھنے کا تھا اگرچہ کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نمازوں میں کچھ مصالح اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنا پسند فرمایا لیکن قطعی طور پر نہ اس کی تعیین فرمائی اور نہ دوسروں کو تاکید کی۔ اگر کوئی اس سلسلہ میں آپ کا اتباع کرے اور وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے تو بہتر ہے جو ایسا نہ کرے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے" ؎۲

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی فرض نمازوں اور نفل نمازوں کی اہمیت و کیفیت کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے، چند اسوۂ نبوی جن کی طرف حضرت الاستاذ نے اشارے کئے ہیں وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

؎۱ نسائی معارف الحدیث۔ مفصل قرآن پاک کی آخری سورتوں کو کہا جاتا ہے اس کے تین حصے ہیں سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کو طوال مفصل کہا جاتا ہے اور سورہ بروج سے سورہ بینہ یعنی لم یکن تک کی سورتوں کو اوساط مفصل کہا جاتا ہے اور سورہ زلزال سے آخر تک قصار مفصل کہا جاتا ہے ؎۲ حجۃ اللہ البالغہ مقصد دوم

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا

قرۃ عینی فی الصلوٰۃ — میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

ہمارے قلب کو نماز سے سکون بہت کم حاصل ہوتا ہے مگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون قلب نماز ہی میں سے ملتا تھا، نماز میں قلب و دماغ کو سکون ملنا ایک اچھی علامت ہے اور نہ سکون ملنا بہت بری علامت ہے اس کسوٹی پر ہم کو اپنی نمازیں پرکھتے رہنا چاہیے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر صلی[1] (مشکوٰۃ ص۱۱۱ بحوالہ ابوداود) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول تھا کہ جب کوئی پریشانی یا اہم معاملہ پیش آجاتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اہم معاملات میں نماز اور صبر سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو۔ یہ تعمیل تھی مذکورہ ارشادات الٰہی کی۔

عام طور پر پریشانی کے وقت ہماری نظر مادی تدبیروں پر تو جاتی ہے مگر ہم صبر و صلوٰۃ سے بہت کم مدد چاہتے ہیں، حالانکہ یہ تمام تدبیروں سے قوی تدبیر ہے۔

نماز میں آپ کی کیا کیفیت ہوتی تھی مطرف بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وفی صدرہ ازیز کازیز المرجل من البکاء صلی اللہ علیہ وسلم[1] — میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا رقت کی وجہ سے ان کے سینے سے اسطرح آواز آتی تھی جیسے ہانڈی کے ابلنے کی آواز آتی ہے

حضرت عائشہ آپ کی نماز کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی لیلاً طویلاً قائماً ولیلاً طویلاً — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں بہت دیر تک کھڑے ہو کر نفل ادا فرماتے اور پھر بہت

---

[1] ایک روایت میں رحی (چکی) کا لفظ آیا ہے یعنی جس طرح چکی کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن الکلام فی الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۳

قاعداً فاذا صلی قائماً رکع قائماً واذا صلی قاعداً رکع قاعداً[1]

دیر تک بیٹھ کر ادا فرماتے اور جب کھڑے ہو کر ادا فرماتے تو رکوع کھڑے ہونے کی حالت میں کرتے اور جب بیٹھ کر ادا فرماتے تو رکوع بیٹھ کر کرتے۔

انہی سے دوسری روایت ہے کہ عبداللہ بن شقیق نے ان سے سوال کیا۔

اکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرا السور فی رکعۃ قالت المفصل قلت وکان یصلی قاعدا قالت حین حطمہ الناس[2]

عبداللہ ابن شقیق نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ کئی کئی سورتیں ایک رکعت میں تلاوت فرماتے انہوں نے کہا کہ ہاں مفصل کی سورتیں کئی کئی ایک رکعت میں تلاوت فرماتے، پھر پوچھا کہ آپ بیٹھ کر بھی نفل پڑھتے تھے تو حضرت عائشہ نے کہا کہ جب آپ کے قویٰ کمزور ہو گئے اس وقت بیٹھ کر ہی نفل پڑھتے۔

اسوۂ صحابہ

نماز کی اہمیت اور اس کی فضیلت کے سلسلے میں اوپر قرآن پاک کی آیات ارشادات نبوی اور اسوۂ نبوی کی روشنی میں کچھ تفصیل کی گئی ہے اب ایک نظر اسوۂ صحابہ پر بھی ڈال لی جائے جو اسوۂ نبوی کے زندہ نمونہ تھے۔

عبداللہ بن شقیق تابعی بیان کرتے ہیں کہ۔

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ[3]

صحابہ کرام تمام اعمال میں نماز ہی کے ترک کرنے کو کفر تصور کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی مملکت کے تمام صوبہ کے امراء اور ذمہ داروں کو تحریری طور پر تاکیدی انداز میں یہ ہدایت روانہ فرمایا کرتے تھے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن الکلام فی الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۳ [2] یہ ایک محاورہ ہے۔
[3] مشکوٰۃ ص ۵۹ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ ترمذی۔

انه کتب الی اعماله ان اهم امورکم عندی الصلوٰۃ من حفظها وحافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو مما سواها اضیع[1]

انہوں نے اسلامی مملکت کے تمام ذمہ داروں کو فرمان بھیجا کہ جو فرائض آپ لوگوں کے سپرد ہیں میرے نزدیک ان میں سب سے اہم فرض نماز ہے جو خود اس کی حفاظت کرے گا اور دوسروں سے کرائے گا تو پورے دین کی حفاظت کرے گا اور جو اسے ضائع کرے گا وہ دوسرے فرائض کو بدرجہ اولیٰ ضائع کرے گا۔

عبداللہ بن عدی ابن الخیار بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کو باغیوں نے گھیر رکھا تھا ان کی خدمت میں میں گیا اور کہا کہ آپ خلیفہ اور امام تھے اس وقت ہم آپ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے اور اس وقت جس صورت حال سے آپ دوچار ہیں اس میں ہم کو ایک فتنہ گر نماز پڑھا رہا ہے جس سے ہم کو سخت ناگواری ہے تو آپ نے فرمایا۔

الصلوٰۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم وان اساؤا فاجتنب اساءتهم[2]

نماز سب سے بہترین عمل ہے جب لوگ اس کو ادا کر رہے ہیں تو تم بھی اس کے ساتھ ادا کرو اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرنے لگیں تو تم ان کی کوتاہی سے دور رہو۔

یہ غیر معمولی کردار اور گہرے دینی احساس کا اظہار نور نبوت کی ضیا باری ہی سے ممکن تھا کہ ایک طرف کچھ لوگ اسلامی اجتماعیت کو پاش پاش کرنے کے لئے ان کو بے دست و پا کر کے ان کی زندگی کے درپے تھے، دوسری طرف اس نازک حالات میں بھی انھوں نے پوچھنے والے سے نماز جو اسلامی اجتماعیت کا سب سے نمایاں نشان ہے اس کو تھامے رہنے کی تاکید فرمائی۔

صحابہ کرام سخت سے سخت حالات میں بھی نماز ترک نہ کرتے۔ عبداللہ ابن انس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عرنہ کی طرف خالد بن سفیان الہذلی کو قتل کر دینے کیلئے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۹ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ موطا امام مالک [2] بخاری ج ۱ ص ۹۶ باب امامۃ المفتون

روانہ فرمایا جو مسلمانوں کے قتل کے لئے فوجی تیاری کر رہا تھا وہ کہتے ہیں کہ جب میں قریب پہنچا اور اسے دیکھا تو عصر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا میں نے دل میں سوچا کہ میں اس پر حملہ آور ہوں گا تو معلوم نہیں میرا کیا انجام ہو اسلئے اس حالت میں بھی نماز کی نیت باندھ لی اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتا رہا اور اشارہ سے نماز پڑھتا رہا جب قابو پالیا تو اس کا کام تمام کردیا۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تو تمام صحابہ دکانیں اور کاروبار بند کر کے مسجد چلے جاتے قرآن پاک کی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ تجارت اور کاروبار ان کو اللہ کے ذکر سے یعنی نماز سے غافل نہیں کرتا۔

حضرت سفیان ثوری صحابہ کے بارے میں فرماتے تھے۔

کانو یتبایعون ولا یدعون الصلوٰۃ المکتوبات فی الجماعۃ [۲]

صحابہ کاروبار اور خرید و فروخت کرتے تھے مگر نماز فرض جماعت سے کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

بخاری میں ہے کہ جب اذان ہوتی تھی تو صحابہ اتنی تیزی سے مسجد کی طرف دوڑتے تھے کہ ایک شور سا مچ جاتا تھا۔[۳]

بسا اوقات حضرت عمرؓ پر امامت کی حالت میں بھی رقت طاری ہو جاتی تھی عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں۔

سمعت نشیج عمروانا فی اٰخرالصفوف یقرأ اِنَّمَا اَشْكُوا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ [۴] (یوسف)

میں نے نماز میں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی حالانکہ میں جماعت کی آخری صف میں تھا۔ وہ یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ میری پریشانی اور غم سب اللہ کے حوالہ ہے پڑھ رہے تھے۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ۔

---

[۱] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الطالب ص۱۷۱ [۲] اسوۂ صحابہ باب نماز پنجگانہ [۳] ایضاً بحوالہ بخاری شریف [۴] بخاری شریف باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ

لم يكن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم متحزقين ولا متماوتين وكانوا يتناشدون الشعر في مجالسهم ويذكرون امر جاهليتهم فاذا اريد احد منهم على شئ من امر الله دارت حماليق عينه كانه مجنون

(الادب المفرد)

صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم بہت خشک مزاج اور مردہ دل نہیں تھے وہ اپنی مجلسوں میں اشعار بھی پڑھتے تھے اور جاہلیت کے واقعات بیان کر کے ہنستے بولتے بھی تھے مگر جب دین کا کوئی حکم ان میں سے کسی کے سامنے آجاتا تو ان کی آنکھیں بدل جاتیں اور مجنونانہ انداز میں اس طرف دوڑ پڑتے

یعنی اگر اذان ہو جاتی یا دین کے کسی اجتماعی کام کے لئے بلایا جاتا تو بالکل وہی لوگ جو تفریحی باتوں میں لگے تھے گویا دوسرے آدمی بن جاتے اور اس کام کے لئے پروانہ وار دوڑ پڑتے۔

محمد عبد الرحیم قریشی
• صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت
• سکریٹری - آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

قرآن مجید کے خلاف نئی یہودی مسیحی سازش

قرآن مجید کا اعجاز و امتیاز

ان صحیفوں میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمائے ان میں قرآن مجید کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ۔

• قرآن مجید اسی زبان میں اور سورتوں اور آیتوں کی اسی ترتیب میں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی، موجود ہے اور پڑھا جاتا ہے۔

• قرآن مجید کی زبان عربی زندہ زبان ہے جو ایشیا اور یورپ و افریقہ کے کئی ممالک کے عوام کی بول چال اور لکھنے پڑھنے کی زبان ہے، اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کے دینی علوم سے واقف اصحاب اس زبان سے واقف ہیں ان علوم کی تحصیل کے لئے یہی زبان استعمال کی جاتی ہے۔

• قرآن مجید کا اسلوب، محاورہ اور طرز بیان عربی زبان میں علمی تحریروں کے لئے معیار ہے مختلف عرب عوام کا لب ولہجہ، روزمرہ اور بول چال کا انداز مختلف ہونے کے باوجود، تحریر، علم و ادب کی زبان کے لئے قرآن کی زبان ہی معیار ہے۔ مغربی استعمار (سامراج) کے زیر اثر عیسائی عربوں کی جانب سے اسلوب، محاورہ، اور طرز بیان کو بدلنے کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ مختصر یہ کہ قرآن کے نزول کے وقت جو عربی بولی، لکھی اور پڑھی جاتی تھی وہ عربی آج بھی موجود اور زندہ ہے اور رہے گی۔

دوسرے صحائف کی موجودہ حالت

قرآن مجید کی یہ خصوصیات دوسرے صحیفوں میں نہیں پائی جاتیں۔

- یہ صحیفے اپنی اصلی حالت میں دنیا میں کہیں بھی موجود نہیں ہیں۔
- یہ صحیفے جن زبانوں میں نازل ہوتے تھے وہ زبانیں مردہ ہوچکی ہیں کہیں بھی عوام بول چال کے لئے استعمال نہیں کرتے۔
- جب اصلی صحیفے ہی نہیں ملتے تو ان کی زبان کے اسلوب، محاورے اور طرزبیان کے اب بھی قابل فہم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر کہا گیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں میں من مانی تبدیلیاں کرلیں، ان کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور ان کو گنوا دیا۔ یہ صرف الزام نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہے مسلمان، عیسائی، اور یہودی تینوں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی تھی۔ خود یہودی مورخین اور اسکالرس یہ اعتراف کرتے ہیں کہ جو توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اس کے نسخے برباد ہوگئے۔ بابل کے حکمران بخت نصر نے فلسطین پر قبضہ کے بعد تمام نسخوں کو ضائع کردیا اور جلوا دیا، ایک نسخہ بھی نہ چھوڑا۔ بعد میں عذرا نبی EZRA نے حافظہ سے املا کروایا (ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہوں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے) بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کے بارے میں جنھیں پنج کتب (Pentateuch) کہا جاتا ہے کہ یہ توریت کے ابواب ہیں۔ ان کو پیدائش، خروج، قانون، اعداد و شمار یا گنتی اور تنبیہ کہا جاتا ہے۔ پانچویں کتاب تنبیہ کے بارے میں خود یہودی اور عیسائی اسکالر یہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً (۶۰۰) چھ سو سال بعد شامل کی گئی اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیماری، وفات، تدفین اور بعد کے واقعات ملتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے۔ ان کتابوں میں کئی مقامات پر بعض ابواب کے حوالے اور ان کے نام بھی ملتے ہیں۔ ان ابواب کا بائبل کے عہد نامہ عتیق (old Testament) میں سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ابواب نکال دیئے گئے۔ عبرانی (Hebrew) زبان مردہ ہوچکی تھی، یہودیوں نے "جیسا دیس ویسا بھیس" کے اصول کو اپناتے ہوئے رومیوں کے ہاتھوں فلسطین سے نکال دیئے جانے کے بعد پڑھنے لکھنے کے لئے اس ملک کی زبان کو اپنایا جس میں وہ بس گئے، البتہ اپنی شناخت کو باقی رکھنے کے لئے آپسی بول چال کے لئے (Yiddish) عیدیش نامی بولی اختیار کی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد

عبرانی (Hebrew) کے احیاء کی کوششیں شروع ہوئیں تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے اسلوب، محاورے اور طرزِ بیان کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

انجیلوں کی کیفیت

بائبل کے دوسرے حصہ عہد نامہ جدید (New Testament) میں چار کتابیں شامل ہیں جن کو انجیل (Gospel) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو اپنے مرتبین متی (mathew)، مرقس (Mark)، لوقا (Luke) اور یوحنا (John) کے ناموں سے منسوب ہیں۔ ایک دور میں ستر (۷۰) سے زیادہ انجیلیں رائج تھیں۔ ان میں سے ان چار کو زیادہ معتبر سمجھ کر منتخب کیا گیا اور باقی کو رد کر دیا گیا۔ رد کی گئیں انجیلوں میں سے کئی پاپائے روم (Pope) کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ اس انتخاب کے بارے میں مشہور فرانسیسی مؤرخ والٹیر (voltaire) نے لکھا ہے کہ ساری انجیلوں کو جمع کر کے ایک میز پر رکھ دیا گیا اور زور سے ہلایا گیا۔ جو انجیلیں میز سے نیچے گر گئیں انھیں رد کر دیا گیا اور جو چار رہ گئیں انھیں منتخب کر لیا گیا۔ عیسائی مذہبی پیشوا والٹیر کو جھوٹا قرار دیتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ ان چار کو منتخب کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا گیا۔

بہر حال اس پر عام اتفاق ہے کہ یہ انجیلیں (Gospels) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہیں۔ ریڈرس ڈائجسٹ کے ادارے سے حال (۱۹۹۶) میں شائع کی گئی 'فیملی انسائیکلوپیڈیا آف ورلڈ ہسٹری' میں ان اناجیل کو 'انجیل نگاروں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا سے منسوب عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو تذکرہ ' کہا گیا ہے۔

Accounts of Jesus' life Ascribed to the Evangelists

mathew, mark, luke And John (P. 74 صفحہ ۷۴)

یہ کتابیں جنھیں انجیل کا نام دیا گیا ہے وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرامی (Aramaic) تھی۔ یہ زبان مردہ ہو چکی ہے اس زبان میں ان کتابوں کا کوئی نسخہ نہیں ملتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سریانی (Syriac) زبان بھی جانتے تھے۔ اس زبان میں بھی کوئی نسخہ موجود نہیں ہے اور یہ زبان بھی مردہ ہو چکی ہے۔ قدیم ترین جو نسخے ملتے ہیں وہ یونانی زبان میں کئے گئے ترجمے یا پھر پانچویں

صدی میں سینٹ جیروم (ST. Jerome) کے لاطینی ترجمے کی نقلیں ہیں۔ مختصر یہ کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ آج دنیا میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

قرآن کے خلاف معاندانہ رویہ

قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات کو جو روز روشن کی طرح واضح ہیں قبول اور تسلیم کرنے کے بجائے یہودی اور مسیحی مذہبی پیشواؤں اور اصحاب علم نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور یہ ثابت کرنے کے لئے سازشیں کی گئیں اور بعض اوقات جھوٹ کا سہارا لیا گیا کہ قرآن مجید بھی اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے اور اس میں بھی کمی و زیادتی اور تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ مگر ہر مرتبہ ایسی سازش ناکام ہوئی، یورپ میں جہاز رانی، سمندری تجارت اور صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی نئی منڈیوں کی تلاش اور معاشی استحصال کے لئے افریقہ اور ایشیا کے علاقوں کو محکوم بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ان علاقوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی کوششیں شروع ہوئیں۔ بہت جلد محسوس ہوا کہ افریقہ اور ایشیا کے ان عوام کو جو مسلمان ہیں عیسائی بنانا انتہائی مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وابستگی اور قرآن مجید سے ان کا رابطہ ایسی کوششوں کو ناکام بنا دیتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مسخ کرنے اور قرآن مجید کے بارے میں گمراہ کرنے کی سازش شروع ہوئی! استشراق (orientalism) یا (oriental studies) کا مقصد ہی مغربی سامراجیت اور نوآبادیت (colonialism) کی خدمت کرنا تھا، اس مقصد کے تحت مستشرقین (orientalists) نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ اور عالم اسلام کے چپہ چپہ سے علمی ذخیروں کو یورپ منتقل کرنا شروع کیا۔

میونک یونیورسٹی کا قرآن پر پراجیکٹ

مستشرقین نے قرآن مجید سے مسلمانوں کے ربط کو کمزور کرنے کے لئے کئی بار سازشیں کیں، ان میں سے اس صدی کی ایک سازش کا ذکر مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے خطبات بھاول پور میں کیا ہے کہ جرمنی کے عیسائی پادریوں نے یہ سوچ کر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی آرامی زبان کی انجیل دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے، یونانی مخطوطوں کو جمع کرنے اور ان کا آپس میں مقابلہ کرنے کی اسکیم بنائی جس سے

یہ بات سامنے آئی کہ صرف یونانی مخطوطوں کے درمیان کوئی دولاکھ اختلافی روایتیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس تجربے کے بعد قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا، چنانچہ میونک یونیورسٹی میں قرآن مجید پر تحقیقات کا ایک ادارہ قائم کیا گیا جس میں قرآن مجید کے قدیم نسخوں کو خرید کر یا ان کی فوٹو لے کر جمع کرنے کا سلسلہ تین نسلوں تک چلتا رہا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ۱۹۳۳ء میں پیرس میں اس ادارے کے تیسرے ڈائرکٹر پروفیسر پرتیل (Pretzl) سے ملاقات کرنے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ اس وقت تک قرآن مجید کے بیالیس ہزار (42 ہزار) نسخوں کے فوٹو جمع ہو چکے تھے اور مقابلہ کا کام جاری تھا۔ دوسری عالمی جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ مقابلہ کا کام ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں مگر اختلاف روایت ایک بھی نہیں ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ برباد ہو گیا۔

(خطبات بھاولپور۔ خطبہ ۱، صفحات ۱۹ و ۲۰)

صحائف کی تاریخ کا گمراہ کن نظریہ

مذہبی صحائف کے اصلی حالت میں ناپید ہونے مختلف نسخوں کے درمیان فرق بلکہ تضادات کے ملنے کی وجہ سے ایک بڑی الجھن پیدا ہوئی کہ کس طرح ان کو کلام الٰہی (Word of God) مانا جائے۔ ان خامیوں کی تاویل کے لئے مذہبی صحائف کے ارتقا کی تاریخ کا نظریہ پیش کیا گیا کہ ہر مذہبی کتاب میں زمانے کے گزرنے کے ساتھ تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ کچھ حصے چھوڑ دیئے جاتے ہیں کچھ اضافہ کر دیئے جاتے ہیں، مگر پیام وہی رہتا ہے اس نظریہ میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ کوئی مذہبی کتاب اپنی اصلی حالت میں جوں کی توں موجود نہیں ہے لیکن اس کے اہم اور ضروری اجزا موجودہ نسخوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔ تاریخ، کا یہ نظریہ یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر مذہبی گروہوں کے صحیفوں کی موجودہ کیفیت و حالت کو قابل قبول بنانے میں بڑا کارآمد اور مفید ثابت ہوا۔

قرآن کی اصلی حالت میں موجودگی سے اس نظریے کے ماننے والوں میں حسد کی کیفیت پیدا

ہوئی اسی کے لئے انہوں نے اس نقطۂ نظر کو عام کرنا شروع کیا کہ قرآن کی بھی تاریخ ہے یعنی کئی ارتقائی ادوار سے گزرنے کے بعد قرآن موجودہ حالت میں آیا ہے۔ بعض سادہ لوح یہ سمجھ کر کہ اس سے مراد جمع قرآن کی تاریخ ہے کہ کس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کو ایک جلد میں جمع کیا گیا اور کس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اس جلد کی نقلیں کروا کر بلاد اسلامیہ بھی پھیلا دی گئیں اور قریش کے لب و لہجہ میں تلاوت پر ساری امت کو جمع کیا گیا، یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہاں قرآن کی بھی تاریخ ہے۔ اس فریب سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

قرآن کے مختلف نسخہ کی داستان

صحائف کی تاریخ کے اس گمراہ کن نظریے کو قرآن پر چسپاں کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ کسی ایسے قدیم نسخے کو سامنے لایا جائے جو قرآن سے مختلف ہو۔ اسی سال جنوری میں یہ اعلان کیا گیا کہ قرآن کے قدیم نسخوں کے اوراق مل گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ترین نسخے مختلف تھے بتایا جاتا ہے کہ یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ۱۹۷۲ء میں جامع مسجد کی مرمت کے دوران ایک قبر کا پتہ چلا جس پر کوئی کتبہ نہیں تھا اور اس قبر میں سے جانوروں کی جھلیوں اور کاغذوں کا ایک بوسیدہ ذخیرہ ملا۔ یہ پرانی ہاتھ سے لکھی کتابوں کے پھٹے، پرانے اور سڑے گلے اوراق تھے۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی اسمٰعیل الاکوع نے جو آثار قدیمہ کے ذمہ دار تھے ان کی جانچ اور ان کے تحفظ کے لئے بین الاقوامی امداد کی درخواست کی۔ ۱۹۷۹ء میں ایک جرمن اسکالر کو دلچسپی پیدا ہوئی اور اس نے جرمنی حکومت کو درکار فنڈ فراہم کرنے اور ان کی جانچ اور تحفظ کے کام کو ہاتھ میں لینے پر آمادہ کر لیا۔ یہ ذخیرہ لاکھوں اوراق پر مشتمل تھا۔ جس میں سے ۱۹۸۰ء کے اوائل تک پندرہ ہزار اوراق کو سیدھا کر کے صاف کیا گیا اور کیمیاوی مرکبات لگا کر آئندہ ہزار سال برسوں کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ ۱۹۹۶ء میں ان اوراق کی ۳۵ ہزار سے زیادہ مائیکرو فلم تصویریں لی گئیں۔

یمنی نسخوں کا شاخسانہ

یمن میں دستیاب عربی زبان کے پرانے و بوسیدہ اوراق کے بارے میں یورپ اور امریکہ کے ماہرین اسلامیات (Islamists) کے درمیان اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا

ہوں کہ جن کو آج کل محققین اور پروفیسروں کے حلقوں میں ماہرین اسلامیات کہا جاتا ہے دراصل یہ مستشرقین کے جانشین ہیں اور ان کے مطالعہ اور تحقیق کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے کہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شخصیت کو مجروح کیا جائے۔ عقیدوں کو بودا اور کمزور ثابت کیا جائے اور اسلام کے احکامات کو از کار رفتہ اور فرسودہ قرار دیا جائے اس مضمون میں مختلف ماہرین کے ناموں کے ساتھ تعلیمی اداروں میں ان کے مقام اور ان کی شہرت کا بھی مختصر ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان 'ماہرین اسلام' کا جذبہ محرکہ (motine Foace) کیا ہے اور یہ کہ اسلامیات (Islamic studies) کے شعبوں میں جب یہ ماہرین تدریس و تحقیق کا کام انجام دیں گے تو اپنے شاگردوں کے ذہن کو کس رخ پر موڑیں گے۔

یمن میں دستیاب ان اوراق پر یہ ماہرین بغلیں بجانے لگے کہ چلو اب تو یہ بتانے کا موقع مل گیا کہ قرآن کی بھی 'تاریخ' ہے اور اس تاریخ کے دوران میں قرآن (نعوذ باللہ من ذالک) موجودہ حالت میں ارتقاء پذیر ہوا ہے۔ اس کے ایسے پرانے نسخے موجود ہیں جو ان کے خیال میں موجودہ قرآن سے مختلف ہیں۔ اندر ہی اندر کھچڑی پکانے کے بعد جنوری ۱۹۹۹ء میں امریکہ کے رسالے دی اٹلانٹک (The Atlantic) میں ٹوبی لیسٹر (Lester) نے What Is Koran (قرآن کیا ہے؟) کے زیر عنوان مضمون میں ان یمنی اوراق کا انکشاف کیا۔ اس مضمون میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ اوراق ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی (یعنی پہلی و دوسری صدی ہجری) کے قرآن کے اجزاء ہیں اور یہ کہ یہ اس کے خیال میں قرآن کے قدیم ترین نسخے کے ٹکڑے ہیں۔ (اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ آج بھی دنیا میں قرآن کے وہ نسخے موجود ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیار کروائے تھے۔)

ماہرین کا بغض سامنے آگیا

بتایا جاتا ہے کہ ان اوراق سے دلچسپی پہلے جرمنی کی ایک یونیورسٹی کے عربی رسم الخط کے اور قرآنی آثار قدیمہ کے ماہر گرد۔ آر۔ پیون (Gerd-R. Puin) کو پیدا ہوئی اور اسی نے جرمنی کو اس کام پر آمادہ کیا۔ اس کام میں ایک 'تاریخ اسلام کے ماہر' اور اسلامی فنون کے مؤرخ گراف فان بوتھمر کو شریک کیا گیا جس نے مائیکرو فلم تیار کئے۔ اب فان باتھمر کے اس ریمارک کو

ملاحظہ فرمایئے۔ اس کا کہنا ہے کہ "قرآن کی بھی تاریخ ہے" یمنی اوراق سے اس کو ثابت کرنے بڑی مدد ملے گی۔ کناڈا میں کیل گری یونیورسٹی کے انڈریو رپن جنھیں قرآنی اور مذہبی تحقیقات کا ماہر مانا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یمنی مخطوطوں کے اثرات کو محسوس کرنا ابھی باقی ہے۔ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا سانتا باربرا کے ماہر اسلامیات آر۔ اسٹیفن ہمفرے کا خیال ہے کہ "اگر قرآن تاریخی دستاویز ہے تب چودہ صدیوں کی ساری اسلامی جدوجہد بے معنی ہو جاتی ہے" پیا ٹریشیا کرون (Patricia crone) پرنسٹن یونیورسٹی (نیو جرسی) میں انسٹیٹیوٹ آف اڈوانسڈ اسٹڈی میں کام کرتی ہیں اور ان کو اسلام کے ابتدائی دور کا ماہر تاریخ تصور کیا جاتا ہے اور یہ خود اپنے آپ کو ماہر اسلامیات (Islamist) کہتی ہیں اور اس پر فخر کرتی ہیں۔ انکے کارناموں میں سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ مائیکل کک (cook) کے ساتھ اشتراک میں لکھی گئی کتاب 'ہاجریت'۔ عالم اسلام کی تشکیل (Hagarism. The making of Islamic world) میں یہ نظریہ پیش کیا کہ 'بیت اللہ' مکہ میں نہیں بلکہ عربستان کے شمال مغرب میں واقع تھا اور مکہ کی حیثیت ثانوی تھی۔ ان ماہرین کی کوشش یہ تھی جس کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدیم بنیادوں پر انجام دی اسکے محل وقوع کو فلسطین کے جنوبی حصہ میں بتایا جائے۔ خیر اس کتاب پر مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اسکالرس نے بھی اتنی سخت تنقید کی کہ اب کوئی اس نظریہ کا نام نہیں لیتا۔ یمنی اوراق کی خبر کے ساتھ کرون صاحبہ کی مراد بر آئی اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ "قرآن بھی ایک ایسا مذہبی صحیفہ ہے جس کی دوسرے صحیفوں کی طرح تاریخ ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم اس تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔

حکومت یمن کی قابل اعتراض خاموشی

اس معاملہ میں جو باتیں آتی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو حکومت یمن کا رویہ قابل اعتراض بن جاتا ہے اوراق کے اس ذخیرہ کی محفوظ کرنے اور ان پر تحقیقاتی کام کرانے کے لئے بین الاقوامی امداد کی اپیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ عرب ممالک میں کئی ایسے ملک ہیں جو اس کے بار کو با آسانی اٹھا سکتے ہیں۔ رقمی اعانت کی اپیل عرب لیگ یا پھر اسلامی کانفرنس (O.I.C.) میں رکھی جا سکتی تھی ان اوراق کے تحفظ کے کام کے لئے کسی غیر مسلم ماہر کے بجائے مسلم ماہرین کی خدمات حاصل کی جا سکتی تھیں۔ مصر میں آثار قدیمہ کے تحفظ کے کام میں کئی مصری نام پیدا کر چکے ہیں اور ان پر

تحقیق کے کام کے لئے دنیا میں مسلم ماہرین، علماء اور اہل علم کی کوئی کمی نہیں ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ یہ کام جرمنی پروفیسر گرد۔ آر۔ پیون کے سپرد کرنے سے پہلے اس کے خیالات اور نظریات کا جائزہ تک نہیں لیا گیا۔ ایسے شخص کو کام دیا گیا جو قرآن کی زبان کو ناقابل فہم قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں ہر پانچویں آیت ایسی ہے جو مہمل اور بے معنیٰ ہے۔

یمنی اوراق کی موجودگی کے انکشاف کے بعد بھی یمنی حکومت خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ مغربی دنیا کے کئی اسلامی اداروں، مسلم انجمنوں اور اہل علم اصحاب نے حکومت یمن کو لکھا کہ حقیقت حال بتلائے اور اگر واقعی ایسے اوراق ملے ہیں تو ان کو مائیکرو فلم کی اجازت دوسروں کو بھی دے لیکن حکومت یمن نے خاموشی کی پالیسی اختیار کرلی ہے۔ خود راقم الحروف نے دہلی میں یمن کے سفارت خانے کو دی اٹلانٹک میں شائع شدہ مضمون کی کاپی روانہ کرتے ہوئے لکھا کہ حقیقت کیا ہے، بتلایئے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ایسے میں علمائے کرام اور اہل علم اصحاب کی ذمہ داری ہوجاتی ہے کہ وہ مسلسل حکومت یمن کو لکھیں اور دباؤ ڈالیں کہ ان اوراق کی حقیقت کیا ہے بتلایئے اور علمائے کرام اور اہل علم اصحاب کو صحیح تحقیق کے لئے فوٹو اور مائیکرو فلس فراہم کرے یا اسکی اجازت دے۔

حقیقت کیا ہو سکتی ہے؟

مسلمانوں میں قرآن اور اس کے علاوہ ایسی تمام کتابیں جس میں دعائیں، وظائف، اوراد ہوں یا حمد ونعت ہوں، ان کے بوسیدہ ہوجانے پر زمین میں دفن کرنے کا رواج رہا ہے تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو، ہمارے ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسی جگہیں مختص ہیں جہاں متبرک اوراق دفن کئے جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ صنعاء میں جو قبر دریافت ہوئی وہ اوراق متبرکہ کے دفن کرنے کیلئے مختص رہی ہو۔ صنعاء کی اس قبر سے جو اوراق ملے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان میں دعائیں، وظیفے اوراد وغیرہ کے اوراق بھی ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ جن نسخوں میں کتابت کی غلطیاں پائی گئیں، ان کے اوراق کو دفن کیا گیا ہو۔ حال ہی میں کویت میں چھاپے گئے قرآن میں غلطیوں کا پتہ چلا جس کے خلاف سخت احتجاج وہاں کی پارلیمنٹ میں بھی ہوا اور اس کے نسخوں کو ضائع کردینے کا فیصلہ ہوا۔ ایسا ہی کوئی واقعہ کتابت کا ہوسکتا ہے اور ان غلط نسخوں کو ضائع کرنے کے

لئے دفن کیا گیا ہو۔ قطعی طور پر کوئی بات اس وقت کہی جا سکتی ہے جب کہ قبر کی دریافت اور اوراق کی برآمدگی کی صحیح کیفیت کا پتہ چلے اور ان اوراق کی جانچ ہو۔

'دی اٹلانٹک' میں مبنی اوراق کی موجودگی کا انکشاف تو کیا گیا لیکن چودہ صفحات پر پھیلے مضمون میں ایک مثال بھی ان اوراق میں لکھی قرآنی آیت اور قرآن کی موجودہ نسخوں کے درمیان فرق کی نہیں دی گئی، نہ یہ بتایا گیا کہ ترتیب مختلف ہے، یا آیتوں کی ترتیب الگ یا آیتیں بالکل مختلف ہیں متعین طور پر ایسا کوئی دعویٰ کرنے کی بجائے صرف یہ کہا گیا کہ یہ اوراق نادر حجازی رسم الخط میں لکھے گئے بعض میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی لفظ کو مٹا کر دوسرا لفظ لکھا گیا۔ صرف تین تصویریں دی گئیں جن میں ایک صاف نہیں ہے۔

فرق اور اختلاف کیا ہے؟ یہ تبلائے بغیر اور ایک بھی مثال دیئے بغیر الفاظ کا طومار کہ قرآن کا قدیم نسخہ مختلف ہے اور اس کے ساتھ یہ اعلان کہ فرق کے انکشافات سلمان رشدی کی کتاب سے زیادہ ہنگامہ خیز ہوں گے۔ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ یہ صرف رچی گئی ایک سازش ہے مگر سازشوں کو سترہ سال گزرنے کے بعد بھی ایک فرق کی نشاندہی کی جسارت نہ ہوسکی۔ تاہم علمائے حق اور امت کے اہل علم اصحاب کو تیار اور چوکس رہنا چاہئے۔

بقیہ سید عبداللہ حسنی قادری

واقعی یہ مکالمۂ انسان و قرآن، منفرد وانوکھا ہے۔ اب تک کسی نے قرآنی حقائق و معارف کو ایسے عام فہم انداز میں پیش نہیں کیا تھا۔ یہ سید عبداللہ میاں کا ایک عظیم کارنامہ ہے جو قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرے گا۔

خاندیش کے ممتاز عالم، صوفی، مفسر قرآن، حکیم، مصلح اور شاعر

سیّد عبدُاللہ حسنی قادری

از

پروفیسر اکبر رحمانی ۔ مدیر اعلیٰ ماہنامہ آموز گار جلگاؤں

سید عبداللہ حسنی قادری ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے ۔ وہ مشرقی خاندیش کے ممتاز عالم، صوفی اور مفسر قرآن ہونے کے علاوہ طبیب حاذق، مصلح، شاعر اور مسلمانوں کے مخلص رہنما بھی تھے ۔ تحریر و تقریر پر بھی انھیں ملکہ حاصل تھا ۔

حالاتِ زندگی سید عبداللہ حسنی قادری نصیر آباد (مشرقی خاندیش) کے ایک صوفی گھرانے میں ۲ ستمبر ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے ۔ ان کے والد کا نام حضرت سید شاہ محمد یٰسین میاں حسنی قادری تھا جن کا شمار خاندیش کے ممتاز اولیائے کرام میں ہوتا ہے نصیر آباد میں انہوں نے وفات پائی، آج بھی ان کا مزار اقدس مرجع خاص و عام ہے ۔ ہر سال پُوس کے مہینہ میں ان کا عرس دھوم دھام سے منایا جاتا ہے ۔ ہندو اور مسلمان کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں ۔ دکن، خاندیش، برار، گجرات اور ممبئی سے ہزاروں معتقدین عرس میں شرکت کے لئے آتے ہیں اور روحانی فیض حاصل کرتے ہیں ۔

سید عبداللہ حسنی کی والدہ "سیدانی ماں" کے نام سے مشہور تھیں وہ بڑی نیک اور پاکباز خاتون تھیں ۔ صلوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں اور غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی امداد کیا کرتی تھیں لوگوں کے درد کو دور اور مصیبت میں کام آتی تھیں ۔

حضرت عبداللہ میاں اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے ۔ ان کا سلسلۂ نسب نندرآباد[1]

---

[1] آج اس مقام کو "نندوریار" کہا جاتا ہے جسے حال ہی میں حکومت مہاراشٹر نے ضلع بنا دیا ہے ۔

(مغربی خاندیش) کے بزرگ اور ولی اللہ حضرت سید شاہ محمد یٰسین غریب نواز سے ملتا ہے۔ اور اسی طرح سید عبدالرحیم بغدادیؒ کے واسطے سے ہوتا ہوا حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ جب آپ گیارہ سال کی عمر کو پہنچے تو شفیق والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے حسب وصیت آپ کے چچا حضرت عبدالقادر میاں نے پرورش و پرداخت کی، انکی زیر سرپرستی نشوونما پائی اور تعلیم کے مدارج طے کئے۔ حضرت یٰسین میاں کے مرید اور حضرت عبداللہ میاں کے ساتھی غیاث الدین وجدی اپنی کتاب "خورشید دکن" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اگرچہ حسب وصیت آپ حضرت عبدالقادر میاں صاحب کی سرپرستی میں رہے لیکن آپ نے جو کچھ ترقی کی وہ اپنی خداداد ذہانت و استعداد کے ذریعہ سے کی، آپ کو بچپن سے علم کا شوق تھا تحصیل علم کے لئے آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ بھوپال اور دہلی میں عرصہ تک تنہا مسافرانہ حالت میں رہ کر علم دین حاصل کیا۔ علمیت، اخلاق اور عمل صالح میں آپ اپنے خاندان میں یکتا ہیں علم دین سے فراغت کرنے کے بعد آپ کو مریدوں کی جسمانی تکلیفوں نے علم طب حاصل کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ نے حکیم اجمل خاں صاحب کے طبیہ کالج میں طب و حکمت کی تعلیم پائی۔[۱]"

جب تک آپ نصیر آباد میں رہے دکن اور خاندیش کے اکثر مریضوں کو شفایاب کیا۔ مریضوں کے رہنے کے لئے ایک مکان بھی علیحدہ بنوا رکھا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد آپنے پاکستان ہجرت کی اور وہاں ٹنڈو آدم ضلع نواب شاہ سندھ میں آباد ہوئے اور وہیں انہوں نے "حسنی دواخانہ" قائم کر کے سندھ (پاکستان) کے ہزاروں مریضوں کو شفایاب کیا، حج و زیارت کرنے کے بعد انھوں نے یہ دواخانہ کھولا تھا۔ حکیم عبداللہ حسنی مریضوں کا معائنہ کرنے اکثر ان کے گھر جاتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے انھیں دوا دیتے تھے۔ کوئی فیس نہ لیتے تھے۔

حضرت پیر و مرشد سید شاہ محمد یٰسین میاں صاحب قدس سرہٗ کے نصیر آباد میں انتقال

---

[۱] خورشید دکن از غیاث الدین وجدی۔ ص ۶۳

(۱۰ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ مطابق جنوری ۱۹۰۶ء) کے بعد حضرت عبداللہ میاں سجادہ نشین ہوئے اس زمانے میں ان کے مریدوں کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ وہ چاہتے تو پیری مریدی کے ذریعہ خوب پیسہ کما سکتے تھے مگر وہ دولت سے بے نیاز تھے، وہ ایسے پیر تھے جو اپنے مریدوں کی اصلاح اور ہدایات پر زیادہ توجہ دیتے تھے آپ نے مریدوں سے کبھی کوئی نذرانہ وصول نہیں کیا۔ نہ پیسوں اور نذرانوں کی لالچ میں مریدوں کے گھروں کے چکر لگائے جیسا کہ آج کل کے بناوٹی پیر کرتے رہتے ہیں۔ پیری مریدی کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ "پیری مریدی کا مقصد بے لوث اور خالصاً للہ اصلاح و ہدایت ہے بمصداق اس آیت شریفہ کے۔

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [1]

غیاث الدین وجدی لکھتے ہیں۔

"آپ اس بات کو برا خیال کرتے ہیں کہ مریدوں سے جبراً نذرانہ وصول کیا جائے یا نذرانہ کے لالچ سے بار بار مریدوں میں قرض خواہوں کی طرح دورے کے لئے جائیں یا مریدوں پر کسی قسم کا دباؤ ڈالا جائے ۔۔۔۔ آپ وہیں تشریف لے جاتے ہیں جہاں کے مرید محبت و اعتقاد سے آپ کو بلاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ پیسے کے پیر نہیں ہیں۔" (ایضاً)

اصلاحی کوششیں

آپ قوم کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ آپ کو اپنی قوم کی دینی و دنیوی اصلاح کا بہت خیال تھا۔ رات دن اسی کی دھن رہتی تھی مسلم معاشرے میں اغیار کے اثرات کی وجہ داخل بری رسموں کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے اسلام کی صحیح تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔ اگرچہ آپ پیر اور سجادہ نشین تھے۔ ہر سال آپ کی نگرانی میں دھوم دھام سے عرس منایا جاتا تھا۔ ان عرس اور میلوں میں کیسی کیسی خرافات، برائیاں اور خرابیاں دیکھنے میں ملتی ہیں یہ ڈھکی چھپی باتیں نہیں ہیں۔ عبداللہ میاں ایک مصلح اور قوم کے سچے ہمدرد تھے۔ اس لئے انہوں نے عرس و میلے میں برسوں سے چلی آرہی برائیوں اور خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ حضرت غیاث الدین وجدی رقم طراز ہیں۔

---

[1] خورشید دکن ص ۶۳

" حضرت پیر و مرشد کا عرس آپ کی خورد سالی میں شروع ہوا۔ اور اہل نصیر آباد ہی عرس کا اہتمام و انتظام کرتے رہے۔ بانیانِ عرس کو علمِ دینی و شوق مذہبی ہونے کے باعث عرس میں بعض ایسی باتیں پیدا ہو کر جڑ پکڑ گئی ہیں جو نہ ہونا چاہیئے تھیں۔ تاہم جب سے آپ نے ہوش سنبھالا ہے حتی الامکان عرس کی خرابیاں مٹانے میں کوشاں ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرس کی فضولیات کو ایک دم کیوں نہیں بند کر دیا جاتا مگر وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اس قسم کے انقلاب میں سینکڑوں خطرے ہیں جو جاہل مسلمان خدا اور رسول کی پروا نہیں کرتے تو دوسرے کس شمار وقطار میں ہیں۔ اسلئے آہستہ آہستہ اصلاح ہی مناسب ہے۔ عرس میں ہزاروں روپیوں کا جوا ہوتا تھا وہ یکلخت بند کر دیا ہے کشتیوں سے لوگوں کو دلچسپی نہیں تھی۔ اب سب سے زیادہ لوگ کشتیوں کے شائق ہو گئے ہیں۔ گانے والوں کے اخراجات اناپ شناپ تھے لیکن آپ ہی کا سبب ہے کہ اب بمصداق جس کا اوڑھنا اس کا بچھونا یعنی ان کے مصارف ان کی جھومر کی آمدنی پر منحصر ہو گئے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو کسی دن یہ بھی نہ ہوگا یہ بھی چرچا ہو رہا ہے کہ برہان پور کی طرح یہاں بھی جماعت کثیر سے نماز ہوا کرے۔" (ایضاً ص ۶۴)

غیاث الدین صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ " اب خدا کے فضل وکرم اور سجادہ نشین صاحب کی کوشش و حکمت عملی سے بغیر کسی خرابی و فساد کے اس ناجائز خرچ کا بالکل خاتمہ ہو گیا ہے۔" (ایضاً)

تبلیغی کام

آپ کا تصوف کے کئی سلسلوں سے تعلق تھا۔ اسکے سوا اور ایک بزرگ سے قادریہ، خلفائیہ، چشتیہ، نظامیہ اور شاذلیہ کی سند خلافت ملی ہے۔ وہ شریعت، طریقت اور فلسفۂ جدید سب پر دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کی مجلس میں قرآن و حدیث کے اسرار و خوبیاں ایسے دلنشیں پیرائے میں بیان ہوتے تھے کہ جدید تعلیم یافتہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔

جب آپ دہلی میں مقیم تھے اس وقت آپ نے تبلیغی کام بھی کیا۔ آپ کو اسلام کی تبلیغ

واشاعت سے کافی دلچسپی تھی۔ چونکہ آپ تحریر و تقریر میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اسلئے دہلی میں سلسلۂ تبلیغ میں کئی ماہ تک تحریری و تقریری کام کیا ہے۔ اور کئی غیر مسلم ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو تبلیغ کا کتنا شوق تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۳۸ء میں نصیر آباد میں پیش آیا۔

"جب ۱۹۳۸ء میں خاندیش کے کلکٹر نے آپ سے استدعا کی کہ لارڈ کیلے گورنمنٹ آف بمبئی کے دورے کے پروگرام میں آپ سے ملاقات بھی شامل ہے تو آپ کے دل میں معاً اس موقعہ پر تبلیغی فرض کی ادائیگی کا جذبہ موجزن ہوا اور کلکٹر سے فرمایا کہ بڑی خوشی ہوگی اگر گورنر صاحب اس موقع پر فقیر کی جانب سے "ایک تحفہ" قبول فرمائیں۔ اور وہ تحفہ فقیر کے نزدیک دنیا کی ہر چیز سے پیاری و قیمتی چیز "قرآن پاک" ہے چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ خانقاہ شریف کے پاس ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا۔ جب آپ نے ایک مرصع کشتی میں اطلسی غلاف کے اندر ملفوف انگریزی ترجمہ و تفسیر والا قرآن پاک پیش کیا۔ گورنر نے بڑے ادب و احترام سے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

جب آپ کے ہاتھوں سے گورنر نے اپنے ہاتھوں میں قرآن پاک لیا ہزاروں انسان اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ رعب و داب کا یہ عالم تھا کہ سب پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گورنر نے بیساختہ قرآن پاک کھولا اور سب سے پہلے جو آیت اسکے پیش نظر ہوئی وہ یہ تھی۔ ذَالِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں اس آیت اور اسکے انگریزی ترجمہ پر گڑ گئیں اور وہ دیر تک سکتہ کی حالت میں مثل تصویر ساکت وصامت دیکھتا کھڑا رہا۔ اس منظر کو دیکھ کر ہر شخص محو حیرت تھا اور چاروں طرف خدا کی شان نظر آرہی تھی۔ ایک عیسائی انگریز کا بے ساختہ قرآن شریف کا کھولنا اور سب سے پہلے اس آیت کا پیش ہونا گویا منجانب اللہ پیش کرنے والے کی تبلیغی نیت کا

جواب باصواب تھا۔" (ایضاً ص ۶۵)

شخصیت و کردار

عبداللہ میاں حسنی قادری عالم باعمل انسان تھے، گفتار کے غازی ہی نہیں کردار کے بھی غازی تھے۔ دینی جذبہ بدرجہ اتم تھا۔ قومی وملی درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ علم دوست، مسافر نواز اور فقیر منش آدمی تھے۔ تنہائی پسند تھے اور اپنا زیادہ وقت مطالعہ اور عبادت وریاضت میں گزارتے تھے۔ شہرت ودولت سے بے نیاز تھے لوگوں سے ملنا جلنا زیادہ پسند نہیں کرتے تھے بے تعلقی پسند تھے۔ اس لئے ممکن ہے کسی کو فخر وتکبر کی بدگمانی ہوتی ہوگی مگر آپ میں غرور اور خودسری کا مادہ بالکل نہیں تھا۔ ہاں حمیت اور خودداری کا جوہر آپ میں موجود تھا۔ فضول گوئی اور فوقیت سے آپ کو نفرت تھی۔ صوفی اور عالم تھے اس لئے حالات میں پاکیزگی تھی۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کیا کرتے تھے۔

بہ حیثیت شاعر

سید عبداللہ حسنی تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ یہ ذوق انھیں ورثے میں ملا تھا۔ ان کے والد محمد لٰسین شاہ قادری صاحب تصنیف تھے، تصوف کے موضوع پر انہوں نے ایک کتاب "سراج الہدایہ" کے نام سے لکھی تھی۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔ ان کے مریدوں کے یہاں شاید یہ کتاب مل جائے تلاش بسیار کے بعد یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

عبداللہ میاں ایک قومی شاعر بھی تھے۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا انہوں نے شاعری کی ابتدار کب کی اور اپنے کلام پر کس استاذ سے اصلاح لی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کا ملکہ بھی ان میں خداداد تھا۔ اس بات کا بھی پتہ نہیں چل سکا کہ انہوں نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی تھی ان کی شاعری کا ایک مختصر سا مجموعہ "ان کا دل" دستیاب ہوا ہے۔ یہ مختصر مجموعہ تقسیم ملک سے پہلے نصیر آباد سے شائع ہوا ہے۔ راقم کو جو نسخہ ملا ہے اس کا سرورق پھٹا ہوا ہے۔ پھر بھی اس پر مجموعہ کا نام 'ان کا دل' شاعر کا نام حکیم حسنی (نصیر آباد) قیمت ایک آنہ اور کاتب کا نام قیصر رقم صاف دکھائی دیتا ہے۔ ڈیمائی سائز کے ۳۲ صفحات کا یہ مجموعہ سلطانی پریس پیر ولین بمبئی ۳ سے طبع ہوا ہے سن اشاعت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس میں شامل نظموں

کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آزادی سے پہلے یہ مجموعہ شائع ہوا تھا۔ اس مجموعہ میں سرورق کے پشت پر لکھی تحریر "مقصد" کے تحت حکیم حسنی فرماتے ہیں۔

"یہ چھوٹا سا رسالہ کیا ہے، گویا ہندو اور مسلمانوں کی سیاست کا سمندر ایک کوزے میں بند ہے جس کو بہت سہل آسان اور عام فہم اردو زبان میں نظم کا رنگین لباس پہنا کر پیش کیا گیا ہے جو مسلمانوں کو بے خبری اور بے پروائی کی نیند سے جگانے والا، وقت کی نزاکت جتا کر تباہ کن خطرے کے احساس کو چونکانے والا ہندوؤں کے سیاسی داؤں پیچ کا اندرونی بھیانک ..... (یہ حصہ پھٹ چکا ہے) ..... مسلمانوں میں جوش، ہوش اور آزادی کی صحیح تڑپ پیدا ہو سکے .... ہر حصے کا عنوان ایسا دیا گیا ہے کہ قومی جلسوں اور میلاد خوانی کی مجلسوں میں پڑھنے والے کو سہولت ہو۔ اس کے لکھنے اور شائع کرنے کی بجز قومی خدمت کہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔"

عبداللہ حسنی ایک قوم پرست شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانوں کو بیدار کرنے، ان میں اسلامی روح بیدار کرنے اور ان میں سیاسی و سماجی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وہ کانگریس کے مخالف تھے اور مسلم لیگ کے طرف دار۔ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھتے تھے اور کانگریس کو ہندو مہا سبھا اور آر، ایس، ایس کی طرح خالص ہندوؤں کی جماعت سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے مختصر رسالہ "ان کا دل" میں جو سیاسی نظمیں لکھی ہیں وہ فرقہ وارانہ سیاست کی آئینہ دار ہیں۔ ان نظموں سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ "متحدہ قومیت" کے مخالف تھے اور "پاکستان" کے حامی تھے۔ اس لئے جب ملک تقسیم ہوا تو آپ پاکستان ہجرت کر گئے اور وہاں جا کر ٹنڈو آدم ضلع نواب شاہ (سندھ) میں آباد ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔

رسالہ "ان کا دل" میں مندرجہ ذیل نظمیں شامل ہیں۔

(۱) اپنا قصور (۲) ایک جان دو قالب (۳) مہاتما کا دل (۴) حق و باطل (۵) ناممکن (۶) سراب جمہوریت (۷) اسلامی جمہوریت (۸) پاکستان (۹) اختلاف قومیت

(۱۰) معمہ (۱۱) غرورِ کثرت (۱۲) غدار قوم (۱۳) ہندو مسلم مقدمہ (۱۴) ہاتھی کے دانت (۱۵) مہاتما (۱۶) براعظم ہند (۱۷) سوراج کا نمونہ (۱۸) ذرا سی بات (مسدس)

ان کی تمام نظمیں فرقہ وارانہ خیالات و جذبات سے مملو ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگی ذہن سے سوچا اور اظہار کیا ہے، مہاتما گاندھی کو بھی مسلمانوں کا دشمن سمجھتے ہیں اور کانگریس سے بھی نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اس قسم کے خیالات کی پاکستان بننے کے بعد آج کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے۔ ایک نظم اسلامی جمہوریت ہے جس میں انہوں نے غیر فرقہ وارانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ ؎

سچی جمہوریت نہیں ہے بری   فی الحقیقت یہ حق کا سایہ ہے
جس سے رہتا ہے ہر بشر آزاد   نہ کسی کا کسی کو کھٹکا ہے
اس کے قانون میں سب برابر ہیں   کوئی ادنیٰ ہے نہ اعلیٰ ہے
خوف، کمزور کو قوی سے نہیں   کوئی ڈرتا ہے اور نہ دبتا ہے

روح القرآن حضرت سید عبداللہ حسنی تصوف اور علوم ظاہریہ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی ایک انوکھے اور منفرد انداز میں تشریح و تفسیر لکھی ہے۔ ان کی تالیف کردہ کتاب 'روح القرآن' پاکستان میں چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ راقم نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران اس کتاب کو حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ اس کتاب کی تالیف میں ان کی دیدہ ریزی خلوص اور دقیقہ سنجی قابلِ داد ہے۔ اس ضخیم کتاب 'روح القرآن' کا پیش لفظ ماہنامہ نفسیات کراچی کے ایڈیٹر جناب سید خلیل احمد ایڈوکیٹ نے لکھا ہے۔ سید خلیل احمد عبداللہ میاں کے بڑے صاحبزادے تھے۔ دوسرے صاحبزادے کا نام منظور الحسن ہے اور یہ کراچی میں بقید حیات ہیں۔

جناب سید خلیل احمد ایڈوکیٹ 'روح القرآن' کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں۔

" قرآنی حقائق و معارف کو آسان و عام فہم زبان اور دلچسپ انداز میں دلنشیں اور معقول طریقہ پر پیش کرنے والی یہ اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے۔ اس

یں دورِ حاضر کے جدید تعلیم یافتہ، آزاد منش، بے باک اور ذہین انسان نے جس کے دل میں جستجوئے حق کی تڑپ اور تلاش حقیقت کا جذبہ موجزن ہے۔ قرآن سے مسائل حاضرہ، اصولِ دین اور احکام اسلام کے متعلق ایسی ضروری اور کام کی بنیادی باتیں دریافت کی ہیں، جن سے مختلف و متضاد مذہبی خیالات رکھنے والے انسانوں کو کافی حد تک ترجمانی بھی ہو جاتی ہے اور قرآن کا اعجاز کمال یہ ہے کہ ہر سوال اور سوال کے ہر پہلو کے متعلق صرف آیتوں سے ایسے برجستہ و برمحل، مناسب و معقول اور مدلل و مسکت جواب دیئے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کی دنیا کے پس ماندہ ترین ملک عرب کے ایک امی نبی کی زبان سے نکلے ہوئے کلام حق پر انسانی علم و قیاس اور عقل و تجربہ دنگ رہ جاتے ہیں ــــــ اس "مکالمہ انسان و قرآن" کو پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی ہر سوال کے جواب میں یکے بعد دیگرے آیتوں کا نزول ہو رہا ہے جس سے نہ صرف قرآن کے کتاب ناطق (بولنے والی کتاب) اور کلام برحق ہونے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ قرآنی تعلیمات اور نظریات کی معجزانہ ہمہ گیری اور اس کے مکمل و دائمی ہدایت نامۂ حیات انسانی ہونے کا اقرار کرنے پر ہر حق پرست و انصاف پسند انسان کو مجبور ہونا پڑتا ہے! اس آئینہ میں ایک طرف صحیح حقیقی اور اصلی اسلام کی حسین تصویر سامنے آجاتی ہے تو دوسری طرف اس کسوٹی پر رسمی، رواجی اور نقلی مذہب بے نقاب ہو کر حق و باطل اور کھرے کھوٹے کی تمیز و اندازہ اور دین اسلام کے بارے میں آیتوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ اور غیروں کے اعتراضات کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب ں اور کے لئے بے بہا ذخیرہ خطیبوں اور واعظوں کے لئے گرانمایہ گنجینہ، دعوت و تبلیغ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مستند و موثر ذریعہ، قرآنی فکر و فہم کے طالبین و شائقین کے لئے بہترین وسیلہ اور متلاشیانِ حق و صداقت کے لئے حق نما آئینہ ثابت ہوگی"

انسان کا سوال قرآن کا جواب

یہ کتاب روح القرآن کی تلخیص ہے جسے مکتبہ شاہکار لاہور نے ۱۵ جنوری ۱۹۷۰ء کو شائع کیا تھا۔ ۲۲×۱۷ سم سائز پہ شائع ہوئی ہے کل صفحات ۴۲ ہیں۔ اس کے مرتب سید قاسم محمود ہیں۔ "روح القرآن" کے تفسیری امور اور مؤلف کی تشریحات کو حذف کرکے براہ راست انسان کے سوالات اور قرآنی جوابات کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جن سورتوں اور آیتوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کی ترتیب اس طرح ہے پہلے سورتوں کے نمبر اور اس کے مقابل آیتوں کے نمبر دیئے گئے ہیں مثلاً ۲: ۱۰ کا مطلب ہے دوسری سورت کی دسویں آیت۔

اس کتاب میں ۷۰ عنوانات کے تحت قرآن سے سوالات پوچھے گئے ہیں۔ یہ تمام عنوانات زندگی کے مختلف شعبوں، احکام دین جدید ذہن کے شبہات اور مسائل حاضرہ سے متعلق ہیں۔ عنوانات کی تفصیل اس طرح ہے۔

قرآن مجید، سیرپاک، بنیادی دعوت اور اسکی تبلیغ، اللہ کی تعریف، آخرت و قیامت بعثت رسول، ایمان و عمل، اکرام و مساوات، تناسب کائنات، ارادہ واختیارات، دین فطرت، مقصود حیات، عبادت، مسلمان بدحال کیوں؟ کامیاب و ناکام زندگی، خدا کے محبوب بندے، ذکروفکر، قرآن کی پکار، دین میں جبر، جہاد، شہادت، ہجرت، کفار بے اعتبار، قرآن کا نظریہ قوم شرک اور بت پرستی، مسلمان، جملہ ہدایات، توبہ کی حقیقت، خدا کا قانون، آیات محکمات و متشابہات عالم غیب، مخلوق پرستی، کمیونزم اور سرمایہ داری، دنیا میں اعمال کا بدلہ، علوم وفنون، متقی کون؟ صراط مستقیم، اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر۔

سید خلیل احمد ایڈوکیٹ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ اس مکالمہ انسان و قرآن کو پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی ہر سوال کے جواب میں یکے بعد دیگرے آیتوں کا نزول ہو رہا ہے جس سے نہ صرف قرآن کے کتاب ناطق اور کلام برحق ہونے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ۔۔۔ اس کے مکمل و دائمی ہدایت نامہ حیات انسانی ہونے کا اقرار کرنے پر ہر حق پرست و انصاف پسند انسان کو مجبور ہونا پڑتا ہے ۔۔۔ اور دین اسلام کے بارے میں آیتوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ اور غیروں کے اعتراضات کا دفیعہ ہو جاتا ہے۔ (بقیہ ص ۳۹ پر)

وفیات

آہ حکیم عبدالحمید مرحوم

ملت کے مثالی خادم نہ رہے

ناظرین الرشاد کو ملت کے مثالی خادم حکیم عبدالحمید مرحوم کے انتقال پر ملال کی اطلاع مل چکی ہوگی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کے بدلہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں جگہ عنایت فرمائے۔

حکیم عبدالحمید صاحبؒ نے اپنی زندگی اپنے والد عبدالمجید صاحب مرحوم کی ایک چھوٹی سی طبی دوکان سے شروع کی مگر اپنی محنت طبیعت کی سلامت روی اور جذبۂ خدمت کی وجہ سے تنہا وہ کام کر گئے جو کئی انجمنیں مل کر نہ کرسکیں انہوں نے ہمدرد دواخانہ کو جو وسعت دی اور اس کے ذریعہ طب یونانی کو جو نئی زندگی بخشی اس سے ہر خاص و عام واقف ہے۔ مگر اس کے علاوہ تعلیمی محاذ پر انہوں نے متعدد غیر معمولی کام کئے ہیں اس کو انہوں نے ہائی اسکول کی سطح سے یونیورسٹی اور تحقیق و ریسرچ تک پھیلایا ہے۔ تغلق آباد میں ہمدرد نگر کے نام سے جو بستی انہوں نے بسائی ہے وہاں جائیے تو اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کسی حکومت کا بڑا منصوبہ بروئے کار لایا جارہا ہے وہاں جو لائبریری کی شاندار عمارت انہوں نے بنائی اس میں پہنچ کر آدمی محسوس کرتا ہے وہ ہندوستان سے باہر کسی ترقی یافتہ ملک کی لائبریری میں ہے۔

انہوں نے ہمدرد ایجوکیشنل سائنٹفک کلچرل اور لٹریری آرگنائزیشن کے تحت انسٹی ٹیوٹ فار ہسٹاریکل ریسرچ، اسلامک اسٹڈیز اور جنوبی ایشیا کی اسٹڈیز کا مرکز، اپنے والد کے نام مجیدیہ ہاسپٹل، غالب اکیڈمی ٹیکنیکل ریسرچ پروجکٹ نیشنل

فاؤنڈیشن جیسی تقریباً ۲۰ آرگنائزیشن قائم کیں، یہ سارے ادارے انہوں نے اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ عوام کی بھلائی کے لئے قائم کئے جس میں ہزاروں افراد روزی روٹی سے لگے ہوئے ہیں جن کے خاندان کے لاکھوں آدمی اِس سے روزی پا رہے ہیں۔

ان تمام کاموں کے باوجود انہوں نے شہرت سے اپنے کو دور رکھا اس لئے وہ عوامی جلسوں میں بہت کم نظر آتے تھے۔

ان کی عام زندگی، ان کی غذا اور لباس کی سادگی سے کوئی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس شخص نے اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کے صلہ میں ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں جگہ عنایت کرے۔ شیخ سعدی نے انسان کو متوازن زندگی گزارنے کے لئے جو نسخہ تجویز کیا تھا وہ یہ تھا۔

کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن

وہ زندگی بھر یہ نسخہ استعمال کرتے رہے اسی لئے ان کے ذریعہ اتنے بڑے بڑے کام انجام پا گئے خدا کرے ان کے جانشین ان کاموں کو مزید آگے بڑھاتے رہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید صاحب مرحوم نے پاکستان میں طب یونانی کو ہمدرد صحت ہی کے نہج پر اس کو بین الاقوامی حیثیت عطا کی اسے بھی حکیم عبدالحمید صاحب ہی کا فیض سمجھنا چاہئے۔

بقیہ نئی کتابیں

اسلامی حمیت وغیرت اور ادب سے لبریز جناب سلیمان آصف کا یہ مجموعہ کلام ہر شخص کے قلب و نظر کی تازگی اور حلاوت کا باعث ہوگا۔

از

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

نئی کتابیں

شیئرز بازار میں سرمایہ کاری۔ موجودہ طریقہ کار اور اسلامی نقطہ نظر

از:۔ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب۔

صفحات ۱۵۵ ۔ قیمت:/ ۶۵ روپے سنہ اشاعت ۱۹۹۹ء

ناشر:۔ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ

اسلام کے نظام معاشیات پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے ان میں ایک ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی ہیں۔ زیر نظر کتاب ان کے برسوں کے مطالعہ وتحقیق کا ثمرہ ہے۔

اردو زبان میں جدید معاشیات کے موضوع پر لکھنے والے اب بھی خال خال ہیں حالانکہ اپنی اہمیت کے پیش نظر یہ اس لائق ہے کہ علماء وفقہاء اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان اصحاب فکر ونظر اس پر خاص توجہ دیں۔

موجودہ عالمی معاشیات میں بازار حصص کے کاروبار کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ شیئرز کی خرید وفروخت روز افزوں ہے لیکن شیئرز بازار کی اصطلاحوں اور اس کے طریقہ کاروبار کے متعلق اور زبانوں کی بہ نسبت اردو خصوصاً ہندوستان کے اردو داں طبقے کے لئے زیادہ معلومات دستیاب نہیں خصوصا ہندوستان مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ عرصہ سے درپیش ہے کہ شیئرز بازار کی سرمایہ کاری میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے۔

اس ضرورت کے پیش نظر ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب کی اس کتاب کو اہم کاوش قرار دیا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے اس تفصیل وجامعیت سے شیئرز بازار کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے کہ مشترکہ سرمایہ کاری کی پبلک کمپنیاں، بازار حصص اسٹاک

ایکس چینج، بانڈ، ڈبینچر، معیاری جمع اسکیم، میچول فنڈ، شیرز کی قیمتوں میں تغیر و تبدل، شیرز بازار کی بدعنوانیاں اور ان کا سدباب وغیرہ موضوعات کے متعلق اہم معلومات حاصل ہوجاتے ہیں، انھوں نے ان پہلوؤں کے تمام اقسام اور ان کا طریقہ کار پوری وضاحت سے سامنے آگیا ہے۔

آخری ابواب میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے اس سلسلہ میں علماء اور مسلم ماہرین معاشیات کی آراء اور فتوؤں کو نقل کرکے ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اس اہل اور خاص بحث میں خود فاضل مصنف کا نقطۂ نظر واضح طور پر سامنے نہیں آتا تاہم جابجا ان کے خیالات کی ترجمانی ضرور نظر آتی ہے مثلاً ایک جگہ انھوں نے لکھا کہ "یہ سچ ہے کہ کسی چیز سے روکنے کے ساتھ ساتھ اگر اس کے نعم البدل کی نشاندہی نہ ہو تو بات زیادہ مؤثر نہیں ہوسکتی اور آج ہماری یہی سب سے بڑی مجبوری ہے۔ (ص ۹۷)

آگے انھوں نے پھر لکھا کہ "بہرحال جب تک کوئی اس کا بدل نہیں سامنے آجاتا ایسی کمپنیوں کے ساتھ مشارکت بکراہیت جائز ہوگی خاص طور سے جب کہ معاملہ کی شرائط کا بدلنا اپنے اختیار میں نہ ہو لیکن ضروری ہے کہ ایک مسلمان اس غیر اسلامی نظام سے کبھی مطمئن نہ ہو اور اس کو بدلنے کے لئے حسب استطاعت کوشاں ہو" (ص ۱۱۳)

بہرحال فاضل مصنف اس نہایت مفید اور وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنے والی کتاب کے لئے شکریہ کے مستحق ہیں اس کتاب کا مطالعہ یقیناً شیرز بازار سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا اور دوسری جانب علماء اور مفتیان کرام کو بھی اس سے بڑی مدد ملے گی۔

تکبیر مسلسل (مجموعہ کلام) از جناب سلیمان آصف صاحب
صفحات ۱۲۶۔ قیمت/۱۰۰ روپے۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء
پیش کش۔ مدرحلیمہ فاؤنڈیشن وارانسی۔

جناب سلیمان آصف صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں انکے متعدد مجموعہ ہائے کلام طبع و

اشاعت کی منزل سے گزر کر مقبول ہو چکے ہیں زیر نظر مجموعہ کلام ان کی نظموں، غزلوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔

اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا شعری ذوق بڑا صاف ستھرا اور بلند ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں انتہائی غور و فکر کے بعد کہتے ہیں، ان کے اشعار ان کے دل کی آواز ہیں اور ان میں بڑا خلوص ہے۔

جناب سلیمان آصف صاحب سخن گو سے بڑھ کر سخن شناس ہیں انہوں نے علامہ اقبال کے افکار و خیالات اور ان کی شاعری کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے انکی شاعری پر علامہ اقبال کے واضح اثرات و نقوش ثبت ہیں بعض نظمیں تو انہیں سے متاثر ہو کر انھیں کی بحروں میں کہی گئی ہیں اصطلاحات و تشبیہات اور استعارات و تلمیحات تک کا تتبع اس مجموعہ کلام میں موجود ہے ڈاکٹر محمد محمد آبادی نے سچ لکھا ہے کہ ان کی نظمیں، غزلیں، قطعات اور شعری سب کے سب علامہ (اقبال) کی جلوہ طرازیوں کے عکاس نظر آتے ہیں (ص۳۴)۔

ان کی شاعری اسلامی ادب کا نمونہ قرار دیئے جانے کے لائق ہے اس پس منظر میں ان کی نظمیں خاص طور سے مطالعہ کے لائق ہیں۔ نکتہ توحید۔ جنرل ضیاء الحق۔ خودی بابری مسجد اور بھارت کا مسلمان وغیرہ نظمیں تو بار بار پڑھنے کے لائق ہیں۔ نظم بابری مسجد کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بابری مسجد ترے سارے نشاں لازوال　　تیری تجلی میں ہے سوز نفس کا کمال
تیرے تصور سے ہے جلوہ دنیا و دیں　　تجھ سے مسلمان میں ہے رنگ جمال و جلال
نظم جہاں میں بتا کیا یہ تغیر نہیں　　ٹھوکریں مارے اگر بچہ شاہیں کو زاغ
میری نظر کو ہے کیوں اب بھی یہی جستجو　　کون ہے روشن ضمیر کون ہے روشن دماغ

آخر میں ایک منظوم مکالمہ ہے جس میں شاعر نے علامہ اقبال کے اشعار پر سوالات قائم کر کے انہیں کے اشعار سے جوابات تلاش کئے ہیں یہ دلچسپ مکالمہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

(بقیہ ص۵۱ پر)

محترم مرتب الرشاد کی قابل قدر علمی و دینی تصانیف

اسلامی فقہ حصہ اول، دوم، سوم — قیمت حصہ اول ۹۰/ دوم ۱۱۰/ سوم ۸۰/ روپئے

قرآن پاک اور اسکی تعلیم	قیمت ۰۰/۸ "
اہل دل کی باتیں	" ۰۰/۲۵ "
خطبۂ نکاح	" ۰۰/۱۰ "
مسئلہ کفارت	" ۰۰/۸ "
جہیز کی شرعی حیثیت	" ۰۰/۸ "
دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں	" ۰۰/۱۲ "
عبادت اور خدمت	" ۰۰/۱۵ "
سربداران کی رباعیاں	" ۰۰/۴۰ "
خواجہ میر درد اور ان کی شاعری	
ریاض الحدیث	" ۰۰/۲۵ "
وقت ایک دولت ہے	" ۰۰/۴ "
اسلامی قانون اُجمت (زیر طبع ہندوستان میں)	" ۰۰/۳۵ "
تبع تابعین	" ۰۰/۵۵ "
اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات	" ــ/۶۵ "
اہل کتاب صحابہ و تابعین	" ۰۰/۳۵ "
اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام (زیر طبع ہندوستان میں)	" ۰۰/۶۵ "
فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مؤلفین (" " ")	" ۰۰/۵۵ "
فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل	" ۰۰/۴۵ "
اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم	قیمت سیٹ ۰۰/۳۶
نماز اور خشوع اور تواضع	قیمت ۰۰/۵-۵ "
خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ	" ۰۰/۲۵ "
ثبوتِ رجم	" ۰۰/۲۵
ایمان و عقیدہ	" ۰۰/۴۵
مقالات علامہ سید سلیمان ندوی سیمنار	زیر طبع

ملنے کا پتہ۔ مہتمم مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ، یوپی

سالانہ چندہ	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان	سالانہ چندہ
ہندوستان سے =/75	ماہنامہ	غیر ممالک سے
خصوصی معاون =/100	جامعۃ	پندرہ ڈالر امریکی
قیمت فی پرچہ =/7	الرشاد	15/

جلد ۳۸ — اگست، ستمبر ۱۹۹۹ء مطابق جمادی الاولیٰ جمادی الآخر ۱۴۲۰ھ — شمارہ ۲۱-۲۲

فہرست مضامین

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی (مرتب)

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (علیگ)

ڈاکٹر محمد نسیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ایم اے

مینجر توسیع و اشاعت

مولوی عقیل احمد صاحب ندوی و مولانا عبدالحق صاحب سمی بستوی

کتابت: اشرف بستوی

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

سوڈان کے نئے دستور کا جو خلاصہ پریس میں آیا ہے، جس کا ترجمہ سید حامد عبدالرحمٰن الکاف نے کیا ہے۔ اس کا بڑا حصہ سہ روزہ دعوت میں شائع ہوا ہم اس کی ابتدائی چند دفعات کے ترجمے رشحات میں شائع کر رہے ہیں

سوڈان مسلم اکثریت کا ایک ایسا ملک ہے، جو مختلف اسباب کی بنا پر دنیا میں بہت سی حکومتوں اور جماعتوں کی دلچسپی کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اسلامی تحریکیں اور اسلام مسلم ممالک اس کو ایک ایسی نئی تجربہ گاہ کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں جو ایرانی تجربے سے کچھ مختلف ہے لیکن امریکہ کی سوڈان اور سوڈانی نظام سے دشمنی، ان دونوں تجربوں کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ جہاں ایران اثنا عشری فقہ کی بیسویں صدی کی آخری چوتھائی کی تجربہ گاہ تھا اور ہے وہیں سوڈان سنی فقہ کا ایک ایسا تجربہ ہے جس میں مسیحی اقلیت (جنوبی سوڈان میں) کے علاوہ بت پرست قبائل بھی پائے جاتے ہیں۔

امریکہ و یورپ اور سوڈان کے جنوب میں واقع مسیحی حکومتیں (یوگنڈا، ایتھوپیا، اریٹیریا) علی الاعلان سوڈان کے اسلامی رجحانات کے خلاف ہیں۔ اور ۳۰/۳۵ برسوں سے جنوبی سوڈان کی مسیحی اقلیت کو فوجی، مالی اور سیاسی مدد کے ذریعے سوڈانی قوم کے خلاف برسرپیکار کر رکھا ہے۔

اب رہے سیکولر نواز اسلام دشمن شمال اور مغرب میں واقع مصر، لیبیا اور چاڈ توان میں مصر علی الاعلان سوڈان کے موجودہ نظام کے خلاف ہے مگر لیبیا امریکہ دشمنی کی وجہ سے کچھ کچھ دوستی کا اظہار کرتا رہتا ہے، جب کہ چاڈ بالکل خاموش ہے۔

اس متلاطم سمندر میں لیفٹننٹ جنرل حسن البشیر کی فوجی قیادت اور ڈاکٹر حسن ترابی

کی فکری رہنمائی میں برپا شدہ اس انقلاب نے آخر کار ۱۹۹۸ء میں ریاست بحیثیت ادارہ اسلام کی طرف حرکت کرنے کا فیصلہ کیا جو ایک مسودہ دستور پر استصواب رائے عامہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ استصواب ۹ سے ۱۵ مئی ۱۹۹۸ء منعقد ہوا۔ سات روز کی مدت، سوڈان کی وسعت، ذرائع نقل وحرکت کی کمی اور بیرون سوڈان بھی سوڈانیوں کو حق اظہار رائے کے دیئے جانے کی وجہ سے ضروری تھی۔ اس استصواب رائے میں سوڈانی باشندوں نے بھاری اکثریت سے مسودہ دستور کو منظور کر کے اس کو دستوری اور قانونی حیثیت سے نواز دیا

میرے سامنے دستور کا وہ مسودہ ہے جس کو صنعاء کے سوڈانی سفارت خانے نے مئی ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔ یہ بڑے سائز کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۴۰ دفعات ہیں جن کو ۹ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔

آغاز اور بنیادی دفعات

پہلے صفحے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ایک تمہیدی عبارت ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

اللہ کے نام سے۔ جو انسان اور قوموں کا خالق ہے اور زندگی بخشنے والا، آزادی عطا کرنے والا اور معاشروں کے لئے ہدایت کی قانونی شکل میں صورت گری کرنے والا ہے، ہم سوڈانی قوم نے اللہ کی توفیق سے تاریخ کے عبرت ناک دور سے اور ہر بار نئی تازگی حاصل کرنے والے انقلاب کی آگے بڑھانے والی قوت سے اپنی زندگیوں کے لئے یہ دستور عوامی زندگی کے لئے ایک نظام حیات کی حیثیت سے تیار کیا ہے جس کے احترام اور حفاظت کا ہم عہد کرتے ہیں اور اللہ سے مدد کی دعا کرتے ہیں۔

دفعہ (۱) باب اول میں ریاست اور اس کی رہنمائی کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ پہلی دفعہ میں سوڈانی ریاست کو ایک ایسا وطن قرار دیا گیا ہے جس میں مختلف نسلیں یعنی عربی اور افریقی نسلیں اور ثقافتیں (عربی، اسلامی، افریقی اور مغربی) جمع ہیں۔ اسلام آبادی کی اکثریت کا دین ہے لیکن مسیحیت اور دیگر نسلی (افریقی) عقائد کے ماننے والوں کو قانون عام کے دائرے میں اپنے شخصی دوینی

معاملات کو انجام دینے کی ضمانت دی گئی ہے۔

اب دوسری دفعہ کی طرف آیئے۔ اس میں سوڈان کے بہت ہی وسیع و عریض ملک ہونے کے باوجود، سیاسی حقوق اور واجبات، مالی حقوق اور واجبات (ٹیکس) اور قومی دولت کی تقسیم کو لامرکزی بنیاد پر، مرکزی حکومت اور علاقائی حکومتوں (ولایات) میں بانٹ دیا گیا ہے تاکہ مرکز کی اجارہ داری کی وجہ سے علاقائیت کا شیطان اپنے سینگ نہ اٹھا سکے۔ یہ ایک انقلابی اقدام ہے۔

دفعہ ۳ میں عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے لیکن دیگر مقامی زبانوں کو ترقی دینے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح ملکی ضروریات کا بحیثیت مجموعی لحاظ کرتے ہوئے مقامی امنگوں کا بھی پاس رکھا گیا ہے۔ یہ لسانی تعصبات کے خاتمے کا اعلان ثابت ہوگا۔

دفعہ ۴ میں ایک نیا پن اور ندرت محسوس ہوتی ہے۔ اس میں حاکمیت (حکم صادر کرنے کا حق، حلال وحرام قرار دینے کا حق) اور سیاست (بالادستی) میں حد فاصل پیدا کی گئی ہے۔ جہاں حاکمیت کو خلق کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا گیا ہے۔ (الحاکمیۃ فی الدولۃ للہ خالق البشر) وہیں اس حقیقت کے اعتبار سے کہ اس کو عمل کا جامہ بندے ہی پہناتے ہیں، بالادستی کو عوام کے دائرہ کار میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ خالق اور بشر میں حقوق کی تقسیم اور قانون سازی کے حق کو ثابت کرنے کی ایک بڑی خوبصورت اور کامیاب کوشش ہے جس پر سوڈان کے اسلامی مفکرین قابل مبارکباد قرار پاتے ہیں۔

دفعہ ۸ قومی معیشت :- اس دفعہ میں جہاں عمل پیداوار اور کھلی منڈی کی بنیاد پر قائم معیشت کی بشارت دی گئی ہے وہیں ان مالی اور اقتصادی آفتوں کی بیخ کنی بھی کی گئی ہے جن کا خاتمہ اسلامی عدل اجتماعی اور تقسیم دولت کے بنیادی اہداف حاصل کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ اس وجہ سے عمل پیداوار اور کھلی منڈی ہی کو آلات بنایا تاکہ سودخوری ذخیرہ اندوزی اور دھوکا بازاری کا جس میں ملاوٹ اور کم

تو لنا بھی شامل ہیں قلع قمع کیا جاسکے۔

اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک مقصد یہ ہے کہ قومی سطح پر حد امکان تک خود کفالت حاصل کی جا سکے خصوصاً غذائی اور دیگر بنیادی ضروریات کے میدانوں میں۔

ان الفاظ کے ذریعے۔۔۔ کاش اس پر پورے شعور کے ساتھ اور مضبوط منصوبہ بندی کے ساتھ عمل ہو۔۔۔ سوڈان کی قیادت نے اپنے گہرے سیاسی، اقتصادی اور بین الاقوامی شعور کا ثبوت مہیا کیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سود سے نجات حاصل کرنا، ذخیرہ اندوزی سے جنگ کرنا اور دھوکا دہی کو مذموم قرار دینا اور خود کفالت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا در اصل برکت کے حصول اور پیداوار میں ضرورت سے زیادہ فراوانی کے حصول کے مختلف وسائل ہیں ظاہر بات ہے کہ جن چیزوں سے اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے اگر ان سے چھٹکارا حاصل کیا جائے تو رب کائنات کی رحمت اور برکت ہی نازل ہوگی اور پیداوار میں مادی اور معنوی اعتبار سے اضافہ ہی ہوگا۔

ان سارے اقدامات کا ایک اور اعلیٰ مقصد سوڈان کے مختلف صوبوں میں طبقات اور افراد کے درمیان دولت کی منصفانہ تقسیم ہے تاکہ مختلف صوبوں کو محرومی اور نا انصافی کے جذبات سے نجات دلائی جاسکے۔ یقیناً یہ اقدامات علیحدگی پسندی کے رجحان کا قلع قمع کرنے میں اہم حصہ ادا کریں گے۔ انشاء اللہ

بقیہ اسوۂ حسنہ (جہاد)

لئے مجھے سواری دے گا میں اس کو اپنا سارا مال غنیمت دے دوں گا ایک بوڑھے انصاری نے کہا کہ میں سواری دیتا ہوں، چنانچہ وہ ان کی سواری لے کر جہاد میں شریک ہوئے اور وہاں چند اونٹنیاں ان کو ملیں لا کر ان کے حوالہ کر دیں بوڑھے انصاری بولے اپنے پاس رکھو میں نے یہ صرف ثواب کی خاطر دیا تھا۔[1] اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اسوۂ حسنہ حصہ اول کو تکمیل تک پہنچایا۔ مؤلف

---

[1] اسوۂ صحابیؓ کے مصنف نے ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے مگر راقم کو یہ واقعہ نہیں ملا مصنف پر اعتماد کر کے نقل کر دیا ہے۔

از
مجیب اللہ ندوی

اُسوۂ حسنہ

ایک زیرِ ترتیب کتاب

نماز با جماعت

عبادت اصلاً نام ہے بندہ اور خدا کے درمیان اس انفرادی تعلق کا جس کے ذریعہ بندہ خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے مگر اسلام میں عبد و معبود کے اس انفرادی تعلق کو باقی رکھنے کے لئے اس کو ایک اجتماعی صورت دے دی گئی ہے، یوں تو اسلام میں ہر عبادت کا رشتہ اجتماعیت سے جڑا ہوا ہے مگر ان میں بھی نماز کو خاص طور پر یہ اجتماعی حیثیت زیادہ اہمیت کے ساتھ دی گئی، اس لئے کہ دوسری عبادات سال میں یا عمر میں ایک بار فرض کی گئی ہیں مگر نماز کو روزانہ پانچ بار فرض کیا گیا ہے تاکہ پورے معاشرہ پر اس کے اثرات نمایاں ہوں جس طرح دوسری عبادات بالغ ہونے کے بعد فرض ہوتی ہیں، اسی طرح نماز بھی فرض تو بالغ ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے مگر اس فرض کی اجتماعی اہمیت کے پیشِ نظر حکم دیا گیا ہے کہ بچے اور بچیاں جب سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو مار کر پڑھاؤ۔

اسلامی شریعت میں نماز کا جو نظام قائم کیا گیا ہے اس میں اس بات کی پوری رعایت رکھی گئی ہے کہ عبد و معبود کا انفرادی تعلق بھی زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور اس میں اجتماعیت کی شان بھی نمایاں ہو، اسی لئے سنن و نوافل کی ادائیگی کا حکم انفرادی طور پر دیا گیا ہے اور فرض کی ادائیگی کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اسلام سے پہلے یہود کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا مگر انہوں نے اپنی بے عملی کی وجہ سے

اسکی اجتماعی حیثیت کو ترک کر کے صرف انفرادی حیثیت کو کسی حد تک باقی رکھا اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ تم نماز باجماعت کا پورا اہتمام کرو فرمایا گیا۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ [۱] (بقرہ)

نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

جماعت سے نماز پڑھنے کے بے شمار فائدے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی جتنی تاکید فرمائی ہے اتنی کم ہی کسی حکم کی فرمائی ہے۔ نماز باجماعت کے ظاہری اور روحانی بے شمار فائدے ہیں چند فائدوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱ ـــــــ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے آپس میں اتحاد و اتفاق اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے، دن رات میں پانچ مرتبہ مسلمان جب آپس میں ملیں گے تو لامحالہ ایک دوسرے کے رنج و خوشی سے واقفیت ہوگی، اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ بڑھے گا جو لوگ دولت مند ہوں گے ان کو غریبوں کی حالت و ضرورت سے واقفیت ہوگی اور وہ ان کی مدد کر سکیں گے، جو لوگ بیمار ہوں گے، دوسرے مسلمانوں کو فوراً اس کی اطلاع ہو جائے اور وہ ان کی تیمارداری اور عیادت کر سکیں کے جس سے یگانگت اور محبت پیدا ہوگی۔ افسوس ہے کہ ہماری جماعتی زندگی سے یہ روح نکلتی جارہی ہے۔

۲ ـــــــ نماز باجماعت ادا کرنے والوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں کوئی عالم ہوتا ہے کوئی جاہل ہوتا ہے کسی کے اندر ورع و تقویٰ زیادہ ہوتا ہے اور کسی میں کم ہوتا ہے

---

[۱] یہاں رکوع کا لفظ بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ یہود کی نماز میں سجدہ اور رکوع دونوں تھا جیسا کہ ملت ابراہیمی کی نماز کے سلسلہ میں قرآن کی آیات نقل کی جا چکی ہیں۔ مگر رکوع اور جماعت انہوں نے ترک کر دیا تھا یہ امت مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ حضور نے ملت ابراہیمی کی نماز کی تجدید فرمائی اور یہ آج تک قائم ہے۔ گویہ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کا ٹکڑا یہود کے سلسلہ میں نازل ہوا ہے مگر اس سے جمہور امت نے مسلمانوں کو مخاطب سمجھا ہے اسی سے نماز باجماعت کا حکم اخذ کیا ہے، اسلئے کہ یہود نے اپنی نماز میں رکوع ترک کر دیا تھا۔

کسی میں نماز کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے کسی میں کم ہوتا ہے اس طرح ایک دوسرے کیساتھ نماز پڑھنے میں غیر محسوس طور پر علم وتقویٰ رکھنے والوں کے باطنی اثرات دوسروں پر پڑتے ہیں، جن میں جماعت کا اہتمام نہیں ہوتا ان میں اہتمام پیدا ہو جاتا ہے پھر جاہل کو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تو وہ جاننے والے سے معلوم کر لیتا ہے، ایک کی نماز دیکھ کر دوسرا اپنی نماز کی خامی کو دور کر لیتا ہے۔

۳ ـــــــ اس کا تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے مساوات کا سبق ملتا ہے مسجد میں پہنچ کر جب امیر و غریب، خادم و مالک چھوٹے اور بڑے سب ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک اس کے تمام بندے برابر ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

۴ ـــــــ پھر اسکے ذریعہ دوسروں کے سامنے اسلام کی اجتماعی شان کا اظہار ہوتا ہے، اور اسلامی عبادت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

۵ ـــــــ پھر تمام مسلمانوں کا مل کر نماز پڑھنا اور مل کر دعا کرنا خدا کی رحمت کے نزول اور نیکی کے فروغ کا سبب بنتا ہے کیونکہ دیئے سے دیا جلتا ہے۔ نمازیوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں کوئی زیادہ نیک ہوتا کوئی کم نیک، کوئی دین کے کاموں کا زیادہ پابند ہوگا اور کوئی کم۔ تو آپس کے ملنے جلنے سے ایک کی نیکی کا اثر دوسرے پر ضرور پڑتا ہے آدمی جیسے لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان کی صحبت اختیار کرتا ہے اکثر اس پر ویسا ہی اثر پڑتا ہے۔ اس طرح نمازیوں کے برابر ملنے جلنے سے لوگوں کی نیکیاں بڑھیں گی۔ اور جتنی بھی نیکیاں بڑھیں گی برائیاں مٹیں گی اور یہ چیز خدا کی رحمت کے نزول کا سبب ہوگی۔

نماز باجماعت کی اہمیت کا اندازہ ذیل کے ارشادات نبویؐ اور اسوۂ نبویؐ اور اسوۂ صحابہؓ سے ہوگا۔

ارشادات نبوی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ[1] — نماز با جماعت کا ثواب تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ ملتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔

من سمع النداء فلم یمنعہ من اتباعہ عذر قالوا وما العذر قال خوف او مرض لم تقبل منہ الصلوٰۃ التی صلی[2] — جو اذان سنے اس کو کوئی عذر نہ ہو تو اس کی نماز مقبول نہیں ہے صحابہ نے پوچھا کہ عذر سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا دشمن کا خوف یا مرض۔

آپ فجر کی نماز کے بعد جائزہ فرماتے کہ کون جماعت میں شریک ہوا اور کس سے جماعت ترک ہوئی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ۔

عن ابی بن کعب صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً الصبح فقال اشاھد فلان قالوا لا قال اشاھد فلان قالوا لا قال ان ھاتین الصلوٰۃ اثقل الصلوات علی المنافقین[3] — حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن حضورؐ نے فجر کی نماز کے بعد دریافت فرمایا کہ فلاں نماز میں شریک ہیں ؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر دوسرے شخص کے بارے میں سوال فرمایا تو لوگوں نے کہا وہ بھی نہیں ہیں اس کے بعد آپؐ نے کہ یہ دو نمازیں (عشا اور فجر) منافقین پر بہت گراں گزرتی ہیں۔

دو نمازوں سے مراد عشاء اور فجر کی نمازیں۔ یہ حدیث ہمارے لئے قابل غور ہے کہ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۹۵ بحوالہ بخاری و مسلم [2] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد دارقطنی ص ۹۶ کتاب الصلوٰۃ

[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشدید فی ترک الجماعۃ

ان نمازوں میں کاہلی اور سستی کو آپ نے نفاق کی علامت فرمایا ہے، عام طور پر عشاء کی جماعت بازاروں کی تفریح اور کاروباری مشغولیت کی نذر ہو جاتی ہے اور فجر کی نماز نیند اور غفلت کی۔

عام طور پر ہم لوگ گھڑی پر نظر رکھتے ہیں بس وقت مقررہ جہاں ہوا بس فوراً جماعت کھڑی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بسا اوقات جو لوگ جماعت کے انتہائی پابند ہوتے ہیں ان کی ایک دو رکعت چھوٹ جاتی ہے جس سے ان کو قلبی تکلیف ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقت سے زیادہ نمازیوں کا لحاظ فرماتے تھے، اگر کم لوگ ہوتے تو اقامت کے بعد بھی آپ نمازیوں کا انتظار فرماتے تھے۔ ابو داؤد میں ابو سالم ابو النصر سے مرسلاً روایت ہے کہ۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقام الصلوٰۃ فی المسجد اذا رأھم قلیلا جلس لم تصل واذا رأھم جماعۃ صلی [۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ مسجد میں نماز کی اقامت ہو جاتی تھی اور جب آپ ملاحظہ فرماتے کہ لوگ کم پہنچے ہیں تو آپ بیٹھ جاتے اور جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو آپ نماز شروع فرماتے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رافت و رحمت اور لطف و کرم تھے۔ آپ کی ذات گرامی پر اذیت رسانی کے پہاڑ توڑے گئے مگر زبان مبارک سے کسی شدید ناگواری کے الفاظ ادا نہیں ہوئے مگر جب دین کے کسی حکم کے تعمیل میں آپ کوتاہی دیکھتے تو پھر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا اور زبان مبارک سے انتہائی ناگواری کا اظہار فرماتے، جب غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ کی کئی نمازیں قضا ہوئیں تو آپ نے دشمنان اسلام کے لئے بددعا کے سخت الفاظ فرمائے یا پھر نماز با جماعت ترک کرنے والوں کے لئے غصہ کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

---

[۱] ابوداؤد بکتاب الصلوٰۃ باب فی الصلوٰۃ تقام ص۸۰

والذی نفسی بیدہ لقد هممت ان امر بحطب یحطب ثم امر بالصلوٰۃ فیوذن لھا ثم امر رجلاً لیوم الناس ثم اخالف الی رجال لا یشھدون الصلوٰۃ فاحرق علیھم بیوتھم [1]	اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ میں حکم دوں لکڑی جمع کرنے کا پھر نماز کے لئے اذان کا حکم دوں پھر ایک شخص سے کہوں کہ وہ امامت کرے اور میں ان لوگوں کے گھروں پہ جاؤں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نماز با جماعت کے ترک پر آپ نے جتنے سخت انداز میں تنبیہ فرمائی اتنا غضب ناک انداز شاید کسی دوسرے حکم کے ترک پر آپ نے اختیار نہ فرمایا ہو۔ اس ارادہ کی تکمیل اس لئے نہیں فرمائی کہ گھر میں عورتیں اور بچے بھی ہیں دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اسکی روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

لولا ما فی البیوت من النساء و الذریۃ اقمت صلوٰۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار [2]	اگر گھر کے اندر عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی اقامت کہلاتا اور کچھ نوجوان غلاموں کو حکم دیتا کہ جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہیں ان کے گھروں کو آگ لگا دیں۔

جب نماز با جماعت کے لئے اقامت ہو جاتی تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کے درست کرنے کا نہ صرف حکم فرماتے بلکہ بسا اوقات بذاتِ خود درست فرمانے کے لئے اقدام فرماتے نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلھا ص۹۵ بحوالہ بخاری و مسلم

[2] ایضاً ص۹۷ بحوالہ مسند احمد

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا اذا قمنا الى الصلوٰة فاذا استوينا كبّر"[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو حضور ہماری صفوں کو درست فرماتے جب ٹھیک ٹھیک کھڑے ہو جاتے تب آپ تکبیر تحریمہ فرماتے۔

اسوۂ نبوی

نماز باجماعت کی فضیلت اور اہمیت کے سلسلہ میں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے خود بھی وہ اسکی عملی تصویر تھے نماز پنجگانہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوئی مگر وہاں جماعت سے نماز ادا کرنے کا موقع حاصل نہیں تھا مرکز توحید یعنی خانہ کعبہ میں قریش کے لوگ انفرادی طور پر نماز ادا کرنے میں بھی حارج ہورہے تھے تو نماز باجماعت کو وہ کب برداشت کرتے مگر مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد حضور نے سب سے پہلے قبا میں جہاں پندرہ دن آپ کا قیام رہا وہاں مسجد تعمیر فرمائی * مسجد نبوی تعمیر کرنے کے بعد مدینہ کی دس سالہ زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جس میں وہاں تشریف فرما رہے ہوں اور جماعت سے نماز نہ ادا فرمائی ہو بلکہ نماز باجماعت کی امامت نہ فرمائی ہو۔ اور جب جہاد کا سفر درپیش رہا ہو تو وہاں بھی اس کا اہتمام آپ نے نہ فرمایا ہو۔ اسی اہتمام کے پیش نظر اکثر سفر میں موذن رسول حضرت بلال یا حضرت ابن ام مکتوم وغیرہ ساتھ ہوتے تھے۔

مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمایا پھر دو آدمیوں کے سہارے آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور جماعت میں شرکت فرمائی۔ اسکی تفصیل ملاحظہ ہو۔

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بار حضرت عائشہ کے سامنے جماعت کی پابندی اور اس کی عظمت کا ذکر کیا، اس ذکر سے مقصد یہ تھا کہ معلوم کریں کہ جماعت کی پابندی کس حد تک ضروری ہے۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ۔ مشکوٰۃ صہ ۹۸

* اور نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا اور مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی تعمیر فرمائی

یہ سنکر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو جب اذان ہوئی تو آپ نے حکم فرمایا کہ ابوبکر امامت کریں۔ بڑے تامل کے بعد اس منصب کے لئے وہ تیار ہوئے اور انہوں نے نماز شروع کر دی، اس اثنا میں حضور نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور نماز ادا فرمائی حضرت عائشہ نے ان الفاظ میں اس کی منظر کشی کی ہے

فخرج ابوبکر یصلی فوجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفۃً فخرج یھادی بین رجلین کانی انظر الی رجلیہ تخطان الارض من الوجع [1]

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد گئے اور نماز کی امامت شروع کی اس درمیان حضور نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو دو آدمیوں کے سہارے اس طرح مسجد تشریف لے گئے گویا میں دیکھ رہی تھی کہ تکلیف کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک پورے طور پر زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔ لڑکھڑا رہے ہیں۔

یہ روایت حضرت عائشہ نے آپ کی وفات کے بعد بیان کی اسی لئے فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہی ہوں۔

حضرت ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ ایک بار تیز بارش ہوئی جس سے مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور اس وقت وہ کھجور کی چھال سے ڈھکی ہوئی تھی مگر حضور نے اس حالت میں بھی مسجد میں جماعت سے نماز ادا فرمائی ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فاقیمت الصلوٰۃ فرایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسجد فی الماء والطین حتی رایت اثر الطین فی جبھتہ [2]

نماز کے لئے اقامت کہی گئی تو میں نے دیکھا کہ آپ مٹی و پانی سے تر زمین پر سجدہ فرمایا میں نے دیکھا کہ آپ کے رخ انور پر مٹی لگی ہوئی تھی۔

---

[1] بخاری ج اول کتاب الصلوٰۃ باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ
[2] ایضاً۔ باب ہل یصلی الامام بمن حضر۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ بارش میں گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت آپ نے خود فرمادی تھی۔ اور بارش میں اذان کے بعد موذن سے آپ نے اعلان کرایا الصلوٰۃ فی الرحال لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ مگر آپ نے بذات خود رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل فرمایا۔

اسوۂ صحابہؓ صحابہ کرام نہ صرف نماز با جماعت کا اہتمام کرتے تھے بلکہ جو لوگ ان میں کوتاہی کرتے ان کو وہ منافق سمجھتے تھے نقیہ امت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت حدیث کی تمام کتابوں میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ۔

قال لقد رایتنا و مایتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یاتی الصلوٰۃ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدی وان من سنن الھدی الصلوٰۃ فی المسجد الذی یوذن فیہ [1]

انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے کو یعنی صحابہ کو اس حال میں دیکھا کہ نماز باجماعت سے وہی پیچھے رہ جاتا ہے جو کھلا ہوا منافق ہوتا یا مریض ہوتا اور بعض مریض دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو "سنن ہدیٰ" یعنی ہدایت کی تمام باتیں سکھائی ہیں اور انہی "سنن ہدیٰ" میں یہ بھی ہے کہ جب مسجد میں اذان ہو جائے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من سمع النداء فلم یجبہ فلا — جو اذان سنے اور وہ مسجد میں نہ جائے

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الجماعۃ بحوالہ مسلم ص۹۶

صلوٰۃ لہ الا من عذر لہ[1] تو اس کی نماز مقبول نہیں۔

اگر کسی کی جماعت قضا ہو جاتی تو دوسری مسجد میں جماعت مل جانے کی توقع ہوتی تو صحابہ وہاں جا کر نماز پڑھتے۔

سلیمان بن خثمہ صحابی کے لڑکے ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمرؓ میرے والد سلیمان کو فجر کی جماعت میں نہیں دیکھا تو کچھ دیر بعد بازار کی طرف گئے اور سلیمان کی رہائش بازار اور مسجد نبوی کے درمیان تھی تو ان کے گھر بھی گئے اور ان کی والدہ شفار سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ صبح کی نماز میں میں نے نہیں دیکھا انہوں نے کہا یہ رات زیادہ جگے تھے اس لئے نیند لگ گئی یہ سنکر حضرت عمر نے فرمایا۔

لان اشہد صلوٰۃ الصبح فی الجماعۃ احب الی من ان اقوم لیلۃ[2] میں نماز فجر کی جماعت کے ساتھ پڑھوں یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں رات بھر نفل پڑھتا رہوں

حضرت ابن ام مکتوم نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ رات میں مدینہ میں بہت سے کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں میں اندھا آدمی ہوں اور کوئی ساتھ لانے والا بھی نہیں ہے تو کیا میرے لئے جماعت میں شریک نہ ہونے کی گنجائش ہے آپ نے فرمایا کہ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ، حَیَّ عَلَی الفَلَاح کی آواز کانوں میں جاتی ہے تو پھر اس کی گنجائش نہیں[2]

تہجد اور نوافل کا اہتمام

تہجد کی نماز کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ھی داب الصالحین

یہ تمام انبیاء اور صالحین کی سنت رہی ہے، جب تک نماز پنجگانہ فرض نہیں ہوئی تھی وہ حضور اور صحابہ کرام کے لئے بمنزلہ فرض تھی چنانچہ قرآن پاک میں امر کے صیغہ (حکم) کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص۹۷ بحوالہ دار قطنی [2] مشکوٰۃ بحوالہ مؤطا امام مالک ص۹۷ باب فضل الجماعۃ

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل)

اے کمبل اوڑھنے والے رات کے کچھ حصہ میں نماز کے لئے اٹھئے، نصف رات یا اس سے کم یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن پاک خوب ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھئے۔

اس حکم الٰہی کو حضورؐ نے اور آپ کی معیت میں صحابہ کرام نے اپنی زندگی کا ایسا معمول بنا لیا کہ اس کی فرضیت ختم ہونے کے بعد بھی اس کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کو بھی عبدیت کی اس ادا سے ایسا پیار آگیا کہ انتہائی محبت بھرے انداز میں قرآن پاک میں اس کا ذکر فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

(المزمل)

آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں بعض لوگ (یعنی صحابہ کرام) دو تہائی رات کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات نماز تہجد میں کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس کا پورا احاطہ نہیں کر سکتے اسلئے اس نے تمہارے حال پر رحم کیا تو جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھو اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ مریض بھی ہوں گے اور بعض لوگ تلاش معاش میں ادھر ادھر جائیں گے بھی اور بعض لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد کرینگے تو جتنا آسانی سے ہو سکے تہجد میں قرآن پڑھیں۔

نماز تہجد کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حضورؐ کو اسی نماز کے نتیجہ میں مقام

محمود" کا اعلیٰ مقام عطا کیا گیا ہے جو جنت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل)

رات کے کچھ حصہ میں آپ تہجد پڑھا کریں یہ فرض کے علاوہ زیادہ چیز ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا کرے گا۔

اوپر والی آیت میں آپ کے قیام لیل کے ذکر کے ساتھ صحابہ کے قیام لیل کا ذکر بھی کیا گیا ہے اس لئے اللہ کی ذات سے بعید نہیں کہ وہ ہر تہجد پڑھنے والے کو بھی مقام محمود کا کوئی ادنیٰ درجہ عطا فرمادے اور حضور کی معیت کا شرف اسے بھی مل جائے۔

ارشادات نبوی

تہجد کی اہمیت اور فضیلت میں بیشمار حدیثیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں چند حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ (بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پروردگار عالم ہر رات جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو سماء دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اسکی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں۔

غور کیجئے کہ پروردگار عالم کا کتنا کرم ہے کہ ہر رات کو پچھلے پہر اپنی شان ربوبیت کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ میری رحمت و مغفرت کے چشمہائے نور ہر طرف جاری ہیں اٹھو اور اپنی مادی اور روحانی ہر پیاس بجھالو یہ ہماری کتنی بڑی محرومی اور بدنصیبی ہوگی، کہ ہم کو یہ آوازۂ رحمت نہ چونکا سکے اور ہم اس فیضان رحمت کی ضیاباری سے اپنے دل و دماغ کو منور نہ کرسکیں۔

روشنی کم نہ محبت کے اجالے کم ہیں
اب طلب گار ہیں کم چاہنے والے کم ہیں

اس وقتِ مسعود میں رحمت الٰہی ہر بندہ سے کتنی قریب ہوتی ہے ایک دوسری حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن عمرو بن عبسة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرب ما يكون الرب من العبد فى جوف الليل فان استطعت ان تكون ممن يذكر الله فى تلك الساعة فكن (ترمذی)

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پروردگار عالم بندے سے رات کے پچھلے درمیانی حصہ میں قریب ہوتا ہے تو اگر تم سے ہو سکے کہ تم اس وقت ان بندوں میں ہو جاؤ جو اس وقت اللہ کے ذکر و دعا میں مشغول رہتے ہیں تو ہو جانا چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل الصلوٰة بعد المكتوبة الصلوٰة فى جوف الليل (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز درمیانی رات کی ہے یعنی تہجد کی نماز۔

تہجد کی نماز تمام انبیاء و صلحاء کی سنت رہی ہے حضور نے اس سنت کو اپنی زندگی میں داخل کر لینے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابو امامہ روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بقيام فانه دأب الصالحين قبلكم وهو قربة لكم الى ربكم مكفرة للسيأت ومنهاة عن الاثم (مشکوٰۃ ص۱۰۹ بحوالہ ابوداؤد و نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اوپر رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کو لازم پکڑ لو۔ اسلئے کہ تم سے پہلے بھی یہ تمام انبیاء و صالحین کا طریقہ رہا ہے یہ تمہارے لئے اللہ سے قرب کا ذریعہ ہے اور یہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔

اس روایت میں حضورؐ نے نماز تہجد کی چار خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ یہ نماز قدیم زمانہ سے تمام صالحین ادا کرتے رہے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہے۔

۳۔ اس سے گناہوں کے اثرات مٹتے ہیں۔

۴۔ آئندہ گناہوں سے روکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دآب الصالحین کی مثال کے لئے حضرت داؤد کے قیام لیل کا ذکر فرمایا حضرت عثمان بن ابوالعاص سے روایت ہے کہ۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کان لداؤد علیہ السلام من اللیل ساعة یوقظ فیھا اھلہ یقول یا آل داؤد قوموا فصلوا فان ھذہ ساعة یستجیب اللہ عزوجل فیھا الدعاء الا لساحر او عشار (مشکوٰۃ ص باب قیام اللیل بحوالہ مسند احمد)	میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد رات کے ایک حصہ میں اپنے اہل وعیال کو جگاتے تھے، فرماتے کہ اے داؤد کے گھر والو اٹھو اور نماز پڑھو، یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ جادوگر اور ظالم کے علاوہ ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے۔

حضورؐ نے اس کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ گھر والوں کو چاہئے کہ وہ تہجد کے لئے ایک دوسرے کو جگائیں۔ روایت کے الفاظ میں گو امر اور حکم کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا مگر مفہوم ترغیب اور حکم ہی کا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ۔

رحم اللہ رجلا قام من اللیل فصلی وایقظ امرتہ فصلت فان ابت نضح فی وجھھا الماء رحم اللہ امرأۃ قامت من اللیل فصلت وایقظت زوجھا فصلی	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس بندے پر اللہ کی رحمت ہو جو رات کو اٹھا اور تہجد کی نماز پڑھی اور پھر اپنی بیوی کو جگایا وہ بھی اٹھی اور نماز پڑھی اگر نیند کی وجہ سے اٹھنے میں دیر کی تو اس کے منہ پر ہلکا سا

وان ابی نفخت فی وجھہ الماء

ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ ص۱۰۹

چھینٹا دے کر اسے جگایا، اسی طرح اللہ کی رحمت اس عورت پر بھی ہو جو رات کو اٹھی اور نماز تہجد ادا کی اور پھر شوہر کو بھی جگایا وہ بھی اٹھا اور اس نے بھی نماز تہجد پڑھی اگر اس نے اٹھنے میں سستی کی تو اس نے بھی اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر جگایا۔

خود حضورؐ کے بارے میں امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ آپ حضرت فاطمہ اور حضرت علی کو تہجد کے لئے جگایا کرتے تھے۔ حضرت حسن روایت کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرق فاطمۃ وعلیا للصلوٰۃ (بخاری ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے لئے حضرت فاطمہ اور حضرت علی کو جگایا کرتے۔

اسوۂ نبوی

اوپر قرآن پاک اور ارشادات میں نماز تہجد کی جو اہمیت اور فضیلت بیان ہوئی ہے اس کی عملی تصویر حضور کی حیات طیبہ میں نظر آئے گی، حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ۔

قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفرلك ما تقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً

(بخاری جلد اول باب التہجد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں اتنی دیر قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ حضور آپ رات کی عبادت میں اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ آپ سراپا معصوم ہیں اور آپ کی اگلی پچھلی معمولی لغزش بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہے آپ نے فرمایا تو کیا میں آپ کے ان بیشمار احسانات کے صلہ میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

اس اسوۂ نبوی میں آپ کے ذنب (گناہ) معاف کرنے کا ذکر ہے حالانکہ جمہور

امت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اس پر مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب معارف الحدیث میں جو نوٹ لکھا ہے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں ۔

" اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لئے جاتے ہیں ۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے ؟ اسکے جواب میں جو کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیل سے ہیں اور جو امت کے حق میں بھی گناہ ہیں ، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت و گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے مناسب نہ ہوں جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ ابن ام مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا یا غزوہ بدر میں فدیہ لے کر قیدیوں کے چھوڑنے کا واقعہ جن پر سورہ تحریم اور سورہ عبس ، سورہ انفال میں آپ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی ۔

بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں ۔

مگر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکرمند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکرمند نہیں ہوتے ۔ پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے ۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی ہلکی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں ۔ قرآن پاک میں بھی جہاں مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ آیا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے ۔" (صفحہ ۲۱۳ جلد ۳)

حضورؐ نماز تہجد کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ کسی عذر یا نیند لگ جانے کی وجہ سے کبھی وہ چھوٹ جاتی تو آپ دن میں اس کی قضا فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الصلوٰۃ من اللیل من وجع اوغیرہ صلی من النہار ثنتی عشر رکعۃ[1]

جب کبھی حضور کی نماز کسی تکلیف یا عذر کی وجہ سے چھوٹ جاتی تو دن میں بارہ رکعت ادا فرماتے۔

تہجد میں آپ کا معمول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں کبھی سات، کبھی نو کبھی گیارہ، اور کبھی تیرہ ادا فرماتے اس میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی سنت بھی شامل ہوتی ابتدائی دو رکعتیں آپ ہلکی پڑھتے اس کے بعد اور طویل رکعتیں کرتے چند حدیثیں ملاحظہ ہوں[2]۔

عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشر رکعۃ منہا الوتر و رکعتا الفجر[3]

حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعتیں ادا فرماتے جس میں تین وتر اور دو رکعت فجر کی شامل ہوتی۔

اس میں تین رکعت وتر کے لفظ کا ذکر نہیں ہے مگر ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ سے وتر میں آپ کی قرأت کے بارے میں کسی نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى پڑھتے دوسری رکعت میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

آپ تہجد کی پہلی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل لیصلی افتتح صلوٰتہ برکعتین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تہجد کے لئے رات کو اٹھتے تو ابتدا

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۱۰ [2] ایضاً باب صلوٰۃ اللیل [3] ایضاً

خفیفتین

کی دو رکعتیں بہت ہلکی پڑھتے اور اس کے بعد لمبی رکعت کرتے۔

دوسروں کو بھی آپ یہی حکم فرماتے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح الصلوٰۃ برکعتین خفیفتین (مشکوٰۃ ص۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تہجد کے لئے رات کو اٹھے تو پہلے دو رکعتیں ہلکی پڑھے پھر جتنی لمبی چاہے پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے حضور کو کے رات کو اٹھنے اور نماز ادا کرنے اور دعا کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

عن عبد اللہ بن عباس انہ رقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستیقظ فتسوک وتوضأ وھو یقول ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیت لاولی الالباب فقرأ ھٰؤلاء الاٰیات حتی ختم السورۃ ثم قام فصلی رکعتین فاطال فیھما القیام والرکوع والسجود ثم انصرف فنام حتی نفخ ثم فعل ذالک ثلاث مرات ست رکعات کل ذالک یستاک ویتوضأ ویقرأ ھٰؤلاء الاٰیات ثم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، اور آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ اس وقت (سورہ آل عمران کے آخر کی) یہ دعائیہ آیتیں تلاوت فرماتے تھے، اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ختم سورہ تک) پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجود بہت طویل کیا، پھر آپ بستر کی طرف واپس آئے (اور ذرا دیر کیلئے) سو گئے، یہاں تک کہ آپ کی سانس آواز کے ساتھ چلنے لگی، اسکے بعد آپنے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد مسواک کی

اوتر بثلاث فاذن المؤذن
فخرج الی الصلوٰۃ وھو
یقول اللھم اجعل فی
قلبی نورًا وفی لسانی نورًا
واجعل فی سمعی نورًا
واجعل فی بصری نورًا
واجعل فی خلفی نورًا
ومن امامی نورًا
واجعل من فوقی نورًا
ومن تحتی نورًا اللھم
اعطنی نورًا

(رواہ مسلم)

وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپ نے (پہلی دو رکعتوں کے علاوہ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اٹھ کر آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کے آخر کی وہ آیتیں پڑھتے تھے، پھر آپ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی، پھر مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ یہ دعا فرما رہے تھے اللھم اجعل لی فی قلبی نورًا وفی لسانی نورًا الخ اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، اور میری زبان میں نور پیدا فرما اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کردے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کردے اے اللہ مجھے نور عطا فرما دے۔

عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر تہجد پڑھتے مگر جب بدن کچھ بھاری ہوگیا تو کچھ دیر کھڑے ہو کر پڑھتے اور کچھ دیر بیٹھ جاتے اور آپ کی قرأت کبھی دھیمی آواز سے ہوتی اور کبھی بلند آواز سے۔ کانت قرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل یرفع طورا ویخفض طورا (مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۶)

اسوۂ صحابہ

اوپر ذکر آچکا ہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے نماز تہجد فرض تھی، جس میں حضور کیساتھ اس سعادت میں صحابہ بھی شریک تھے مگر جب نماز پنجگانہ فرض ہوگئی تو اس کی حیثیت سنت متواترہ کی رہ گئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عمل میں فرق نہ آیا، وہ اسی طرح اس کی ادائگی کا اہتمام کرتے جس

طرح فرض ہونے کی صورت میں کرتے تھے، اسوۂ نبوی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اب ایک نظر اسوۂ صحابہ پر بھی ڈالی جائے ان کے اس اہتمام کا ذکر خود قرآن پاک میں کئی جگہ ہے سورہ الم سجدہ میں ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الم سجدہ)

ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ خوف اور امید کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذٰریات)

وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں اور آخر رات میں اپنی کوتاہیوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔

اللہ کے خاص بندوں کی صفتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان)

وہ رات کی رات سجدے اور قیام میں گزار دیتے ہیں۔

صحابہ عباد الرحمٰن کی زندہ تصویر تھے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

اوپر سورہ مزمل کی آیت کا ذکر آچکا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد میں کھڑے ہونے کا بڑے محبت بھرے انداز میں ذکر کیا ہے۔

صحابہ قرآن پاک کے حکم، ارشادات نبوی اور اسوۂ نبوی کی زندہ تصویر تھے، رات میں ان کی شب بیداری کے بیشمار واقعات حدیث کی کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں چند واقعات یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

اوپر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تہجد پڑھنے اور اس میں قرأت کرنے کا ذکر آچکا ہے حضرت ابوبکر دھیمی آواز سے قرآن پڑھتے اور حضرت عمر کافی بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتے حضورؐ کا ایک رات دونوں حضرات کے مکان سے گزر ہوا تو آپ دونوں سے آہستہ اور بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

قد اسمعت من ناجيت يا رسول الله

یارسول اللہ اس وقت میں اس ذات قدسی سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہوں، جو پست آواز بھی سنتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

يارسول الله اوقظ الوسنان واطرد الشيطان (مشكوة)

یارسول اللہ میں اپنی بلند آواز سے سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کچھ بلند کر دیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کچھ دھیمی کر دیا کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بیان فرماتے ہیں۔

ان اباه عمر بن الخطاب رضی الله عنه كان يصلى من الليل ما شاء حتى اذا كان من اٰخر الليل ايقظ اهله للصلوٰة يقول وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى

(مشکوٰۃ بحوالہ موطا امام مالک)

میرے والد عمر بن خطاب رات میں جتنی دیر ممکن ہوتا نماز پڑھتے اور رات کے بالکل آخری حصہ میں گھر والوں کو جگاتے اور زبان سے یقول لھم الصَّلٰوۃ کہتے جاتے یعنی نماز کیلئے اٹھو پھر یہ آیت تلاوت کرتے۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ ... (الخ) اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو میں تم سے رزق نہیں چاہتا میں تم سب کو خود رزق دیتا ہوں اور اچھا انجام تقویٰ اختیار کرنے والے کے لئے ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسید بن حضیر ایک رات تہجد میں سورہ بقرہ پڑھنا شروع کی وہ جہاں نماز پڑھ رہے تھے قریب ہی ان کی گھوڑی بندھی ہوئی تھی اور تھوڑے فاصلہ پر ان کا بچہ یحیٰی سو رہا تھا جب وہ قرآت کرتے تو گھوڑی بدکنے لگتی اور خاموش ہو جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتی اسی طرح بار بار ہوتا رہا۔ چنانچہ انہوں نے

نماز ختم کردی اور پھر آسمان کی طرف نگاہ ڈالی تو جیسے کوئی سایہ ہو اور اس میں چراغ جل رہے ہوں صبح کو خدمت نبوی میں گئے اور رات کا واقعہ بیان کیا یہ سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پڑھتے جاتے تو اچھا ہوتا، پھر فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیا تھا انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ حضور نے فرمایا۔

تلك الملٰئكة دنت لصوتك لو قرأت لاصحبت ينظر الناس اليها لاتتوارى منهم	یہ فرشتے تھے جو تمھاری قرآن پڑھنے کی آواز سنکر تمہارے قریب ہو گئے تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح ہو جاتی اور سب لوگ ان فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔
(مشکوٰۃ ص۱۸۴ فضائل القرآن بحوالہ مسلم و بخاری)	

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابو ہریرہ کا سات دن مہمان رہا۔

فكان هو وامرته وخادمه يقسم الليل اثلاثا يصلى هذا ثم يوقظ هذا	حضرت ابو ہریرہ ان کی بیوی اور غلام نے رات کو تین حصے میں تقسیم کر رکھا تھا باری باری رات کو اٹھتے اور نماز پڑھتے یعنی ایک پڑھ لیتا تو دوسرے کو جگاتا دوسرا پڑھ لیتا تو تیسرے کو جگاتا۔
(بخاری شریف جلد ۲ ص۸۱۵)	

کبھی کبھی دوسرے صحابہ حضور کے تہجد میں شریک ہو جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم فلم يزل قائما حتى هممت بامر سوء قلنا ما هممت قال هممت ان اقعد واذر النبى صلى الله عليه وسلم	میں ایک بار تہجد میں حضور کے ساتھ شریک ہوا تو آپ نے اتنا لمبا قیام فرمایا کہ میرے دل میں ایک برا خیال پیدا ہوا صحابہ نے پوچھا وہ برا خیال کیا تھا انہوں نے کہا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا چھوڑ دوں۔
(بخاری جلد اول باب التہجد)	

اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس انتہائی محبت اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے جو

صحابہ کرام کے دلوں میں آپ کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس ابھی بچے تھے مگر وہ حضور کے تہجد میں شریک ہو جاتے تھے وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھا اس روز حضورؐ کی باری انہی کے گھر تھی تو حضورؐ نے نماز عشاء پڑھی، اور سو گئے پھر آدھی رات یا اس سے کچھ پہلے یا بعد میں آپ بیدار ہوئے اور آپ نے وضو فرمایا آپ نے جس طرح وضو کیا میں نے بھی کیا۔ پھر آپ نے نماز شروع کی اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے بائیں کھڑا ہو گیا تو آپ نے نماز ہی میں میرا کان پکڑ کر اپنے داہنے کر دیا۔[1]

بعض صحابہ حضور کی نماز تہجد معلوم کرنے کے لئے آپ کے حجرہ کے دروازہ پر بیٹھے رہتے تھے خالد بن الجہنی بیان کرتے ہیں کہ۔

لَاَرْمُقَنَّ صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللیلۃ فتوسدت عتبتہ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین خفیفتین ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دیکھنے کیلئے میں ایک رات آپ کے دروازہ پر ٹیک لگائے بیٹھا رہا تو پہلے آپ نے ہلکی دو رکعت نماز پڑھی پھر لمبی لمبی رکعتیں کیں۔

اس سعادت کے حاصل کرنے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی نہ صرف شریک تھیں بلکہ وہ اس کے لئے حد درجہ مشقت اٹھاتی تھیں۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آپؐ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دو کھمبوں کے درمیان ایک رسی لٹکی ہوئی دیکھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے لوگوں نے بتایا کہ۔

ھذا الحبل الزینب فاذا افترت تعلقت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاحلوہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا افترت فلیقعد (بخاری ج اول، قیام اللیل)	یہ رسی زینب نے لگا رکھی ہے وہ نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اس کو پکڑ لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا چاہئے اس کو کھول دو جب آدمی تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

---

[1] ابوداؤد قیام اللیل [2] ایضاً۔ باب قیام اللیل

اسی طرح حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ بنو اسد کی ایک عورت میرے پاس موجود تھی اسی اثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

فلانۃ لا تنام باللیل فذکر من	یہ فلاں ہیں جو رات کو نماز پڑھتی رہتی ہیں اور
صلاتھا فقال وعلیکم ما تطیقون	سوتی نہیں آپ نے یہ سن کر فرمایا اتنا ہی عمل
من الاعمال فان اللہ لا یمل حتیٰ	کرنا چاہیے جتنی طاقت ہو تم تھک جاؤ گے
تملوا [1]	اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو تھکن نہیں ہوتی۔

حضرت عثمان بن مظعون رات بھر نفل نماز پڑھا کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے ان کو اعتدال کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا آپ نے فرمایا تمہارے بدن کا بھی حق ہے، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی [2]

حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضور کو علم ہوا کہ رات میں زیادہ تر نماز نفل پڑھتے رہتے ہیں تو ان کو اعتدال کی نصیحت فرمائی [3]

حضرت ابو درداء کا حال بھی یہی تھا، حضرت سلمان ان کے اسلامی بھائی تھے ان کو علم ہوا تو ایک رات جا کر ان کے یہاں ٹھہرے، جب رات میں حضرت ابو درداء اٹھنے لگے تو حضرت سلمان نے اٹھنے سے منع کیا پھر رات ڈھل گئی تو حضرت سلمان نے ان کو جگایا کہ اب نماز پڑھیں [4]۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت تمیم داری اور بعض دوسرے صحابہ کے قیام لیل کے واقعات کا ذکر آخرت کے بیان میں آچکا ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہم لوگ شریک تھے کہ رات میں پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میں پہرہ کون دے گا ایک مہاجر صحابی اور ایک انصاری صحابی نے کہا کہ حضور ہم لوگ پہرہ دیں گے حضور نے کہا کہ وادی کے دہانہ پر جو پہاڑی ہے اس پر پہرہ دو چنانچہ دونوں حضرات

---

[1] بخاری ج اول، باب قیام اللیل [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب القصد فی الصلوٰۃ
[3] بخاری، کتاب الصوم [4] ایضاً

وہاں پہنچ گئے۔ غالباً آپس میں پہرہ دینے اور سونے کی باری مقرر کرلی، مہاجر صحابی سو گئے اور انصاری صحابی نے نماز کی نیت باندھ لی اور سورہ کہف پڑھنا شروع کیا، ایک دشمن تاک میں تھا اس نے ان کو یکے بعد دیگرے تین تیر مارے وہ خون سے لت پت ہو گئے، مگر نہ نماز ختم کی اور نہ ساتھی کو جگایا جب نماز پوری کر چکے تو مہاجر ساتھی کو جگایا، انہوں نے ان کو خون میں لت پت دیکھا تو بولے کہ مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ۔

ان کنت فی سورۃ[۱] اقرأھا فلم احب ان اقطعھا	میں نے سورہ کہف شروع کر دی تھی اسلئے یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ اس کو ختم کئے بغیر نیت توڑوں۔

صحابہ کرام کو نماز سے اتنا شغف تھا کہ اگر ان کی قیمتی سے قیمتی چیز بھی اسکے خشوع و خضوع میں حارج ہوتی تو وہ اسے نثار کر دینا پسند کرتے مگر نماز میں ادنیٰ بھی خلل ان کو برداشت نہ ہوتا۔

حضرت ابوطلحہ انصاری ایک روز اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک چڑیا آکر چہچہانے لگی ان کا خیال بٹ گیا اور نماز کی رکعت یاد نہ رہی، نماز ختم کر کے حضور کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا اور پھر خدمت نبوی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ راہِ خدا میں دیتا ہوں۔

اسی طرح ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے باغ اس وقت خوب ہرا بھرا اور تروتازہ پھلوں سے لدا ہوا تھا اسکی طرف نگاہ گئی اور نماز کی رکعت یاد نہ رہی اس پر دل میں سخت ندامت محسوس کی حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ تھا انکی خدمت میں آئے اور فرمایا کہ یہ باغ میں راہ خدا میں دیتا ہوں اسنے میری نماز میں خلل ڈالا حضرت عثمان نے بیت المال کی طرف سے اسے فروخت کیا تو ۵۰ ہزار درہم اسکی قیمت ملی جسے بیت المال میں داخل کر دیا[۲]

---

[۱] ابوداؤد کتاب الطہارہ باب الوضوء من الدم ص۲ منذری نے روایت کیا ہے کہ یہ سورہ کہف پڑھ رہے تھے۔

[۲] یہ دونوں واقعے موطا امام مالک میں کتاب الصلوٰۃ باب ما یشغلک میں مذکور ہیں مذکور ہیں۔ بحوالہ سیرۃ النبی جلد ۵

از:۔ مفتی جمیل احمد نذیری
مہتم جامعہ عین الاسلام نوادہ۔ مبارکپور
اعظم گڑھ

عِلم

علم کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کی حقیقت کا ادراک۔ جاننا، پہچاننا، معرفت، یقین، علم کی ایسی اصطلاحی تعریف، جو علم کی تمام اقسام کو جامع ہو احقر کی نظر سے نہیں گزری۔ البتہ مختلف علوم وفنون کی جو تعریفات کی گئی ہیں، ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اصطلاحاً متناسب امور کے جاننے کا نام علم ہے جو دین یا دنیا کے اعتبار سے اعزاز وشرافت پر دلالت کریں۔

عالم کے لغوی معنی ہیں کسی بھی چیز کا جاننے والا لیکن اصطلاحاً علم دین جاننے والے کو عالم کہا جاتا ہے، اس کی جمع علماء ہے۔

یہی ابتدائے اسلام سے اب تک کی عام، مروج اور متداول اصطلاح ہے۔ اور اسے تواتر بلکہ اجماع کا درجہ حاصل ہو چکا ہے، چنانچہ طب، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، ادب اور سائنس اگرچہ علوم ہی ہیں مگر ان کے جاننے والے کو طبیب، ڈاکٹر، فلسفی، مورخ، ادیب، سائنس داں تو کہا جاتا ہے، عالم نہیں۔

علوم کی کثرت

آج دنیا میں علم کی بہتات اور کثرت ہے، مختلف چیزیں علم وفن کے نام پر وجود میں آچکی ہیں۔ علوم کی اس دنیا میں مفید، غیر مفید، نافع غیر نافع سبھی ہیں۔ نہ ہر وہ چیز جو علم کے نام پر پیش کر دی جائے قابلِ قبول ہوتی، نہ لائقِ توجہ، نہ ہر علم وفن میں گھسنا، لگنا اور محنت کرنا مفید ہوتا۔ بہت سوچ سمجھ کر، غور وفکر کرکے اس راہ میں قدم رکھنا چاہئے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

الخوض فی علم لا یستفید الخائض فیہ فائدۃ علم فھو مذموم	ایسے علم میں غور وخوض جس سے غور وخوض کرنے والا کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے وہ علم اس کے حق

في حقه ...... فكم من شخص خاض في العلوم استضر بها ولو لم يخض فيها لكان حاله احسن في الدين مما صار اليه ولا ينكر كون العلم ضارا لبعض الناس كما يضر لحم الطير وانواع الحلوى اللطيفة بالصبي الرضيع بل رب شخص ينفعه الجهل ببعض الامور[1]

مذموم ہے...... کتنے اشخاص ہیں جنھوں نے کسی علم میں غور وخوض کیا اور اس سے ان کو ضرر پہنچا جب تک وہ اس میں نہیں لگے تھے، دین کے معاملے میں ان کا حال بہت اچھا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگوں کے لئے علم مضر ہوتا ہے جیسے پرندں کا گوشت اور لذیذ مٹھائیاں دودھ پینے والے بچوں کے لئے مضر ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کے لئے یہی مفید ہوتا ہے کہ وہ بعض چیزوں سے ناواقف وجاہل ہیں۔

معلوم ہوا کہ علم انسان کو ہر جگہ نفع نہیں پہنچاتا، ضرر بھی پہنچاتا ہے، علم کے ذریعہ آدمی اگر راستی پر آتا ہے تو گمراہ بھی ہو جاتا ہے، علم ایک دو دھاری تلوار ہے، اسے استعمال کرنا بچوں کا کھیل نہیں۔

علم نافع وغیر نافع

احادیث کریمہ میں علم نافع وغیر نافع کی تقسیم کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کی دعا مانگی ہے اور غیر نافع سے پناہ مانگی ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

اللّٰهم انی اسئلك علماً نافعاً وعملاً متقبلا ورزقاً طيباً[2]

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے علم کا جو نفع دے، اور ایسے عمل کا جو قبول ہو جائے، اور ایسے رزق کا جو حلال وپاکیزہ ہو۔

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں بھی دعا مانگتے تھے۔

اللّٰهم انی اعوذ بك من علم لا ينفع و من قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جو تیرے آگے نہ

---

[1] احیاء علوم الدین ۱/۳۷ [2] مشکوٰۃ المصابیح ۲/۲۰۲ بحوالہ ابن ماجہ

ومن دعوة لا یستجاب لہا[1] نہ بھکے اور اپنے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، ان میں سے پہلی چیز یہ تھی کہ من علم لا ینفع (اس علم سے جو نفع نہ دے)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کچھ علوم نافع ہوتے ہیں، کچھ غیر نافع، نافع علوم حاصل کرنے چاہئیں، بلکہ ان کے حاصل ہونے کی دعا بھی مانگنی چاہئے، اور غیر نافع علوم نہیں حاصل کرنے چاہئیں اور ان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

ولا تکن بحاثا عن علوم ذمہا الشرع وزجر عنہا ولازم الاقتداء بالصحابۃ رضی اللہ عنہم واقتصر علی اتباع السنۃ فالسلامۃ فی الاتباع والخطر فی البحث عن الاشیاء والاستقلال ولا تکثر اللجج برایک ومعقولک ودلیلک وبرھانک وزعمک انی ابحث عن الاشیاء لاعرفھا علی ما ھی علیہ فای ضرر فی التفکر فی العلم فان ما یعود الیک من ضررہ اکثر وکم من شی تطلع علیہ فیضرک اطلاعک علیہ ضررا یکاد یھلکک فی الآخرۃ ان لم یتدارکک اللہ برحمتہ[2]

جن علوم کی شریعت نے مذمت کی ہے اور جن سے روکا ہے، انکی تحقیق میں وقت ضائع نہ کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کو لازم سمجھو، سنت کی اتباع پر اکتفا کرو، سلامتی اتباع میں ہے اور بحث وتحقیق میں پڑنا باعث خطر ہے۔ اپنی رائے، عقل، دلائل اور گمان کی بنیاد پر یہ مت سمجھو کہ میں اشیاء کی حقیقت کو جاننے کے لئے تحقیق کر رہا ہوں اس میں کیا نقصان ہے؟ علم میں غور کرنا کیسے مضر ہو سکتا ہے؟ اسلئے کہ جو نقصان تمہیں اس علم میں پڑنے سے ہوگا وہ بہت زیادہ ہوگا۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان کا علم حاصل کرو اور ان پر مطلع ہو جاؤ تو یہ واقفیت تم کو اتنا نقصان پہنچائے گی کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ بچائے، تو یہ تمہیں ہلاک کر دے گی۔

---

[1] ابن ماجہ ۱/۲۳ وصحیح مسلم وغیرہ [2] احیاء علوم الدین ۱/۳۷

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں کہ چونکہ تمام علوم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔

ولذالك قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان من العلم جهلاً وان من القول عیا ومعلوم ان العلم لایکون جهلا ولكنه یؤثر تاثیر الجهل فی الاضرار وقال ایضاً صلی الله علیہ وسلم قلیل من التوفیق خیر من کثیر العلم وقال عیسی علیہ السلام ما اکثر الشجر ولیس کلها بمثمر واکثر الثمر ولیس کلها طیب وما اکثر العلوم ولیس کلها بنافع ..

(احیاء علوم الدین ۱/۳۸)

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض علم جہالت ہوتے ہیں اور بعض باتیں سمجھنے سے تھکا دینے والی ہوتی ہیں جبکہ یہ معلوم ہے کہ علم جہل نہیں ہوتا لیکن چونکہ وہ ضرر پہنچانے میں جہل کی تاثیر رکھتا ہے اس لئے جہالت کہا گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "تھوڑی توفیق بہت علم سے بہتر ہے" حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ درخت تو بہت ہوتے ہیں مگر سب پھل دار نہیں ہوتے پھل بہت ہوتے ہیں مگر سب لذیذ نہیں ہوتے، اسی طرح علم بہت ہوتے ہیں مگر سب مفید نہیں ہوتے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ علم میں ذم کا پہلو کہاں سے آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فاعلم ان العلم لایذم بعینه وانما یذم فی حق العباد لاحد اسباب ثلاثة

علم بذات خود مذموم نہیں ہوتا، بلکہ بندوں کے اعتبار سے مذموم ہوتا ہے اور اس کی تین وجہیں ہوتی ہیں۔

پہلی وجہ یہ کہ وہ علم کسی کو ضرر پہنچائے، خواہ صاحب علم کو یا اس کے علاوہ کسی اور کو مثلاً سحر طلسمات وغیرہ۔

دوسری یہ کہ وہ علم زیادہ تر اس علم والے کے ہی حق میں مضر ہو جیسے علم نجوم۔

تیسری یہ کہ وہ علم لایعنی ہو کسی طرح کا اس میں فائدہ نہ ہو نہ دین کا، نہ دنیا کا، بلکہ اس میں لگنا عمر کو ضائع کرنا ہو۔ اور عمر جیسی قیمتی چیز کو بے فائدہ کام میں خرچ کرنا نادانی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کے چاروں طرف لوگ جمع تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا

کہ یہ شخص علامہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز کا؟ لوگوں نے جواب دیا "شعر کا اور عرب کے نسبوں کا" آپ نے فرمایا۔

علم لاینفع وجھل لایضر — یہ علم ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں اور جہالت ہے جو مضر نہیں۔ (احیاء علوم الدین ۱/۳۶)

جو علم دین صرف زبان تک ہو، دل تک نہ پہنچتا ہو، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایسا علم دین بھی غیر نافع ہے۔ یعنی جو علم صرف علم تک محدود ہو، عمل نہ ہو وہ غیر نافع ہے۔[1]

بہرحال نافع وہ علم ہے جو اس علم والے کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسرے کو بھی، مثلاً دین و شریعت اور اس کے متعلقات کا علم، طب، حساب، تاریخ، جغرافیہ، سائنس وغیرہ۔

غیر نافع وہ علم ہے جو نہ صاحب علم کو فائدہ پہنچائے نہ دوسرے کو، اور اس میں لگنا تضییع اوقات ہو، جیسے شعبدہ بازی، کہانت، سحر، موسیقی، مخرب اخلاق و عشقیہ شعر و شاعری، اور اس قسم کا ادب، افسانہ، ناول وغیرہ۔

کسی علم کے نافع و غیر نافع ہونے کا مدار ہماری رائے اور عقل پر نہیں احکم الحاکمین کی مشیت اور فیصلہ پر ہے، اگر کسی علم کو اللہ اور اس کے رسول نے غیر نافع قرار دے دیا اور کچھ عقلائے زمانہ انھیں نافع قرار دینے پر مصر ہوں تو یہ سفسطہ اور مغالطہ تو کہا جائے گا، اسے نافع تسلیم نہ کیا جائے گا۔

وَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۲/۲۱۶)

ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو، حقیقت اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

بہرحال علم کی تقسیم اولی سے علم کی دو قسمیں نکلیں، علم نافع، علم غیر نافع، پھر علم نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) علم دین یا علم شریعت (۲) علم دنیا۔

اب ہم اس سوال سے بحث کریں گے کہ کون سا علم کس درجہ میں حاصل کرنا ضروری ہے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ۱/۳۷ کتاب العلم بحوالہ دارمی

علم فرض عین

علامہ حصکفی رہ لکھتے ہیں۔

واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر مایحتاج لدینہ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۱/۳۱)

نہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علم کا سیکھنا فرض عین ہے۔ اور اس سے مراد اتنا علم جس کا وہ اپنے دین کے لئے محتاج ہو۔

علامہ ابن عابدین شامی اس کی تفصیلات علامی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

من فرائض الاسلام مایحتاج الیہ العبد فی اقامۃ دینہ واخلاص عملہ للہ تعالیٰ ومعاشرۃ عبادہ وفرض علی کل مکلف ومکلفۃ بعد تعلمہ علم الدین والھدایۃ تعلم علم الوضوء والغسل والصلوٰۃ والصوم وعلم الزکوٰۃ لمن لہ نصاب والحج لمن وجب علیہ والبیوع علی التجار لیحترزوا عن الشبہات والمکروھات فی سائر المعاملات وکذا اھل الحرف وکل من اشتغل لبشیٔ یفرض علیہ علمہ وحکمہ لیمتنع عن الحرام فیہ۔

یعنی فرائض اسلام کہ اپنا دین قائم کرنے، اپنے اخلاص عمل اور بندگانِ خدا کے ساتھ رہنے سہنے کے لئے بندہ جن کا محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر عاقل وبالغ مرد وعورت پر علم دین وہدایت سیکھنے کے بعد فرض ہے کہ وہ وضو، غسل، نماز اور روزہ کا علم سیکھے، جس پر حج فرض ہو وہ حج کا علم سیکھے، تاجر حضرات خرید وفروخت کے مسائل سیکھیں تاکہ تمام معاملات میں شبہات ومکروہات سے بچ سکیں۔ ایسے ہی صنعت کار اور ہر وہ شخص جو کسی کام میں مشغول ہو اس پر وہ علم اور اس کا حکم سیکھنا فرض ہے تاکہ اس میں حرام کا مرتکب نہ ہو۔

لہ فرض عین اس فرض کو کہتے ہیں جو ہر فرد پر فرض ہو، جو بھی اسے چھوڑے، ترکِ فرض کا گنہگار ہو، اور فرض کفایہ اس فرض کو کہتے ہیں، جو مجموعی افراد پر فرض ہو، کچھ لوگوں کے ادا کر لینے سے، سب کی طرف سے فرضیت ادا ہو جائے کوئی گنہگار نہ ہو اور کوئی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں اور سب کو تارکِ فرض قرار دیا جائے۔

فرض عین کو ادا کرنے والا صرف اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہے اور فرض کفایہ ادا کرنے والا، دوسرں کو بھی فرض سے سبکدوش کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ دوسری طرف فرض عین میں مشقت زیادہ ہے اس لئے کہ وہ سب کو کرنا ہے اور فرض کفایہ میں مشقت چند لوگوں کو ہی اٹھانی ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔

وفی تبیین المحارم لا شك فی فرضیۃ علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص لان صحۃ العمل موقوفۃ علیہ وعلم الحلال والحرام وعلم الریا لان العابد محروم من ثواب عملہ بالریاء وعلم الحسد والعجب اذ ھما یاکلان العمل کما تاکل النار الحطب وعلم البیع والشراء والنکاح والطلاق لمن اراد الدخول فی ھذہ الاشیاء وعلم الالفاظ المحرمۃ او المکفرۃ و لعمری ھذا من ام المھمات فی ھذا الزمان لانك تسمع کثیراً من العوام یتکلمون بما یکفر وھم عنھا غافلون

(رد المحتار ۱/۳۱ و ۳۲)

تبیین المحارم میں ہے کہ ارکان خمسہ اور علوم اخلاص کے فرض ہونے میں کوئی شک نہیں اسلئے کہ عمل کی صحت انھیں پر موقوف ہے علم حلال وحرام اور علم ریا کا سیکھنا بھی فرض ہے کیونکہ عابد ریا کی وجہ سے اپنے عمل کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور علم حسد اور تکبر کیونکہ یہ دونوں عمل کو ایسے ہی کھا جاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو اور خرید وفروخت کرنے اور نکاح وطلاق کا علم اس شخص کے لئے جو ان چیزوں میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور ان الفاظ کا علم جن کا بولنا حرام ہے یا جو الفاظ کفریہ ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ آج کے زمانہ میں اہم امور میں بھی اہم ہیں۔ اس لئے کہ تم بہت سے عوام کو سنتے ہوگے کہ وہ کفریہ باتیں کرتے رہتے ہیں اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کفریہ جملہ بول رہے ہیں۔

لیکن یہ ساری باتیں ایک ساتھ سیکھنا ضروری نہیں ہیں، بلکہ بتدریج، جیسے جیسے ضرورت پڑے سیکھتا جائے، معلومات حاصل کرتا جائے۔

وھکذا التدریج فی علم سائر الافعال التی ھی فرض عین (احیاء علوم الدین ۱/۲۲)

ایسے ہی ان تمام علوم میں تدریج کا لحاظ رکھنا ہے جو کہ فرض عین ہیں۔

ظاہر کہ انسان کو سب سے پہلے ایمان واسلام، کلمۂ شہادت اور اس کے متعلقات جاننا چاہئے قرآن سیکھنا چاہئے اور دین کی وہ ساری باتیں جانی چاہئے جن کی ہر شخص کو ہردم ضرورت پیش آتی رہتی ہے جیسے طہارت، نماز، روزہ وغیرہ، پھر صاحب نصاب زکوٰۃ کے مسائل، جس پر حج فرض ہو، وہ حج کے مسائل سیکھے، زندگی گزارنے کے لئے اگر تجارت اور دکانداری شروع کی ہے

تو اس کے احکام و مسائل، ڈاکٹری اور طبابت کا پیشہ اپنایا ہے تو اس کے مسائل، ملازمت اختیار کی ہے تو اس کے احکام سیکھے، گویا ہر پیشہ و مشغلہ اختیار کرنے والے پر فرض ہے کہ وہ اس سے متعلق دینی احکام و مسائل معلوم کرے۔ جزئیات و فروع کا جاننا ضروری نہیں، موٹی موٹی اہم باتیں، روزمرہ پیش آنے والی جان لے اس سے غفلت فرض عین سے غفلت قرار دی جائے گی۔

امام غزالی لکھتے ہیں۔

فاذا تبین انه علیه الصلوٰة والسلام انما اراد بالعلم المعرف بالالف واللام فی قوله صلی الله علیه وسلم طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم علم العمل الذی هو مشهور الوجوب علی المسلمین لا غیر فقد اتضح وجه التدریج ووقت وجوبه[1]	جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم کو معرف باللام لانے سے وہ علم عمل مراد ہے جس کا مسلمانوں پر فرض ہونا مشہور ہے اسکے علاوہ کوئی اور مراد نہیں، لہٰذا اس کے ساتھ تدریج کی وجہ اور اس کے وجوب کا وقت بھی معلوم ہوگیا۔

موجودہ زمانہ میں جو مکاتب اسلامیہ قائم ہیں، اگر غور کیا جائے تو فرض عین کی ضرورت کافی حد تک ان کے ذریعہ پوری ہو جاتی ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ مکاتب اسلامیہ کی حد تک تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر آبادی میں ایک اسلامی مکتب قائم کرنا مسلمانوں پر فرض عین ہے، جہاں مکتب قائم نہیں یا قائم شدہ مکتب میں ضروری دینی تعلیم کا مستحکم نظام نہیں، وہ لوگ تارک فرض یا اس میں تساہلی کے مرتکب ہیں۔

علم، فرض کفایہ

علم دین اگر اپنی ذاتی ضرورت تک حاصل کرتا ہے تو فرض عین ہوا لیکن اگر ذاتی ضرورت سے بڑھ کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے حاصل کرے تو فرض کفایہ ہوا۔

وفرض کفایة وهو ما زاد علیه نفع غیره ای علیٰ قدر ما یحتاجه لدینه فی الحال[2]	فرض کفایہ وہ ہے جو اس سے زیادہ ہو اپنے غیر کو نفع پہنچانے کے لئے یعنی اس مقدار سے زیادہ

---

[1] احیاء علوم الدین ۱/۲۲۔ [2] درمختار ورد المحتار ۱/۳۲

ہو جس کا اپنی دینی ضرورت کے لئے فی الحال محتاج ہے۔

قرآن کی چند سورتیں اور آیتیں یاد کرلینا کہ اپنی نماز میں پڑھ سکے فرض عین ہے، پورا حافظ قرآن ہوجانا تاکہ دوسروں کو حافظ بنا سکے، تراویح میں قرآن سنا سکے، بوقت ضرورت امامت کرسکے، فرض کفایہ ہے۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیع و شراء وغیرہ کے مسائل اپنی موجودہ ضرورت کے مطابق سیکھنا فرض عین ہے لیکن ان مسائل کو اپنی موجودہ ضرورت سے زیادہ سیکھنا تاکہ دوسروں کو بتا سکے فرض کفایہ ہے۔ تجوید اپنا قرآن درست کرنے کے لئے سیکھنا فرض عین ہے لیکن اس سے زائد اس طرح سیکھنا کہ دوسروں کو تجوید پڑھا سکے، قرآن درست کرا سکے فرض کفایہ ہے۔

فرض کفایہ کس کس چیز کی تعلیم ہے؟ امام غزالی نے اس کی مزید تفصیل کی ہے، ہم اسے انہیں کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

اعلم ان الفرض لا یتمیز عن غیرہ الا بذکر اقسام العلوم والعلوم بالاضافۃ الی الفرض الذی نحن بصددہ تنقسم الی شرعیۃ وغیر شرعیۃ واعنی بالشرعیۃ ما استفید من الانبیاء صلوات اللہ علیھم وسلامہ ولا یرشد العقل الیہ مثل الحساب ولا التجربۃ مثل الطب ولا السماع مثل اللغۃ فالعلوم التی لیست بشرعیۃ تنقسم الی ما ھو محمود والی ما ھو مذموم والی ما ھو مباح۔ فالمحمود ما یرتبط بہ مصالح امور الدنیا کالطب والحساب و ذالک ینقسم الی ما ھو فرض کفایۃ

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ فرض، غیر فرض سے اسی وقت ممتاز ہو سکتا ہے جب اقسام علوم ذکر کردیئے جائیں۔ چنانچہ علوم، فرض کی نسبت سے جنھیں ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں شرعی اور غیر شرعی میں منقسم ہیں، شرعی سے مراد وہ علوم ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حاصل ہوئے ہوں اور عقل ان کی جانب رہنمائی نہ کرے، جیسے حساب کہ اس کا مدار عقل پر ہے اسی طرح تجربہ بھی رہنمائی نہ کرے جیسے طب کہ اس کا مدار تجربہ ہی ہے اور سماع بھی رہنمائی نہ کرے جیسے لغت کہ اس کا مدار سماع پر ہے پس غیر شرعی علوم کی تین قسمیں ہیں محمود، مذموم، مباح۔ محمود وہ علم ہے جس سے امور دنیا کے مصالح مرتبط ہوں، جیسے طب و حساب، اس کی بھی دو قسمیں ہیں،

والى ما هو فضيلة وليس بفريضة اما فرض الكفاية فهو كل علم لا يستغنى عنه فى قوام امور الدنيا كالطب اذ هو ضرورى فى حاجة بقاء الابدان وكالحساب فانه ضرورى فى المعاملات وقسمة الوصايا والمواريث وغيرها وهذه هى العلوم التى لو خلا البلد عن يقوم بها حرج اهل البلد اذا قام بها واحد كفى وسقط الفرض عن الآخرين۔

(احیاء علوم الدین ۱/۲۳)

ایک وہ جو فرض کفایہ ہے اور دوسرا وہ جو سبب فضیلت ہے، فرض نہیں ہے۔ فرض کفایہ ہر ایسا علم ہے کہ امور دنیا کی درستگی میں جس سے بے نیاز نہ رہا جا سکے، جیسے طب، کیونکہ وہ بقائے بدن کیلئے ضروری ہے اور جیسے حساب، اسلئے کہ وہ معاملات اور وصیت و میراث کی تقسیم کے لئے ضروری ہے یہ وہ علوم ہیں کہ اگر کوئی شہر ان علوم کے واقف کاروں سے خالی ہو، تو اہل شہر کو مشکلات پیش آئیں گی، اور اگر ایک شخص بھی ان سے واقف ہوگا تو کافی ہو جائے گا اور دوسروں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہماری اس بات سے تعجب نہ کرو کہ ہم نے فرض کفایہ میں طب اور حساب کی تعلیم بھی شامل کر دی، کیونکہ یہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اور اس کے نہ رہنے سے ہلاکت وضیاع اور بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے۔

۔یہی نہیں بلکہ امام غزالی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ان علوم کے علاوہ کچھ اور علوم بھی فرض کفایہ ہیں۔

فان اصول الصناعات ایضا من فروض الكفايات كالفلاحة والحياكة والسياسة بل الحجامة والخياطة فانه لو خلا البلد من الحجام تسارع الهلاك اليهم وحرجوا بتعريضهم انفسهم للهلاك فان الذى انزل الداء انزل الدواء وارشد الى استعماله

ان صنعتوں کے حصول بھی فرض کفایہ ہیں جیسے کھیتی باڑی، کپڑا بننا، سیاست، پچھنا لگانا، سلائی کڑھائی، اگر کوئی شہر پچھنا لگانے والے سے خالی ہو جائے گا تو ہلاکت ان کی طرف تیزی سے چل پڑے گی اور وہ لوگ خود گویا اپنے آپ کو ہلاکت کے لئے پیش کر دیں گے اس لئے کہ جس ذات نے بیماری آتاری ہے، دوا بھی آتاری ہے اور اسکے

ولعل الاسباب لتعاطیہ فلا یجوز التعرض للهلاك باهماله (احیاء علوم الدین ۱/۲۳)	استعمال کی رہنمائی بھی کی ہے، اس کو اختیار کرنے کے اسباب بھی بتلائے ہیں، لہٰذا انھیں چھوڑ کر ہلاکت کے لئے پیش کردینا جائز نہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ حساب وطب وغیرہ علوم جنھیں فرض کفایہ کہا گیا ہے، اگر کوئی ان میں مہارت وملکہ پیدا کرلے، دقائقِ حساب اور حقائقِ طب میں تعمقِ نظر کا مالک بن جائے تو یہ اعزاز واکرام اور فضیلت کی چیز ہوگی، فرض کفایہ نہ ہوگی[۱] اسی طرح علوم دینیہ میں تبحر اور ملکۂ راسخہ پیدا کرنا فرض کفایہ نہیں ہے بلکہ مندوب ومستحب ہے[۲]

کچھ لوگوں کو علم نجوم کا اس حد تک جانکار ہونا چاہئے کہ اوقاتِ نماز اور قبلہ معلوم کرنے میں سہولت ہو[۳]

موجودہ زمانہ میں اس نیت سے وکالت پڑھنا فرض کفایہ قرار دیا جائے گا کہ اوقاف، مسلم پرسنل لار، فسادات اور مسلمانوں سے متعلق دوسرے معاملات میں پیروی کرائی جاسکے۔

احقر کے خیال میں اردو زبان کا سیکھنا ان لوگوں پر فرض عین ہونا چاہئے جن کی مادری زبان اردو ہے، کیونکہ ان کے لئے دینی تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ اردو ہے اور آج عربی زبان کے بعد سب سے زیادہ اردو میں ہی دینی لٹریچر پایا جاتا ہے اور جن حضرات کی مادری زبان ہندی، پنجابی، گجراتی ملیالم وغیرہ ہو انہیں اردو کی تعلیم فرض کفایہ قرار دینی چاہئے۔

اگر کسی علم وفن کی آڑ میں اسلام پر حملہ ہوتا ہو، اعتراضات وشبہات کو کسی علم کا لبادہ پہنا دیا گیا ہو تو اس علم کی تعلیم بھی فرض کفایہ ہے۔ مثلاً فلسفہ، سائنس وغیرہ

خلاصہ یہ کہ کوئی ایسا علم جو من حیث المجموع، ملت اسلامیہ کی ضرورت بن جائے، کچھ لوگ اس کے جانکار ضرور ہونے چاہئیں۔

نوٹ:۔ عام طور پر ہماری زبانوں پر دینی علوم اور دنیاوی علوم کی اصطلاح چڑھی ہوئی ہے مگر شریعت نے علم کی صرف دو تقسیم کی ہے ایک علم نافع دوسرے علم غیر نافع، اور اس کا دارومدار

بقیہ صے پر

---

[۱] احیاء علوم الدین ۱/۲۳) [۲] درمختار ۱/۳۲ [۳] بزازیہ علی الہندیہ ۶/۳۵۰

مرتب

اُسوۂ حسنہ

ایک زیر ترتیب کتاب

سلسلہ کے لئے جنوری فروری ۱۹۹۹ کا الرشاد دیکھئے

جہاد و قتال کا ذکر ارشادات نبوی میں

قرآن پاک کی روشنی میں اوپر جہاد و قتال کی جو تفصیل کی گئی ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلام حتی الامکان جنگ سے بچنا چاہتا ہے اس لئے کہ اسے اپنا پیغام عالم انسانیت تک پہنچانے کے لئے پرامن ماحول چاہئے، پرامن ماحول ہی میں آدمی کسی اچھی بات پر غور کرتا ہے، جنگ کی حالت میں حق و ناحق کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ اوپر کی تفصیلات سے یہ بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کسی شخص یا کسی جماعت کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت وہ تین ہی صورت میں دیتا ہے۔

۱ ـــــ کوئی ملک یا قوم دار الاسلام پر حملہ کر دے جیسا کہ قریش کے مقابلہ میں بدر و احد اور غزوۂ احزاب میں اقدام کیا گیا۔

۲ ـــــ یا جنگ کا قوی اندیشہ ہو جیسا کہ غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک میں اقدام کیا گیا یا مدینہ اور خیبر سے یہودیوں کی سازش و معاہدہ شکنی کے خلاف کئی کئی اقدامات کئے گئے۔

۳ ـــــ تیسری صورت یہ ہے کہ ایمان لانے والوں پر مسلسل ظلم و جور ہو رہا ہو اور ان کی جان مال اور عزت و آبرو پر حملہ کیا جا رہا ہو یا دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالی جا رہی ہو اوپر یہ آیت نقل کی جا چکی ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔ مقصد یہ ہے کہ صرف کفر و شرک یا توسیع

پسندی کی بنا پر جنگ کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے سیکڑوں مرد اور عورتوں اور بچوں پر ظلم ہو رہا تھا۔ حضرت ابن عباس کا بیان اوپر نقل کیا جا چکا ہے، انہی معصوم لوگوں میں خود حضرت ابن عباس اور ان کی والدہ تھیں اسی ظلم کے خلاف ظالموں کی قوت کو پورے طور پر توڑ دینے کے لئے آپ کو مکہ کو فتح کرنے کا اقدام کرنا پڑا۔

جہاد و قتال کا ذکر موقع و محل کے لحاظ سے جس طرح قرآن پاک میں ہے اسی طرح موقع و محل کے لحاظ سے بے شمار ارشادات نبوی میں بھی ملے گا قرآن پاک میں جہاں جہاں جہاد و قتال کا ذکر ملے گا وہاں ایک قید تو یہ لگی ہوئی ہے کہ جنگ اسی حد تک کی جائے جس حد تک ظلم ہوا ہے، اس میں زیادتی نہ ہو اس لئے کہ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری قید یہ ہے کہ یہ جنگ فی سبیل اللہ ہو یعنی اللہ کے لئے ہو خواہش نفس کے تحت نہ ہو جیسا کہ دشمنوں کا طریقہ ہے پھر ہر جگہ یہ بھی تنبیہ کر دی گئی ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اس کا خوف رکھتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جنگ ظالمانہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوج روانہ فرماتے تو ان کو یہ ہدایات فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ [1]	عورتوں اور بچوں کے قتل سے آپ نے منع فرمایا۔

بعض روایتوں میں رہبان کا لفظ بھی آیا ہے یعنی جو لوگ اپنے گرجا اور عبادت گاہوں میں عبادت کر رہے ہوں ان سے بھی تعارض نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتول عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے معلوم ہوا کہ اس جنگ کے امیر حضرت خالد نے۔ آپ نے ایک آدمی کو بھیج کر حضرت خالد سے کہلایا کہ۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الجہاد ص ۳۴۲

لَاتَقْتُلَ اِمْرَأَةً وَلَا عَسِيْفًا (مشکوٰۃ ص۳۴۲) کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرنا۔
حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے ایک بار فوج کو روانہ کرتے وقت فرمایا۔

انطلقوا بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ لاتقتلوا شیخا[1] فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امراۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا فان اللہ یحب المحسنین (مشکوٰۃ کتاب الجہاد ص۳۴۲)

جاؤ اللہ کے نام سے اور اسکی مدد سے اور ملت محمدیہ پر ایمان رکھتے ہوئے کسی بوڑھے آدمی کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی نابالغ بچے پر ہاتھ اٹھانا اور نہ کسی عورت پر غنیمت میں خیانت سے بچنا اور غنیمت کے مال کو ایک جگہ جمع کرلینا اور اصلاح اختیار کرنا ہر کام خوبی سے کرنا اللہ خوبی سے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے آپ نے منع فرمایا عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ۔

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النھبی والمثلۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے یعنی مردے کے کان ناک وغیرہ کاٹنے سے

اسی طرح مریضوں، راہبوں اور عبادت گزاروں، جانوروں کھیتی، پانی کو گندہ کرنے اور گھروں کو گرانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔
غرض یہ کہ جو لوگ یا جو چیزیں عوام کی راحت کی ہیں ان کو کسی طرح نقصان نہ پہنچایا جائے۔ حالت جنگ میں مریضوں کو نشانہ نہ بنانے کی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ اسپتالوں کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اسکولوں اور عام گھروں کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ مزدور کو نشانہ بنانے کا مطلب کارخانوں کو نشانہ نہ بنایا جائے

---

[1] اس میں یہ قید ہے کہ ایسا بوڑھا جو دشمن کو جنگی حکمت بتائے وہ اس حکم میں نہیں آتا گو جسمانی طور پر وہ شریک جنگ نہیں ہے مگر اپنی جنگی حکمت سے شریک ہے۔ فقہ السنۃ السید السابق بحوالہ بخاری۔

اسی طرح کھیتی کو نقصان نہ پہنچانے کا مطلب یہ ہے جن ذرائع سے انسانوں کو روزی پہنچی ہے وہ برباد نہ کئے جائیں۔

دنیا کی جنگی تاریخ میں حالتِ جنگ میں بھی ان اخلاقی باتوں کی ہدایت کا اسلام سے پہلے دور تک پتہ نہیں چلے گا۔ موجودہ دور میں حالت جنگ میں جو تھوڑا بہت رہا ہی اداروں کا لحاظ کیا جاتا ہے وہ سب اسلامی تعلیمات ہی کا اثر ہے۔ آگے ہم اسوۂ صحابہ کے ذکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا اسوہ نقل کریں گے۔ غرض یہ کہ اسلام میں جنگ کی اجازت انسانی زندگی کی ایک ضرورت کے تحت دی گئی ہے اس کو ضرورت سے زیادہ پھیلانے کی اجازت نہیں۔ سید السابق نے صحیح لکھا ہے۔

اذا کان الاسلام اباح الحرب کضرورۃ من الضرورات فانہ یجعلها مقدرۃ بقدرها فلا یقاتل الا من یقاتل فی المعرکۃ واما من تجنب الحرب فلا یحل قتلہ او التعرض لہ بحال	اسلام نے جنگ کی اجازت ایک لازمی ضرورت کے تحت دی ہے اسلئے اس نے اس کو بھی ضرورت کے بقدر ہی محدود رکھا ہے اسلئے کسی ایسے شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے جو براہ راست جنگ میں شریک نہ ہو ایسے لوگوں کو قتل کرنا ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔

(فقہ السنہ ج ۲ ص ۶۳۲)

اوپر کی تفصیلات کی روشنی میں اب آپ ارشادات نبوی پر غور کریں گے تو ان میں بھی جہاں کہیں سخت انداز آپ کو دکھائی دے گا موقع و محل کی جوبات اوپر عرض کی گئی ہے اگر ان کو سامنے رکھ کر آپ ان پر غور کریں گے تو یہ عین ضرورت کے مطابق معلوم ہوگی، اور اس میں اس وقت کے حالات کی عکاسی نظر آئے گی ظلم کے خلاف اگر انسان سخت رویہ اختیار نہ کرے تو یہ بزدلی ہے جس کے نتیجہ میں دنیا ظلم و فساد سے بھر جائیگی۔

ارشادات نبوی میں آپ کو دو طرح کی حدیثیں ملیں گی۔ ایک جن میں انفرادی ظلم کے خلاف لڑنے اور جنگ کرنے کا حکم ہے۔ دوسری جن میں اجتماعی ظلم کے

خلاف نہ صرف جنگ کرنے کی اجازت دی گئی بلکہ اس کو مغلوب کرنے کے لئے جان و مال کی پوری طاقت لگا دینا سب سے بڑا کارِ خیر قرار دیا گیا ہے یہی نہیں بلکہ ظالم طاقتوں کی طرف سے جنگ کا خطرہ بھی ہو تو اقدامی جنگ کی جا سکتی ہے۔

انفرادی ظلم: اگر کوئی ظالم شخص ناحق کسی کے جان، مال یا عزت و آبرو پر حملہ کرتا ہے تو آپؐ نے ایسے شخص سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے اور اگر وہ مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تو اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِیْنِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَھْلِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا مال بچانے میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی جان بچانے میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنا دین بچانے میں قتل ہو جائے وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے اہل و عیال کی عزت بچانے میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔

اجتماعی ظلم کے خلاف جہاد کی ترغیب

قرآن پاک کی مختلف آیات کی روشنی میں اوپر وضاحت آ چکی ہے کہ اسلام ایک دعوتی دین ہے، اس لئے وہ بنیادی طور پر پر امن ماحول چاہتا ہے مگر جب اس کی دعوت میں شدید قسم کی رکاوٹ ڈالی جاتی ہے اور اس دعوت کے قبول کرنے والوں کو ظلم و جور کا نہ صرف نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ بحیثیت ملت ان کو

---

[۱] مشکوٰۃ کتاب الجہاد ان کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں ان کو شہیدوں جیسا ثواب ملے گا۔ البتہ دنیا میں یہ فرق ہوگا کہ ان کو غسل دیا جائے گا اور ان کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ اور فی سبیل اللہ شہدا ر اپنے خون آلود کپڑے میں دفن کیا جائے گا انہوں نے خدا کی راہ میں جان دی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کو ان کا خون آلود کپڑا پسند ہے

مٹانے کے لئے تلوار اٹھائی جاتی ہے تو لامحالہ اہل ایمان کو بھی تلوار اٹھانی پڑتی ہے اس لئے کہ ظلم و جور خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس کے خلاف قوت بازو کا استعمال نہ کرنا یہ حد درجہ کی بزدلی ہے۔ اس لئے کہ اس سے صرف نظر کرنا ظلم و جور کو بڑھاوا دینے کے ہم معنی ہے قرآن پاک میں ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ   فتنہ و فساد قتل سے بھی بری چیز ہے۔

ان معروضات کی روشنی میں ارشادات نبوی ملاحظہ کریں۔ غرض یہ کہ کسی فرد یا جماعت سے جنگ کی اجازت کفر و شرک کی بنیاد نہیں بلکہ ظلم اور جور کی بنا پر ہے۔

جہاد کا مرتبہ دین میں سب سے اونچا ہے

ایک بار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ مجھے وہ اعمال بتا دیجئے جن پر عمل کرنے سے میں جنت کا مستحق بن سکوں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤں آپ نے ان سے فرمایا تم نے بہت اہم سوال کیا اس کے بعد فرمایا۔ اللہ جس پر چاہتا ہے اسے آسان بنا دیتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرایا جائے نماز ادا کی جائے اپنے مال کی زکوٰۃ دی جائے اور رمضان کے روزے رکھے جائیں اور اگر حج فرض ہو تو اسے ادا کیا جائے پھر کچھ اور اعمال بتانے کے بعد آپ نے فرمایا۔

اَلَا اَدُلُّكَ بِرَاسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَ ذِرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَاسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهٗ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ

کیا میں تم کو بنیادی حکم اور اس کے ستون اور اس کی بلندی کو نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ حضور نے فرمایا سارے معاملات کی بنیاد اور کسوٹی اسلام ہے

لہ مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم: دوسری حدیث میں آپ نے اس کی مزید وضاحت فرما دی ہے اَلصَّلٰوۃ عماد الدین وا قامھا اقام الدین ومن ھدمھا ھدم الدین جس نے نماز قائم کی اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے گویا دین کی عمارت کو گرا دیا۔

اسلام ایک عمارت ہے جس کے کھمبے اور دیوایں
ہیں جس پر یہ عمارت کھڑی ہے وہ نماز ہے اور اس عمارت
کی چھت اور اس کی بلندی جہاد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کے اندر جہاد کا مرتبہ سب سے بلند ہے، جس طرح اونٹ بغیر پیر کے کھڑا نہیں ہو سکتا اور بغیر کوہان کے اسکے جسم کی مضبوطی قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح اسلام کے بقا کیلئے نماز اور جہاد لازم و ملزوم ہیں۔ اس مثال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ اسلام کو ایک عمارت سمجھو کہ اس کی بنیاد اس کا قبول کرنا ہے اور نماز اس عمارت کے کھمبے اور دیواروں کی مانند ہے اور اس عمارت کی چھت اور بلندی جہاد ہے۔

جہاد کا مقصد

اسلام میں توسیع پسندی یا محض ذاتی اقتدار یا ذاتی عناد و دشمنی یا کسی دوسرے نفسانی جذبہ کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ یعنی حق کی بلندی اور انسان کو ظلم و زیادتی سے بچانے کے لئے اجازت ہے اسی لئے قرآن پاک اور حدیث نبوی میں جہاں جہاں آپ کو جہاد کا ذکر ملے گا وہاں فی سبیل اللہ اور تقویٰ کی قید لگی ہوئی ہے اور یہ تنبیہ بار بار کی گئی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اللہ ظلم و زیادتی کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ احتیاط کو پسند کرتا ہے۔

حدیث نبوی میں آپ کو اس کی پوری وضاحت ملے گی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔

جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ يُرٰى مَكَانَهٗ فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ایک شخص مال غنیمت کی خاطر جہاد کرتا ہے اور ایک شخص ناموری کیلئے جہاد کرتا ہے اور ایک شخص کسی مرتبہ کے لئے جہاد کرتا ہے ان میں کس کے جہاد کو فی سبیل اللہ کہا جائے آپ نے فرمایا جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے

(مشکوٰۃ باب الجہاد بحوالہ بخاری و مسلم) وہ فی سبیل اللہ ہے۔

اس مضمون کی اور بہت سی حدیثیں ہیں مثلاً ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔

اِنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ رَجُلاً غزا یَلْتَمِسُ الْاَجْرَ وَالذِّکْرَ مَالہ؟ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لاشَیْئَ لَہٗ فاعادھا ثلث مرات

(فقہ السنہ السید السابق ج ۲ ص ۶۳)

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ میں اس غرض سے شریک ہوا کہ اسے اجر و ثواب بھی ملے اور اس کا چرچا بھی ہو آپ نے تین بار فرمایا اس کو کوئی اجر نہیں، اس کو کوئی ثواب نہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ میں کوئی پاکیزہ مقصد نہ ہو تو اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا اوپر ذکر آچکا ہے کہ کمزور افراد مثلاً بوڑھے، عورت بچے اور وہ چیزیں جن پر انسانی زندگی کی بقا کا دار و مدار ہے ان کو برباد کرنے کی آپ نے اجازت نہیں ہے بلکہ اسے سختی سے منع فرمایا۔

اس تمہید کے بعد اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں جن پر اوپر کی تفصیلات کی روشنی پر غور کرنا چاہیے حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْھَا

(مشکوٰۃ کتاب الجہاد بحوالہ بخاری و مسلم)

اسلامی حکومت کی سرحد پر حفاظت کیلئے اگر کوئی ایک دن ایک رات پہرہ دے تو یہ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔

اسی مضمون کی ایک روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ۔

رِبَاطُ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنْ صِیَامِ شَھْرٍ وَّقِیَامِہٖ وَاِنْ مَاتَ جَرٰی عَلَیْہِ عَمَلُہُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُہٗ وَاُجْرِیَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ وَاُمِنَ الْفَتَّانُ

(ایضاً بحوالہ مسلم)

ایک دن ایک رات خطرہ کے دنوں میں سرحد کی حفاظت کے لئے اگر کوئی ٹھہرا رہا تو ایک مہینہ کے روزہ اور ایک مہینہ کی تہجد کی نماز سے بہتر ہے اور اگر وہ اس اثنا میں شہید ہو گیا تو وہ جو کرتا رہا اس کا ثواب قیامت تک ملتا

رہے گا اور جنت کا رزق اس کو پہنچتا رہے
گا اور ہر فتنہ کرنے والوں سے وہ محفوظ رہے گا۔

جہاد کی اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضورؐ نے اس کے ایک دن کے قیام کو رمضان کے مہینہ کے روزے اور اس میں نفل کی ادائیگی سے بہتر قرار دیا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں آپ نے اس مہینے میں نفل کی ادائیگی ستر فرض کے برابر قرار دیا ہے اور اس مہینہ کی ایک رات کو قرآن پاک نے ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔

عَنْ اَبِی عبس قال قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ما اغبرت قدما عبدٍ فی سبیل اللہ فتمسہ النار (بخاری و مسلم)

حضرت ابو علسہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے راستہ یعنی جہاد میں جس کے قدم غبار آلود ہوئے اسے دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔

حضرت زید بن خالد سے روایت ہے کہ۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ فِی سَبِیْلِ اللہ فقد غزا ؕ و من خلف غازیا فی اھلہ فقد غزا

(مشکوٰۃ کتاب الجہاد بحوالہ بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کو جہاد کے لئے سامان جنگ دیا تو گویا اس نے خود اس میں شرکت کی اسی طرح کسی غازی کے اہل و عیال کی نگہبانی کی تو وہ جہاد کے ثواب میں شریک ہوا۔

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَنْ یَّبْرَحَ هٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا یُقَاتِلُ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ

(مشکوٰۃ کتاب الجہاد بحوالہ مسلم)

یہ دین قیامت تک قائم رہے گا اور اس کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ جنگ کرتا رہے گا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہ ایک دائمی فریضہ ہے جسے اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک نظام شرک قائم ہے حضرت سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ

جس نے صدق دل سے شہادت طلب کی

مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ [1]

مگر اسے شہادت کا موقع نہیں ملا تو چاہے اسکی موت اپنے گھر میں ہوئی ہو اسے شہدار کا درجہ ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِفَاقٍ [2]

جس کو موت آگئی اور اس نے دین کے لئے جہاد نہیں کیا اور اس کے دل میں اس کا خیال بھی پیدا نہ ہو تو اس کی موت ایک درجہ کے نفاق پر ہوئی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرے اور اسلام کو اپنا دین بنا لے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان لے اس کے لئے جنت واجب ہے ۔حضرت ابو سعید خدری اس ارشادات نبوی سے بے حد خوش ہوئے اور خوشی کے لہجہ میں بولے یا رسول اللہ آپ اس ارشاد کو دوبارہ دہرا دیجئے، چنانچہ دوبارہ حضورؐ نے یہ جملے ارشاد فرمائے، پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دوسرا عمل ایسا ہے جس کے ذریعہ بندہ کو جنت میں سو درجے اونچا مقام ملتا ہے حضرت ابو سعید خدری نے انتہائی شوق سے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ نے زور دیکر تین بار فرمایا۔

الجهاد فی سبیل الله، الجهاد فی سبیل الله، الجهاد فی سبیل الله [3]

جب جہاد کا موقع آجائے اس وقت کسی کمزوری کے اظہار کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے، اسی طرح میدان جنگ سے بھاگ جانے یا پیٹھ دکھانے کو گناہ کبیرہ فرمایا ہے۔ جہاد کی فضیلت اور اہمیت کے سلسلہ میں آپ کے سیکڑوں ارشادات ہیں صرف چند نقل کئے گئے ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الجہاد بحوالہ مسلم [2] ایضاً ص ۳۳۱ بحوالہ مسلم [3] ایضاً

اسوۂ نبوی

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے لئے رحمتِ عالم بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ آپ دنیا کے لئے بیشک رحمت ہیں مگر آپ کے رحمت عالم ہونے کے ساتھ قرآن پاک اور ارشادات نبوی میں جہاد وقتال کا ذکر کوتاہ بینوں اور اسلام سے بغض اور آپ کی ذات سے عناد رکھنے والے کی نگاہ میں قابل اعتراض محسوس ہوتا ہے مگر اوپر کی وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ آپ نے حالات سے مجبور ہو کر تلوار اٹھانے کا حکم فرمایا ہ مگر برسوں آپ کی ذات گرامی اور اسلام کے خلاف جو سازشیں کی گئیں اور مسلمانوں کو مٹانے کی جو جو کوششیں کی گئیں ان کو سامنے رکھا جائے تو تلوار اٹھانا فطری تقاضا معلوم ہوگا۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مکہ میں حضورؐ اور صحابہ کرام تیرہ برس تک ہر طرح کی اذیتیں اٹھاتے رہے آپ کے ساتھ آپ کے پورے خاندان کا برسوں بائیکاٹ کیا گیا، قتل کی سازش کی گئی۔ آپ نے خود فرمایا کہ جتنا مجھے ستایا گیا اور ڈرایا گیا اس سے پہلے کسی نبی کو اتنا نہیں ستایا اور ڈرایا گیا اسی اذیت ناک صورت حال میں آپ کو اور صحابہ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑا، ہجرت کے بعد بھی دشمنوں نے چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور ایک بار نہیں بلکہ مدینہ پر بار بار حملہ آور ہوئے پورے جزیرۂ عرب کے قبائل کو آپ کی ذات گرامی اور اسلام کے خلاف آمادۂ جنگ کیا۔ آپ کی ذات گرامی رحمت عالم ضرور تھی مگر دوسری اعلیٰ انسانی صفات، سخاوت، شجاعت و بہادری سے بھی خالی نہ تھی ان اعلیٰ انسانی صفات کے باوجود آپؐ ظلم و جور اور فتنہ و فساد کو مٹانے کے لئے جہاد کی ترغیب نہ دیتے اور خود اپنے اسوۂ حسنہ سے اس کا ثبوت نہ فراہم فرماتے تو آپ کی نبوت کاملہ میں ایک خلا محسوس ہوتا۔ چنانچہ آپ نے ظالم طاقتوں کے خلاف نہ صرف لڑنے کی ترغیب فرمائی بلکہ خود اس میں شریک رہے آپ کے ارشادات کا کچھ ذکر آچکا ہے اب آپ کے اسوہ کی چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ تیرہ برس کی مکی زندگی کی اذیت ناک تکلیفوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی بڑی تعداد گھر بار، مال و دولت اعزہ و اقارب کو چھوڑ

کر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئی مگر ظالموں کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی انہوں نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ ہر وقت دشمن کے حملہ خطرہ کے پیش نظر مسلمان رات کو بھی چین سے سو نہیں پاتے تھے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ جب ایک صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایلا کی خبر دینے کے لئے رات میں گئے تو انہوں نے افسوسناک انداز میں کہا کہ غضب ہو گیا تو حضرت فاروق اعظم کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ کیا عیسائی حملہ آور ہو گئے؟ کیا ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے بزدلی کا مظاہرہ کرتے۔؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار مدینہ منورہ میں ایک بھیانک آواز سنائی دی مسلمان جاگ اٹھے اور خود حضور کی نیند بھی کھل گئی، سب لوگ یہ سمجھے کہ کسی دشمن کا حملہ ہو گیا ہے اس صورت حال کا نقشہ انہوں نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ إِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ يَقُوْلُ لَنْ تُرَاعُوْا لَنْ تُرَاعُوْا عَلَى فَرَسٍ لِأَبِيْ طَلْحَةَ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین اخلاق کے حامل تھے اور سراپا سخاوت تھے ساتھ ہی شجاعت اور بہادری میں بھی ممتاز تھے ایک بار رات کو اہل مدینہ ایک زوردار چیخ کی وجہ سے گھبرا اٹھے یہ سمجھ کر کہ دشمن آگئے ہیں سب لوگ اس آواز کی طرف چل پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف رخ فرمایا اور آپ سب سے آگے نکل گئے اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے ڈرو نہیں ڈرو نہیں آپ اس وقت ابو طلحہ انصاری کے گھوڑے پر بغیر زین کے ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور آپ کی گردن

سُرُجٌ وَفِي عُنُقِهِ السَّيْفُ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْتُ بَحْرًا[1]

مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی اس موقع پر آپ نے فرمایا میں نے اس گھوڑے کو دریا کے بہاؤ کے مانند تیز رفتار پایا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے ایسے ہی سنگین اور خطرات سے بھرے ہوئے ماحول میں ظالم قوتوں کے خلاف نہ صرف لڑنے اور جان ومال کی قربانی دینے کی ترغیب دی بلکہ خود بھی صحابہ کرام کی سربراہی فرماتے رہے مدینہ کی دس سالہ زندگی میں چھوٹے بڑے کئی درجن معرکے پیش آئے ان سب میں صحابہ کرام آپ کی ایماء سے نبرد آزما ہوئے یا پھر بہ نفس نفیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شریک رہے خاص طور پر جو بڑے بڑے غزوات ہوئے ان سب میں آپ پا بہ رکاب رہے بعض چھوٹے چھوٹے ایسے غزوات ہیں جن میں آپ خود شریک ہونا چاہتے تھے مگر ان لوگوں کی رعایت کی وجہ سے شرکت نہیں فرمائی جو جہاد کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے مگر ذرائع واسباب سے محروم تھے وہ حضور کے پاس آتے اور سواری وغیرہ طلب کرتے مگر آپ کو معذرت کرنی پڑتی اور ان کی دل شکنی کی وجہ سے آپ بھی شریک نہ ہوتے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّي وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بہت سے مسلمان جو میری موجودگی کے بغیر کسی جنگ میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ خود سواری وغیرہ سے محروم تھے اور مجھ سے طلب کرتے تھے تو میں بھی فراہم نہ کر پاتا تھا اگر ان کی

---

[1] الادب المفرد حدیث ۲۰۳

نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ وَدِدۡتُّ اَنۡ اُقۡتَلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحۡیٰ ثُمَّ اُقۡتَلُ ثُمَّ اُحۡیٰ ثُمَّ اُقۡتَلُ ثُمَّ اُحۡیٰ ثُمَّ اُقۡتَلُ

دل شکنی کا خیال نہ ہوتا تو میں کوئی بھی سریہ[1] نہیں چھوڑتا بلکہ سب میں شریک ہوتا خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ میں شہید کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازی کی مشق کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ خود بھی اسکی مشق فرماتے تھے۔ حضرت ابوطلحہ بڑے تیرانداز تھے۔ ان کے ساتھ آپ بھی ان کی ڈھال لے کر باری باری تیر چلاتے تھے جب ابوطلحہ تیر چلاتے تو اس کے نشانہ کو غور سے دیکھتے[2] کہ ان کا نشانہ کہاں تک پہنچا ہے۔

جہاد میں گھوڑا سب سے زیادہ کام آتا تھا اس لئے اسے بہت پسند فرماتے اور اس کی پیشانی کے بالوں کو اپنے دست مبارک سے الٹتے پلٹتے (جیسا کہ عام سواروں کا طریقہ ہے) اور فرماتے کہ ہر طرح کی کامیابی ان کی پیشانی سے جڑی ہوتی ہے اجر و ثواب اور غنیمت دونوں کے لحاظ سے[3]

غزوۂ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے، غزوۂ احزاب جس وقت خندق کھودی جا رہی تھی آپ بھی صحابہ کے ساتھ اس طرح اس میں شریک رہے کہ پورا جسم اطہر غبار آلود تھا اور پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے تھے۔ آپ کی زبان مبارک پر یہ رجز تھا[4]

اللھم لا عیش الا عیش الاٰخرۃ   فاغفر الانصار والمھاجرۃ

اسوۂ صحابہ

صحابہ کرام میں جو لوگ ایمان لائے تھے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے تھے کہ وہ آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے ان کے کانوں میں ہر وقت قرآن پاک کے یہ الفاظ گونجتے رہتے تھے۔

---

[1] چھوٹی چھوٹی مہموں کو سریہ کہتے تھے [2] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم [3] بخاری شریف [4] غزوۂ احزاب

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد ان کو آزمایا نہ جائے گا یعنی ایمان کے بعد آزمائش آئے گی ۔

جس وقت انصار مدینہ حج کے زمانہ میں مکہ میں عقبۂ ثانیہ کے موقع پر آپ سے بیعت کرنے کے لئے تیار ہوئے تو اس وقت عباس ابن عبادہ کھڑے ہوئے اور پر عزیمت انداز میں قبیلہ خزرج کے لوگوں سے اس بیعت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔

یا معشر الخزرج ھل تدرون علام تبایعون ھذا الرجل قالوا نعم انکم تبایعونہ علی حرب الاحمر والاسود من الناس فان کنتم ترون انکم اذا انھکت اموالکم مصیبۃ واشرافکم قتل وان کنتم ترون انکم وافون لہ بما دعوتموہ الیہ علی نھکۃ الاموال وقتل الاشراف فخذوہ فھو واللہ خیر الدنیا والاخرۃ قالوا فانا ناخذہ علی مصیبۃ الاموال وقتل الاشراف ۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۵۵)

اے قبیلہ خزرج کے لوگو! اچھی طرح سوچ لو کہ تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس بات پر بیعت کر رہے ہو اہل خزرج بولے ہاں ہم نے خوب سوچ لیا ہے پھر عباس ابن عبادہ نے کہا کہ غور کر لو تم عرب وعجم سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو یعنی دنیا تم سے آمادہ جنگ ہو جائے گی ۔ اگر تم مال وجائداد کے نقصان اور اپنے ممتاز لوگوں کے قتل ہو جانے کے وقت ان کو چھوڑ دیا تو یہ دنیا کی رسوائی ہوگی اور اگر تم لوگ جان ومال کے نقصان کے باوجود وفاداری کا ثبوت دو گے تو پھر ان کا ہاتھ پکڑو یعنی ان سے بیعت کرو اور تمہارے لئے یہ دنیا وآخرت میں بھلائی ہے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ جان و مال کے ہر نقصان کو برداشت کریں گے ۔

اوپر قرآن پاک کی جو آیات نقل کی جا چکی ہیں جس میں اسلام لانے کے بعد

آزمائشوں کا ذکر ہے صحابہ کرام ان تمام آزمائشوں کو ذہن میں رکھ کر اسلام قبول کرتے تھے اس کا اندازہ عقبہ ثانیہ کے موقع پر عباس بن عبادہ کی مذکورہ بالا پر عزیمت تقریر سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اہل قبیلہ کے سامنے کی تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس وقت اسلام کی دعوت کو قبول کرنا اپنے کو آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالنے اور دار ورسن کو دعوت دینے کے مرادف ہے ان کو پورا یقین تھا کہ اس کنگرۂ عشق تک پہنچنے کے لئے دریائے خون سے گزرنا پڑے گا۔

سعدیا کنگرۂ عشق بلند است وبلند

دست ہر بوالہوس آنجا بہ فضولے نہ رسد

مگر صحابہ کرام نے ان اذیت ناکیوں کے باوجود دعوت توحید کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کے لئے اپنی جان ومال اور ساری پونجی لگا دی وہ اس آیت کریمہ کے مصداق تھے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ

(الحجرات)

واقعی پورے مومن وہ لوگ ہیں جو دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور پھر ان کے دل میں کوئی شک وشبہہ نہیں رہا اور پھر اللہ کے راستہ میں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا، وہی سچے مسلمان ہیں۔

ان کی جان ومال اور زمین وجائداد کی قربانی کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے یہاں چند واقعات نقل کئے جا رہے ہیں۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا ایک بہت ہی بوڑھے صحابی جن کے دل میں جہاد کا شوق تھا وہ تنہا جہاد میں شریک ہونے کے لائق نہ تھے مگر ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں تھا جو ان کو سہارا دیتا انہوں نے تین دینار پر ایک شخص کو اجیر رکھا اور جہاد میں شریک ہوئے[1] اور کامیابی سے واپس ہوئے۔

---

[1] حاشیہ ۵۵ پر

ایک صحابی سعد بن ہشام نے جہاد میں شرکت کی غرض سے بیوی کو طلاق دے دیا تاکہ کوئی ذمہ داری نہ رہے اور اس خیال سے مدینہ آئے کہ وہاں جاکر جو جائداد ہے اسے فروخت کر کے اسلحہ خریدیں اور جہاد میں شریک ہوں، کچھ دوسرے صحابہ سے ان کی ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ اس سے پہلے ہم میں سے چھ آدمیوں نے بھی یہی ارادہ کیا تھا کہ سب کچھ نثار کر کے جہاد میں شریک ہوں مگر

فنهاهم النبي صلى الله عليه وسلم	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا
وقال لكم في رسول الله اسوة حسنة	اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ (اسوۂ حسنہ) میں ہے۔

مقصد یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فریضہ جہاد تمام ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے ادا فرمایا اسلئے تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر جہاد میں شرکت کرنا اسوۂ نبوی کے خلاف ہے بہرحال اس واقعہ سے تمام صحابہ کے شوق جہاد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کو دین کے لئے جان و مال کی قربانی دینا کتنا آسان تھا۔

جہاد فی سبیل اللہ سب سے اونچا دینی فریضہ ہے مگر دنیا کے نظام اور اس کی ذمہ داریوں کو درہم برہم کر کے دین کا بڑا سے بڑا فریضہ انجام دینا صحیح نہیں ہے اور اسلام نے اعتدال و توازن کی جو تعلیم دی ہے یہ اس کے خلاف ہے اسلئے حضورؐ نے اس اقدام سے منع فرمایا۔

اس واقعہ سے ایک طرف صحابہ کرام کے جذبۂ جہاد کا پورا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی جنگی تاریخ میں جنگ کے موقع پر اعتدال و توازن کی ایسی کوئی مثال واقعی رحمت عالم کے علاوہ کوئی دوسرا پیش نہیں کرسکتا۔

بقیہ حاشیہ صہ کا

لے ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل یغزوا باجیر یخدم

لے ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل

شوقِ شہادت

صحابہ کرام شہادت کو ایک اعلیٰ درجہ کی ابدی زندگی تصور کرتے تھے اس لئے ان میں سے ہر شخص اس ابدی زندگی کا خواہاں رہتا تھا صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی جن پر جہاد فرض نہیں تھا وہ بھی ہمیشہ اس آبِ حیات کی پیاسی رہتی تھیں حضرت ام ورقہ بنت نوفل ایک صحابیہ تھیں جب غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا تو خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی جہاد میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائیں میں زخمیوں کی خدمت اور تیمارداری کروں گی، شاید مجھے بھی درجۂ شہادت مل جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم گھر میں رہو، اللہ تعالیٰ وہیں درجۂ شہادت عطا کرے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ان کے ایک مدبر[1] غلام اور ایک لونڈی نے ان کو شہید[2] کر دیا کہ وہ جلد آزاد ہو جائیں چنانچہ ان کا لقب ہی شہیدہ پڑ گیا۔

ایک دیہاتی آدمی نے اسلام قبول کیا اور آپ کا اتباع کیا اور حضورؐ سے عرض کیا کہ اپنے ساتھ مجھے بھی ہجرت کرنے کی اجازت عنایت کیجئے آپ نے ان کو بعض صحابہ کے سپرد کر دیا جس کے اونٹ وہ چرایا کرتے تھے جب غزوۂ غنم کا موقع آیا اور اس میں کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی حصہ لگایا انہوں نے کہا میں اس لئے تو ایمان نہیں لایا میں نے تو اسلام اسلئے قبول کیا اور آپ کا اتباع کیا کہ جہاد میں شریک ہوں اور گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میری اس گردن میں تیر لگے اور شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں، حضور نے فرمایا کہ اگر تم نے صدقِ دل سے یہ بات کہی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچ کر دکھائے گا کچھ دنوں بعد جہاد کا موقع آیا تو وہ

---

[1] مدبران غلاموں اور لونڈیوں کو کہا جاتا تھا جس کے مالک کہہ دیتے کہ میری موت کے بعد تم لوگ آزاد ہو۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔ ابوداؤد میں ہے کہ صبح کو جب اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس کا اعلان کرایا کہ جس کو ان دونوں کا علم ہو یا انہوں نے دیکھا ہو وہ سامنے آئیں چنانچہ شہادت کے بعد ان کو سولی دی گئی، ورقہ بنت نوفل قرآن بہت اچھا پڑھتی تھیں چنانچہ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضعیف آدمی کو مؤذن مقرر فرما دیا جو اذان دیتے تھے اور وہ اپنے گھر والوں کو لے کر جماعت سے نماز پڑھتی تھیں۔

شریک ہوتے اوران کو وہیں تیر لگا جہاں انہوں نے اشارہ کیا تھا اور وہ شہید ہو گئے لوگوں نے حضورؐ سے ان کی شہادت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اس نے اللہ سے سچ کہا تو اللہ نے بھی اس کی سچائی ظاہر کر دی اور اپنا جبہ مبارک کفن کے لئے عنایت فرمایا اوران کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَبْدُكَ خَرَجَ مُھَاجِرًا فِیْ سَبِیْلِكَ فَقُتِلَ شَھِیْدًا اَنَا شَھِیْدٌ عَلٰی ذَالِكَ [1]	اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے جس نے تیرے راستہ میں ہجرت کی اور جہاد میں شہید ہوا میں اس پر گواہ ہوں۔

غزوہ احد میں ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اگر شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہو گا فرمایا جنت میں، ہاتھ میں کھجوریں تھیں ان کو پھینکا اور میدان کارزار میں شریک ہوئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے [2]

کسی جہاد کے موقع پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے یہ روایت بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ	جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں۔

ایک معمولی حیثیت کے آدمی نے یہ روایت سنی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری سے پوچھا کہ کیا آپ نے حضورؐ سے یہ روایت سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے نیام سے تلوار باہر نکالی اور نیام کو توڑ دیا اور ساتھیوں کے پاس آکران کو وداعی سلام کیا اور دشمن کی صف میں گھس گئے اور بے جگری سے لڑے اور شہید ہو گئے [3]

حسن نیت

چھوٹے سے چھوٹا نیک عمل جو حسن نیت اور خلوص سے کیا جائے تو اجر و ثواب کے لحاظ سے بارگاہ قدوسی میں وہ باوزن ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب دس گنے سے لے کر ست

---

[1] نسائی کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الشہداء [2] بخاری ذکر غزوہ احد [3] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم کتاب الجہاد۔

سو گنے تک بڑھتا رہتا ہے ایسا یہ حسن نیت اور خلوص کی بنا پر ہوتا ہے لیکن اگر بڑے سے بڑا کام خلوص اور اچھی نیت سے خالی ہو تو اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی بلکہ ایسا شخص عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان کا ہر عمل حسن نیت اور خلوص پر ہوتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں جو کامیابیاں عطا کیں وہ انہیں صفات عالیہ کے نتیجہ میں تھیں۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت ولید بن ولید غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی فدیہ ادا کرنے کے بعد مکہ روانہ ہوئے ذوالحلیفہ تک جا کر پھر واپس ہو گئے اور اسلام قبول کیا اس پر ان کے بھائی خالد نے کہا کہ اگر اسلام ہی لانا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے اسلام قبول کر لیتے تاکہ فدیہ سے تو بچ جاتے انہوں نے کہا کہ فدیہ دینے کے بعد اس لئے اسلام لایا تاکہ قریش کے لوگ یہ نہ کہیں کہ فدیہ سے بچنے کے لئے اسلام قبول کیا ہے[1]

حضرت عمرو بن اقیش غزوۂ احد تک کافر تھے احد کا معرکہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور گھر میں آ کر کہا کہ میرے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہیں فلاں کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ سب احد کے معرکہ میں گئے ہیں فوراً زرہ پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے صحابہ کرام نے دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ یہ ابھی کافر ہیں، ان سے کہا ہم سے الگ رہو انہوں نے کہا کہ میں تو ایمان لا چکا ہوں یہ کہہ کر کفار کے مقابلہ میں بے جگری سے لڑے اور زخمی ہو کر گھر واپس ہوئے حضرت سعد بن معاذ نے ان کی بہن سے پچھوایا کہ جہاد میں شرکت حمیت قومی کی وجہ سے تھی یا خدا کی راہ میں بولے صرف اللہ کے لئے تھی۔[2]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لئے جہاد کا اعلان فرمایا تو حضرت واثلہ بن اسقع مدینہ میں اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ جو شخص تبوک جانے کے

---

[1] طبقات بن سعد تذکرہ ولید بن ولید [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب من یسلم و یقتل مکانہ فی سبیل اللہ۔

وفیات

افسوس ہے کہ ادھر چند مہینوں کے اندر ہندستان اور ہندوستان سے باہر کی کئی علمی و دینی اہم شخصیتیں اس مادی دنیا سے رخصت ہو کر راہی عالم آخرت ہوگئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ بظاہر ان کی جگہ پُر ہوتی نظر نہیں آتی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے ۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز

شیخ مصطفیٰ زرقا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ مصطفیٰ زرقا ۱۹۰۷ء میں شام کے شہر حلب میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی خود ان کے والد ایک ممتاز عالم دین تھے اس لئے ان کی تربیت اور علمی نشو و نما میں ان کا بڑا ہاتھ رہا ابتدائی تعلیم کے بعد وہ دمشق یونیورسٹی سے لٹریچر اور قانون کی تعلیم حاصل کی پھر وہیں ۱۹۴۴ء میں کالج میں قانون کے استاذ مقرر ہو گئے، ۱۹۶۶ء میں وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد متعدد جامعات اور فقہ اکیڈمیوں کے کاموں میں معاون اور شریک رہے ۔

وہ کئی علمی و فقہی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی سب سے مشہور کتاب المدخل الفقہی العام تین جلدوں میں ہے جس میں انہوں نے فقہ اسلامی کو موضوعاتی اعتبار سے ترتیب دے کر دنیا کے سامنے الفقہ فی ثوبہ الجدید کے نام سے پیش کیا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی اسکے بعد اس کے درجنوں ایڈیشن نکلے۔ انہی علمی اور قانونی خدمات کے صلہ میں ان کو ۱۹۸۴ء میں فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا ۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی نے ۶۰-۱۹۵۹ء میں دار المصنفین سے تعلق کے زمانہ

میں مجھے اس کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری سپرد کی تھی میں نے بہت شوق سے یہ ذمہ داری قبول کی مگر بعض ناقابل ذکر اسباب کی بنا پر وہ ترجمہ سوڈیڑھ سو صفحات سے آگے نہ بڑھ سکا اور پھر وہاں سے میری علیحدگی کے بعد اس کے مسودہ کا بھی کچھ پتہ نہ چل سکا اور نہ پھر یہ کام آگے بڑھ سکا۔

اس وقت عرب ملکوں میں فقہ اسلامی پر جو قیمتی کام ہو رہے ہیں وہاں شیخ خضری بک کے بعد یہ فضا پیدا کرنے میں جن حضرات نے حصہ لیا ہے ان میں شیخ ابوزہرہ، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ عبدالوہاب خلاف کے ساتھ شیخ مصطفٰی زرقا مرحوم کا بھی بڑا حصہ ہے۔ انشورنس کے مسئلہ پر ان میں اور شیخ ابوزہرہ میں جو علمی مذاکرہ ہوا وہ بہت ہی معلومات افزا اور دلچسپ ہے، شیخ ابوزہرہ اس کو ناجائز کہتے تھے اور یہ اسے جائز، یہ مباحثہ التامین کے نام سے شائع ہو گیا ہے، اس کا کچھ حصہ راقم نے اسلامی فقہ میں نقل کر دیا ہے۔

شیخ علی طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ علی طنطاوی عالم عرب کے مشہور عالم، ادیب اور واعظ تھے ان کا اصل وطن مصر تھا وہ ایک مدت تک شام میں عہدۂ قضا پر مامور تھے، ان کا فکری تعلق اخوان المسلمین سے تھا اس لئے ان کی زندگی اور تقریروں اور تحریروں میں بے پناہ مجاہدانہ انداز تھا ان کی تقریر ہوتی تو اسکے سننے کے لئے عرب نوجوان پروانہ وار جمع ہو جاتے ایک بار الجزائر کے انقلاب پر وہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو ان کے ہاتھ میں امیر عبدالقادر جزائری کا پستول تھا اور دوسرے ہاتھ میں قرآن پاک تھا دوسرے ہاتھ کو اٹھا کر جب انہوں نے کہا کہ انقلاب اس طرح آتا ہے تو پورا مجمع دیر تک نعرۂ تکبیر بلند کرتا رہا۔ شیخ کئی کتابوں کے مصنف ہیں انکی تصنیفات میں قصص عن التاریخ ورجال من التاریخ، قصص من الحیاۃ، بہت مشہور ہیں انکے علاوہ ان کے متعدد علمی خطبات اور اصلاحی تقریریں ہیں جو عرب نوجوانوں میں بہت مقبول ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ سے ان کے گہرے تعلقات تھے انہوں نے ان کی متعدد کتابوں پر مقدمہ لکھا ہے اس تعلق کی بنا پر وہ ندۃ العلماء

تشریف لائے اور اس کے بارے میں اپنے گہرے اور والہانہ جذبات کا اظہار کیا شام میں فوجی انقلاب کے بعد وہ سعودی عربیہ منتقل ہو گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور حرم میں نماز جنازہ پڑھی گئی، انتقال کے وقت ان کی عمر سو سال کے قریب تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد الرشید نعمانی ؒ کا شمار ہندوستان اور پاکستان کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا، جس زمانہ میں وہ فارغ ہو کر اپنی مشہور کتاب لغات القرآن کی ترتیب دے رہے تھے اور ندوۃ المصنفین دلی میں مقیم تھے۔ اس زمانہ میں راقم الحروف طالب علم تھا اور مرکز نظام الدین میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا ان سے پہلی ملاقات وہیں ہوئی پھر ندوہ کے زمانہ قیام میں ملاقات ہوتی رہی۔ بڑے ذہین اور وسیع المعلومات تھے، حافظہ بھی بہت اچھا پایا تھا، لغات القرآن کے علاوہ انہوں نے ابن ماجہ پر عربی میں مقدمہ لکھا ہے وہ بہت قیمتی علمی یادگار ہے پھر انہوں نے اردو میں ابن ماجہ اور علم حدیث کے نام سے کتاب لکھی، ان دونوں کتابوں سے علم حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا، ان دونوں کتابوں میں علم حدیث کی تدوین کی پوری تاریخ آگئی ہے، چھ جلدوں میں لغات القرآن بھی بڑی تحقیق اور تفصیل سے لکھی یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے اسے لغات القرآن کے ساتھ قصص القرآن اور تفسیر القرآن بھی بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادھر دو تین مہینے کے اندر جن ممتاز شخصیتوں کا انتقال ہوا ان میں جناب شمس پیرزادہ صاحب بھی تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ غالباً ۱۹۲۷ء یا اس کے آس پاس مہاراشٹر کے قصبہ کلیان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عربی، فارسی پڑھی اور پھر انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد ذاتی مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اچھی استعداد پیدا کی۔

ایک مدت تک جماعت اسلامی سے منسلک رہے اور مہاراشٹر کے ذمہ دار بنائے گئے۔ غالباً سرگرم سیاست میں حصہ لینے کے مسئلہ پر کچھ اختلاف ہوا اور وہ جماعت سے علاحدہ ہو کر یکسوئی سے علمی کاموں میں لگ گئے۔ انہوں نے دعوۃ القرآن کے نام سے بمبئی میں ایک تصنیفی ادارہ قائم کیا۔ اور وہاں سے کئی مفید کتابیں لکھ کر شائع کیں انداز تحریر سادہ اور بہت سنجیدہ ہوتا تھا۔ ان کی تحریریں بہت شوق سے پڑھی جاتی تھیں انہوں نے پورے قرآن پاک کی تفسیر دعوۃ القرآن کے نام سے لکھی جو مقبول ہوئی۔ اس میں عربی ماخذ کے علاوہ انگریزی ماخذ سے بھی انہوں نے کام لیا۔ جس سے اس میں بڑا وزن پیدا ہوگیا ہے۔ بڑی حد تک کسی مسئلہ میں رائے دینے میں کتاب وسنت سے استدلال کرتے تھے۔ مگر ان علمی امتیازات کے باوجود ان کی علمی زندگی اتنی سادہ اور خاکسارانہ تھی کہ نہ جاننے والا ان کو دیکھتا وہ یہ تصور نہیں کرپاتا کہ یہ اتنے علمی امتیاز کے مالک ہیں تکلف اور رکھ رکھاؤ کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ یا ملی کونسل ہو، اسلامی فقہ اکیڈمی ہر جگہ وہ موجود ہوتے اور ان کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا، وہ ملی مسائل میں بڑی جرأت مندانہ رائے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں کے بدلہ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

شیخ محمد مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد مجذوبؒ عالم عرب کے ایک معروف عالم تھے چند مہینے پہلے ان کا انتقال ہوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ شام کے رہنے والے تھے مگر ان کی زندگی کا بیشتر حصہ سعودی عربیہ میں گزرا۔ ایک مدت تک مدینہ یونیورسٹی میں استاذ رہے اور ریٹائر ہونے کے بعد دیار نبوی میں مکان بنا کر وہیں متوطن ہو گئے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی دعوت پر ۱۹۸۱ء میں ہندوستان کا سفر کیا اور ندوہ میں تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا اور طلبہ کے سامنے کئی خطبے دیئے اسی زمانہ قیام میں وہ دارالمصنفین کے دیکھنے کے لئے مولانا

سعید الرحمٰن صاحب ندوی کی معیت میں اعظم گڑھ تشریف لائے اور یہاں دو دن قیام رہا۔ راقم الحروف کی درخواست پر مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی کے ساتھ چند گھنٹے کے لئے جامعۃ الرشاد بھی تشریف لائے اور طلبہ کے سامنے بڑی آسان عربی میں تقریر کی اور اپنا معائنہ بھی لکھا، انتہائی بے تکلف، نرم خو اور سادگی پسند تھے چہرہ پر ہر وقت بشاشت کھلتی رہتی۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے، انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۵۔ ۹۰ کے درمیان رہی ہوگی۔

مولانا قاضی معین اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ میرے قدیم دوست مولانا معین اللہ ندویؒ جو ایک عرصہ سے بیمار چل رہے تھے، ۲۲ اگست ۱۹۹۹ء کو ۱۱ بجے رات میں اپنے وطن اندور میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، ندوہ میں بذریعہ ٹیلی فون رات ہی میں اطلاع آگئی تھی مگر اس کا عام اعلان نماز فجر کے بعد ہوا، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کو بھی ان کی صحت کے پیش نظر اطلاع صبح ہی دی گئی، کچھ دیر بعد اعلان ہوا کہ آج دار العلوم میں چھٹی رہے گی اور ۹ بجے مسجد میں جلسہ تعزیت ہوگا۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ راقم الحروف دوبارہ حضرت مولانا کی مزاج پرسی کے لئے ندوہ گیا تھا اور وہاں دو دن سے مقیم تھا، اپنے قدیم دوست کی وفات کی خبر سنکر دل و دماغ کو ایک دھچکا سا لگا اور آنکھیں نم ہوگئیں، اعلان کے مطابق ۹ بجے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی صدارت میں جلسۂ تعزیت شروع ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد برادرم مولانا محمد رابع صاحب نے مولانا معین اللہ ندویؒ کی خصوصیات پر اپنے تاثرات بیان کئے پھر مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی اور دوسرے اساتذہ اپنے تاثرات بیان کئے، پھر قدیم دوست ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا کے حکم سے مجھے آواز دی گئی، طبیعت پر اثر تھا اس لئے با چشم نم چند منٹ اپنے چار سالہ رفاقت کے کچھ تاثرات بیان کئے۔ آخر میں حضرت مولانا نے بڑے تاثر کے ساتھ اپنے دلی جذبات کا اظہار فرمایا، آپ نے بار بار یہ جملہ دہرایا، ہمارے قریب ترین اور معتمد ترین شاگردوں

میں سے تھے۔

مولانا معین اللہ صاحب ندوی مرحوم کا آبائی وطن اندور (مدھیہ پردیش) تھا بہت کم عمری میں اپنے چھوٹے بھائی نور اللہ کے ساتھ ندوہ میں داخل ہوئے اور ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہا تک ان کی تعلیم یہیں ہوئی، نومبر ١٩٣٩ء میں راقم الحروف نے درجہ پنجم میں داخلہ لیا تو وہ درجہ ششم یا ہفتم میں تھے۔ اور شبلی ہوسٹل کے کمرہ نمبر پانچ میں رہتے تھے۔ اتفاق سے راقم کو بھی اسی کمرہ میں جگہ ملی، پھر تین چار سال تک اسی کمرہ میں ساتھ رہے، اسی کمرہ میں ان کے درس کے ساتھی مولانا عبد الغفار ندوی مرحوم کو بھی جگہ ملی۔ جو میرے ساتھ ہی اسی سال داخل ہوئے تھے۔

اس پوری مدت میں ہمارے درمیان کوئی قابل ذکر ناگواری پیدا نہیں ہوئی، وہ ابتدا سے صحت کے کمزور تھے، اس لئے پڑھنے میں بہت زیادہ محنت تو نہیں کر پاتے تھے مگر ذہانت کی وجہ سے درجہ کے متوسط صلاحیت کے طلبہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، فارغ ہونے کے بعد وہاں استاذ مقرر ہو گئے اور اسی زمانہ میں عربی کے ابتدائی بچوں کے لئے ان سے تمرین الصرف لکھوائی گئی اور ان کے دوسرے ساتھی مولانا محمد مصطفیٰ مرحوم سے تمرین النحو لکھوائی گئی جو ندوہ کے علاوہ اور بہت سے مدرسوں کے نصاب میں داخل ہے۔

طالب علمی کے زمانہ کے بیشمار واقعات ہیں جن کا ذکر اس مختصر تحریر میں مشکل ہے۔ انشاء اللہ اس پہلو پر بعد میں کچھ لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ جس وقت دار العلوم کے استاذ تھے اس وقت جو طلبہ ان سے بہت قریب تھے ان میں مولانا معین اللہ ندوی مرحوم بھی تھے۔ فارغ ہونے کے بعد ہم سب اپنے اپنے مختلف مشاغل کی وجہ سے جسمانی طور پر مولانا مدظلہ سے دور ہو گئے مگر وہ برابر ان کے قریب رہے ١٩٥٥ء کے آس پاس جب مولانا مدظلہ ندوہ کے معتمد تعلیم ہوئے اسی وقت سے ندوہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تو مولانا معین اللہ ناظم تعمیر و ترقی مقرر ہوئے اور پورے خلوص، محنت، اور خاموشی سے مولانا مدظلہ کے دست راست بنکر ندوہ کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے وہ جو کام کرتے تھے بنیادی پتھر کی طرح کام کرتے، بنیاد کا پتھر نظر نہیں آتا

مگر ساری عمارت اسی پر کھڑی ہوتی ہے وہ کبھی کسی جلسہ یا اجتماعی موقع پر سامنے نظر نہیں آتے تھے مگر دماغ انہی کا کام کرتا تھا، رواق رحمانی کی تعمیر شروع ہوئی تو مجھے ایک خط لکھ کر ایک صاحب کو اعظم بھیجا کہ وہاں سے کچھ چندہ کراؤ، میں نے مولانا مسعود علی صاحب ندوی مرحوم سے ذکر کیا وہ بھی آمادہ ہوگئے اور شہر میں دو ڈھائی ہزار چندہ کرا کے ندوہ بھیج گیا جو اس وقت ارزانی کے لحاظ سے ایک کمرہ کی تعمیر کے بقدر رقم تھی۔ ان کا مزاج شروع سے منصوبہ بند تھا ان کو کام کرنے کا میدان ملا جس سے ان کو اپنی صلاحیت کے اظہار کا موقع ملا۔ وہ انشاء اللہ ندوہ کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیکیوں کے بدلے مغفرت فرمائے۔

بقیہ ڈاک

درخواست کی جائے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق تحقیقی منصوبہ تجویز کرنے کے ساتھ ایسے اہل علم وفضل کی نشاندہی بھی فرمائیں جن سے ادارہ جز وقتی تعاون (CONTRACT) کے لئے درخواست کرے۔

مزید برآں ہم سیرت طیبہ پر عربی اور انگریزی میں غیر معمولی اہمیت کی حامل کتب کا اردو میں ترجمہ کرانے کے بھی خواہش مند ہیں۔ اگر جناب والا کی نظر میں ایسی کوئی کتاب ہو تو راہنمائی فرمائیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جناب والا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جلیلہ کے حوالے سے ان تحقیقی اور علمی امور میں ہماری معاونت فرمائیں گے۔

آپ کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔ والسلام

مخلص

ساجد الرحمٰن

ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبہ سیرت

اسلامی یونیورسٹی شاہ فیصل مسجد پاکستان

الرشاد کی ڈاک

محترم جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ـــــــــ سلام مسنون

مخدوم مکرم عالی جناب حکیم عبدالحمید صاحب کے سانحہ وصال کی خبر تو جناب تک پہنچ چکی ہوگی۔ ادارہ جات ہمدرد کے لئے خصوصاً اور ملک وملت کے لئے عموماً، یہ نقصان یقیناً ناقابل تلافی ہے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ، اللہ باقی من کل فانی، اللہ تعالیٰ کے کرم خاص سے جس طرح اس دنیا میں نوازے گئے تھے یقیناً وہاں بھی بندگان خاص کی طرح اعلیٰ مراتب سے نوازے جائیں گے۔

معلوم نہیں کس قدر سوگواران کے ہاتھ بارگاہ ایزدی میں اس پاک روح کے لئے دست بدعا ہوں گے۔ دلفگار، نیازمند

ـــــــــ قاضی ارشاد حسین (سپرنٹنڈنٹ)

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن ۔ انڈیا۔ دہلی

گرامی قدر مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب حفظکم اللہ وعافاکم

الرشاد میں آپ کی ناسازی طبع کی خبر پڑھی تھی۔ ان سطروں سے مزاج پرسی مطلوب ہے سرزمین اعظم گڑھ کو جناب کی ذات سے رونق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہت دنوں برقرار رکھیں خدمت میں حاضری کی خواہش کے ساتھ۔ خاکسار

ـــــــــ سلطان احمد اصلاحی

محترمی ومعظمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بعد التحیۃ والتسلیم عرض آنکہ ماہنامہ الرشاد کے مئی وجون ۹۹ء کے شمارہ میں "قرآن کریم سیمنار" کا اعلان پڑھ کر اس میں شرکت کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا۔ امید ہے کہ یاد

فرماکر احسان فرمائیں گے۔ تعیین عنوانات کے بعد کوئی عنوان بھی عنایت کریں گے۔ والسلام

ابوجندل قاسمی

دارالعلوم۔ ٹانڈہ۔ رامپور

مآثر العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ بعد از تحیۂ مسنونہ

محترم جناب مولانا عبدالحق صاحب قاسمی کے بدست دو عدد رسالہ "زلۃ القاری الواقعۃ للمصلی" بھی ارسال خدمت ہیں۔ برائے تبصرہ بندۂ حقیر کی ایک سعی قلیل ہے۔ اگرچہ مصنفین ومؤلفین میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں اس سے خالی ہوں لیکن اس امید سے کہ بادگاہ رب العزت میں اگر اس خدمت حقیر کو شرف قبولیت حاصل ہوجائے تو نجات ہوجائے آپ جیسے صاحب بصیرت کے ذریعہ اگر خامیاں نکل آئیں تو آئندہ اس کی اصلاح کرلیجائے امید ہے کہ بنظر شفقت ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور بندہ ممنون کرم ہوگا۔ والسلام

محمد شریف الحسن غفرلہ

مہتمم مدرسہ اسلامیہ حمانیہ شیرکوٹ بجنور

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب دام ظلکم العالی سلام مسنون

احقر سید اجمل حسین نبیرہ حضرت میاں صاحب سید اصغر حسین (نائب مہتمم مدرسہ اسلامیہ اصغریہ) کی ملاقات جناب عبدالحق قاسمی صاحب سے حالیہ قیام کے دوران میں رہی جس سے جناب کی علالت کا حال معلوم ہوا اللہ تعالیٰ جناب والا کو بعافیت امت مسلمہ کی سرپرستی اور صدائے حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تادیر باقی رکھے۔ آمین۔

رسالہ پابندی سے ملتا تھا جناب والا کی علالت کے سبب کچھ تاخیر بھی ہوجاتی ہے بہرحال حامل رقعہ مولانا عبدالحق صاحب کے ذریعہ احقر چند دلی تاثرات قلم بند کرنے پر مجبور ہوگیا۔

والسلام

سید اجمل حسین

مدرسہ اصغریہ۔ دیوبند

محترم المقام جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی سلام مسنون

امید کہ مزاج بخیر ہوں گے ۔ اس خبر سے یقیناً آپ کو خوشی ہوگی میرا تحقیقی مقالہ اردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات' شائع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے۔ کتاب کی رسم اجراء گزشتہ دنوں راج بھون کلکتہ میں گورنر مغربی بنگال عزت آب ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کے ہاتھوں ہوئی ۔

۴۴۵ صفحات پر مشتمل کتاب کی قیمت ۲۵۰/- روپے ہے جس میں غازی پور کی صحیح تاریخ پیش کرنے کے علاوہ وہاں کے جغرافیائی، معاشرتی اور ثقافتی پس منظر بھی بیان کئے گئے ہیں ۔ اس کے علاوہ آزادی سے قبل اور مابعد (ابتدا تا حال) غازی پور کے سیکڑوں شعراء و ادباء کے حالات زندگی، نمونۂ کلام اور ان کی نثری تخلیقات سے دنیائے ادب اردو کو روشناس کرانے کی سعی کی گئی ہے ۔ امید ہے کہ علمی و ادبی حلقوں میں یہ کتاب پسند کی جائے گی۔ کتاب میں آپ کا ذکر خیر بھی شامل ہے ۔ امید کہ مع الخیر ہونگے۔

والسلام ۔ مخلص

علی شیر خاں کلکتہ

مخدومی و معظمی حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب دامت برکاتہم ۔

سلام مسنون ! امید کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے ۔ عرصہ ہوا آپ کی زیارت نہ ہو سکی ۔ حضرت والا کی بیماری کی خبر ملی تھی ۔ خیریت کے لئے حال رقعہ حافظ محمد ایوب صاحب کو بھیجا تھا ۔ واپسی میں آپ کی خیریت مل کر تشویش ختم ہوئی ۔ اس بار الرشاد کا اداریہ پڑھنے کو ملا جس میں آپ نے حضرت مولانا علی میاں صاحب کے حالات پھر حضرت والا کی ابتدائی زندگی پر جس طرح آپ نے روشنی ڈالی ہے وہ ہم سب کے لئے سبق آموز ہے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر میں خوب برکت دے اور ملت اسلامیہ کے لئے آپ کے سایہ کو تادیر قائم رکھے ۔ خاص طور سے اس ملک کے لئے حضرت مولانا کا سایہ بہت ضروری ہے ۔ والسلام

محمد خلیل غفرلہٗ

مدرسہ اسلامیہ منبع العلوم کرم ڈیہ بگی روڈ ۔ گونڈہ

محترم جناب مولانا مجیب اللہ صاحب　　　　سلام مسنون!

تحریف قرآن شریف پر ایک مسودہ مضمون ارسال کرچکا ہوں۔ آج الرشاد جولائی ۱۹۹۹ء میں محمد عبدالرحیم قریشی سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ کا مضمون "قرآن شریف کے خلاف یہودی مسیحی سازش" پڑھا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ شریعت کی حفاظت کرنے کا دعویدار ہے لیکن اس کے سکریٹری نے کویت حکومت کی جانب سے براہ راست تحریف قرآن کی حرکت کو جس طرح "قرآن کی غلطیوں ـــ" کا جملہ لکھ کر چودہ سو برسوں میں عظیم ترین ظلم کو چھپانے اور کویت کی قبیح ترین حرکت کی دفاع کی کوشش کی ہے وہ خود قابل نفرین ہے۔ اور اس کی سزا اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ ان دولت مند عرب شیوخ اور حکمرانوں کے لئے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ انشاء اللہ مقدر ہو چکا ہے امریکہ اور ان کے ہندوستانی دفاع کرنے والوں کا بھی حشر خراب ہوگا۔ انشاء اللہ۔ فَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا

افسوس! اس تحریف قرآن پر کوئی مسلم جماعت یا عالم نہیں بولا۔ نہ احتجاج کیا۔ حیف صد حیف!!

دوسری بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کو غیر سیاسی رہنا چاہیے۔ جن چار طالع آزما سیاسی پارٹیوں اور سیاسی لیڈروں کے ساتھ پانچویں سوار کی حیثیت سے مسلم پرسنل لا بورڈ آیا ہے، اس سے بورڈ کی ساکھ اور وقار کو نقصان پہنچے گا۔ سیاسی سودے باز مسلم رہنماؤں کا شعار رہا ہے اور اسی وجہ سے ۱۹۰۵ء سے اب تک مسلم ملت ہندیہ کو غیروں سے نہیں اپنے ہی رہنماؤں سے نقصان پہنچا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ　　　　نیاز مند

ـــــــــــــ　انور علی ایڈوکیٹ بہار نپور

محترمی و معظمی حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی دامت برکاتہم

سلام مسنون!　　　　حضرت والا کے مزاج عالی امید ہے بہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہوں گے والا نامہ بمبئی کے دوران قیام موصول ہوکر باعث مسرت ہوا

یہ پڑھ کر افسوس ہوا تھا کہ مزاج عالی ناساز ہے، خداوند قدوس صحت عاجلہ کاملہ مستمرہ سے نواز کر صحت وسلامتی کے ساتھ حضرت محترم کا سایہ امت پر تادیر قائم رکھ کر حضرت والا کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے آمین۔

ڈاکٹر سلمان صاحب سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہتی ہے خیریت سے ہیں اور بہت مصروف ہیں۔ اس کا افسوس رہتا ہے کہ اس عمر میں رفیقۂ حیات کی جدائی سے تنہائی کا شکار ہو گئے۔

آپ اگر توجہ دلادیں کہ عمر کا تقاضا ہے اس عمر میں ساتھی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ پاکستان میں ان کی عمر کا کوئی اچھا گھرانہ مل جاوے۔ خدا کا شکر ہے بہت ہی خوشحال ہیں اور خداوند قدوس نے سعادت مند اولاد سے نوازا ہے۔ میری واپسی ۹ر فروری کو ہوئی۔ اب تک گھر پر ہی قیام ہے۔ فقط جمعہ کو نماز جمعہ کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہوں علاج جاری ہے۔ دعا فرمادیں کہ خداوند قدوس صحت کاملہ عاجلہ نصیب فرماوے۔ ڈاکٹر سلمان صاحب فرمارہے تھے وقتی طور پر الرشاد کی اشاعت بند ہے۔

بقیہ احوال بخیر ہیں۔ کار لائقہ سے یاد فرما کر ممنون فرمادیں۔

طالب ومحتاج دعا

عبدالحق اسمٰعیل عمرجی غفرلہٗ

ساؤتھ افریقہ

محترم مولانا مجیب اللہ صاحب ناظم جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ۔ یوپی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ادارۂ تحقیقات اسلامی کا شعبہ سیرت، سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام کرانے کے لئے غور وخوض کر رہا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ تکرار محض کے بجائے ان پہلوؤں سے متعلق کام کیا اور کرایا جائے، جن سے متعلق اہل علم کوئی تشنگی محسوس کرتے ہیں یا جو اب تک موضوع تحقیق نہیں بنے ہیں۔

اس سلسلے میں ہماری خواہش ہے کہ پہلے مرحلہ میں اہل علم سے تحریری طور پر

بقیہ ص۸۹ پر

از
ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

نئی کتابیں

تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مجاہدانہ زندگی ـــــ از جناب انجم ہاشمی
صفحات ۵۲ ـــــ قیمت و سنہ اشاعت درج نہیں
ملنے کا پتہ :- دانش بک ڈپو ٹانڈہ ضلع امبیڈکر نگر ۔ یوپی ۔

دانش بک ڈپو ٹانڈہ نے زندگی کے ہر شعبہ کے مسلمان مشاہیر کے حالات و سوانح اور ان کے کارناموں پر مشتمل کتابچوں کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے۔ زیر نظر کتابچہ اسی کی ایک کڑی ہے اس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حالات زندگی اور ان کے سیاسی اور مجاہدانہ کارناموں کو اختصار مگر اس جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ تحریک آزادی ہند میں ان کی غیر معمولی جدوجہد، صعوبتوں اور دشواریوں اور ان کی علمی و عملی اور دینی و سیاسی زندگی کا مکمل خاکہ سامنے آجاتا ہے، یہ مفید اور کارآمد کتابچہ ہر شخص کے مطالعہ کے لائق ہے اس کے لئے مصنف اور ناشر دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔

آئینہ کلیسا (شعری مجموعہ) :- از جناب سلیمان آصف صاحب۔ صفحات ۳۶
قیمت /۲۰ روپئے۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء۔ ملنے کا پتہ :- مدر حلیمہ فاؤنڈیشن
۳۲ رزیر گولر وارانسی (یوپی)

جناب سلیمان آصف صاحب کے شعری مجموعہ تکبیر مسلسل کا گزشتہ شمارے میں تعارف کرایا جاچکا ہے۔ یہ ان کا دوسرا مختصر شعری مجموعہ ہے اس میں انہوں نے کلیسا اور ارباب

کلیسا کی کارستانیوں کو بیان کرتے ہوئے اسلامی اوصاف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آصف صاحب کی دوسری تخلیقات کی طرح آہنگ اقبال کا اثر اس میں بھی نمایاں ہے، البتہ کتابت میں بعض الفاظ کا املا غلط ہے جیسے رُہبانیت وغیرہ اس پر مزید توجہ کی ضرورت تھی، امید کہ یہ شعری کاوش بھی مقبول ہوگی۔

راہِ اعتدال :۔ از جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب۔

صفحات ۲۴۰ مجلد سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء۔ کتابت وطباعت معیاری

قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ :۔ دارالعلوم سبیل السلام پوسٹ بالاپور حیدرآباد دکن اے، پی

اس کتاب میں فقہائے اسلام اور غیر مقلدین کے مابہ النزاع مسائل کا ذکر ہے مثلاً تقلید، ہاتھ باندھنے کی جگہ، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت، آمین بالجہر یا بالسر، رفع یدین، تراویح کی رکعتیں، مساجد میں عورتوں کی نماز، ایک مجلس کی تین طلاق، مصافحہ کا مسنون طریقہ وغیرہ۔

فاضل مصنف نے قرآن واحادیث کی روشنی میں فقہائے اسلام کے موقف کی تائید وحمایت کی کوشش کی ہے مگر اس بحث وتجزیہ میں کتاب کے نام کا اثر دکھائی دیتا ہے البتہ کہیں کہیں لہجہ ذرا سخت ہوگیا ہے جس سے اجتناب کیا جاسکتا تھا۔

موجودہ حالات میں خاص طور سے فروعی مسائل میں کوشش یہی ہونی چاہئے کہ یہ خالص فقہی مباحث امت میں انتشار وتلخی کا باعث نہ بنیں۔

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ایک ہوش مند عالم اور اہل قلم ہیں خصوصاً فقہ پر ان کی نظر وسیع ہے یہ کتاب بھی ان کی اس خصوصیت کا آئینہ ہے۔ اس سے یقیناً استفادہ کیا جائے گا۔

ایمانی اعمال :۔ از جناب محمد ریاض الدین احمد صاحب

صفحات ۵۰ قیمت پندرہ روپے سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء
ملنے کا پتہ:- ۲ر ۸۲۲ نوراللہ روڈ (وصی آباد) الہ آباد ۔ یوپی

یہ کتابچہ بقول مرتب دینی تعلیمی کونسل کے منصوبہ ترویج القرآن کا حصہ اور بچوں کی ذہنی تربیت کے لئے ایک تیز رفتار کورس ہے، مرتب نے آسان زبان میں عبادت کے موضوع پر قرآن و احادیث کا ترجمہ نقل کر کے بچوں کی تربیت کا سامان فراہم کیا ہے اور اس کے ذریعہ قرآن کی روح اور پیغام کو عام کرنے کی مبارک کوشش کی ہے خدا انھیں کامیابی سے ہمکنار کرے۔

نظام حیات ترجمہ چہار باب :- مترجمہ جناب مولانا عبدالرشید صاحب
صفحات ۹۶ قیمت و سنہ اشاعت درج نہیں
ملنے کا پتہ :- بیت الرشید محلہ محمود آباد متصل مدرسہ بیت العلوم سرائمیر ضلع اعظم گڑھ ۔ یوپی

یہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے برادر اصغر شاہ اہل اللہ دہلوی کے رسالہ "چہار باب" کا اردو ترجمہ ہے اس میں عقائد، عبادات اور ان کے فضائل وغیرہ کا بیان ہے آخر میں چند پند و نصائح بھی قلمبند کئے گئے ہیں مترجم نے اس میں "وظائف اعمال" کے ضمن میں نفل نمازوں کے اوقات، اوراد و تسبیحات اور ان کے فضائل کا اضافہ کیا ہے۔

ترجمہ عام فہم ضرور ہے لیکن زبان قدیم رنگ میں ہے، اس کے باوجود کتاب مطالعہ کے لائق ہے۔

حیات سجاد :- مرتبہ جناب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
صفحات ۱۹۱ قیمت درج نہیں ۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء ۔ کتابت و طباعت عمدہ ۔ ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

بانی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال اور عظیم شخصیت سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ انہوں نے مدۃ العمر اسلام اور مسلمانوں کی علمی وعملی تعلیمی وسیاسی ہر طرح سے بڑی خدمت کی اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے، وہ علم وعمل، ایثار واخلاص اور فہم وتدبر وتفکر کا اعلیٰ نمونہ تھے، ان کی زندگی سراپا عمل اور متحرک تھی۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا قیام ہے انہوں نے انڈیپنڈنٹ پارٹی قائم کر کے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کر کے مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ پیش کر دیا کہ کس طرح مخالف حالات میں مسلمان اپنے شعور اور فہم وتدبر سے کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب ان کے حالات وسوانح، علم وفضل، اخلاق وکردار اور ان کے علمی ودینی تعلیمی اور سیاسی کارناموں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ ہے اس سے ان کی زندگی کے مختلف اوصاف وکمالات کا مرقع سامنے آجاتا ہے اس کتاب کا مطالبہ عام لوگوں کے علاوہ خواص کے لئے بھی انتہائی مفید اور کارآمد ہے۔

مرتب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نے مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا عبدالصمد رحمانی کے مرتبہ مجموعہ مقالات سے مضامین کا انتخاب کر کے یہ مجموعہ مقالات مرتب کر دیا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں، وہ انہیں مقالات اور بعض دیگر ذرائع سے خود حیات سجاد قلمبند کر سکتے تھے جو ان کا اپنا ایک کام ہوتا اور ایک نئی کتاب سامنے آجاتی اور تکرار مضامین سے پڑھنے والوں کو الجھن نہ ہوتی۔

بقیہ علو

نیت پر ہے اگر قرآن وحدیث جو خالص دینی علم ہے وہ فاسد نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ غیر نافع ہو جائے گا اور اگر وہ علوم جو دنیاوی کہے جاتے ہیں اسے صحیح نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ علم نافع بن جائے گا۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا تاکہ یہود کے فتنے سے بچا جائے۔ اسی طرح آپ نے تیر اندازی سیکھنے کی ترغیب دی اور نیت کے فساد کی وجہ سے عالم، واعظ، اور مجاہد کو جہنمی قرار دیا۔

اعلان مفقود الخبر

مقدمہ ۳۱/۴۹ سنہ ۱۴۲۰ھ

شہناز بانو بنت اسحاق خاں مقام اشرف پور۔ پوسٹ آسرہٹہ ضلع جونپور۔ مدعیہ

بنام

محمد حنیف الدین ابن امیر الدین ۔ ۔ ۔ آسام ۔ مدعا علیہ

اطلاع بنام مدعا علیہ

مقدمہ ہذا میں مدعیہ نے آپ کے خلاف دار القضاء جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں دعویٰ دائر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میری شادی مدعا علیہ مذکور سے ۱۴ سال قبل ہوئی۔ بعد شادی دو تین ماہ مدعا علیہ میرے میکہ میں رہا، اس درمیان ہم دونوں کے تعلقات ٹھیک رہے، اسکے بعد کام کے ارادہ سے بھیونڈی یا بمبئی گیا، اور شادی سے پہلے بھی وہیں پہ کام کرتا تھا۔ آج ۱۴ سال کا عرصہ گزر گیا، مگر اس نے نہ میری رخصتی کرائی، نہ نان ونفقہ ادا کیا، میں غریب والدین کے سر بوجھ بنی ہوئی ہوں اور جملہ حقوق زوجیت سے بھی محروم ہوں، میرا گزر بسر اسکے ساتھ نہیں ہو سکتا، اس کو بہت تلاش کیا گیا مگر پتہ نہیں چلا کہ کہاں ہے! اسلئے میرا نکاح مدعا علیہ سے فسخ کر دیا جائے۔ اور دوسری شادی کی اجازت دی جائے۔

لہٰذا آپ مدعا علیہ کو اس اعلان کے ذریعہ آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مورخہ ۹ رجب سنہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۹۹ء بروز منگل کو دار القضاء ہذا میں ہو کر رفع الزام کریں بصورت عدم پیروی مقدمہ فیصل کر دیا جائے گا۔

قاضی شریعت

دار القضاء جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ

محترم مرتب الرشاد کی قابل قدر علمی و دینی تصانیف

اسلامی فقہ حصہ اول، دوم، سوم	قیمت حصہ اول ۹۰/ دوم ۱۱/ سوم ۸۰/ روپئے	
قرآن پاک اور اسکی تعلیم	قیمت	۸/۰۰ ″
اہل دل کی باتیں	″	۲۵/۰۰ ″
خطبۂ نکاح	″	۱۰/۰۰ ″
مسئلہ کفارت	″	۸/۰۰ ″
جہیز کی شرعی حیثیت	″	۸/۰۰ ″
دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں	″	۱۲/۰۰ ″
عبادت اور خدمت	″	۱۵/۰۰ ″
سرمد اوران کی رباعیاں	″	۴۰/۰۰ ″
خواجہ میر درد اوران کی شاعری		
ریاض الحدیث	″	۲۵/۰۰ ″
وقت ایک دولت ہے	″	۴/۰۰ ″
اسلامی قانون اجرت (زیر طبع ہندوستان میں)	″	۳۵/۰۰ ″
تبع تابعین	″	۵۵/۰۰ ″
اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات	″	۶۵/۰۰ ″
اہل کتاب صحابہ و تابعین	″	۳۵/۰۰ ″
اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام (زیر طبع ہندوستان میں)	″	۶۵/۰۰ ″
فتاویٰ عالم گیری اور اسکے مؤلفین (″ ″ ″)	″	۵۵/۰۰ ″
فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل	″	۴۵/۰۰ ″
اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم	قیمت سیٹ	۳۶/۰۰ ″
نماز اور خشوع اور تواضع	قیمت	۵-۵/۰۰ ″
خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ	″	۲۵/۰۰ ″
ثبوت رجم	″	۲۵/۰۰ ″
ایمان و عقیدہ	″	۳۵/۰۰
مقالات علامہ سید سلیمان ندوی سیمنار	زیر طبع	

ملنے کا پتہ:- مہتمم مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ، یوپی

سالانہ چندہ	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان	سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۵۰/-	ماہنامہ جامعۃ	غیر ممالک سے
خصوصی معاون ۱۰۰/-	**الرشاد**	پندرہ ڈالر امریکی - 15
قیمت فی پرچہ ۵/-		15/ = 5

جلد نمبر ۳۸	نومبر، دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق شعبان، رمضان ۱۴۲۰ھ	شمارہ نمبر ۲۲۳-۲۴

فہرست مضامین

منیجر توسیع اشاعت مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی، مولانا عبدالحق صاحب قاسمی بستوی	کتابت ــ اشرف بستوی

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

رشحات

عراق، سوڈان، لیبیا، شام اور ایران کے بعد افغانستان بھی ان ملکوں کی فہرست میں باقاعدہ طور پر شامل کر لیا گیا ہے جن کے بارے میں "عالمی برادری" اور "عالمی ادارہ امن" کا خیال ہے کہ وہ بین الاقوامی دہشت گردی کی سرپرستی کرتے ہیں، پاکستان کے بارے میں بھی ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے اور اس کو بھی مذکورہ فہرست میں شامل کرنے پر غور کیا جا رہا ہے، افغانستان کو عالمی برادری سے کاٹنے کا عمل شروع ہو چکا ہے، عالمی ادارہ امن یعنی اقوام متحدہ نے اس کے خلاف پابندیوں کا اعلان کر دیا ہے، پہلے مرحلے کے طور پر تمام ممبر ملکوں کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ افغانستان سے ناطہ توڑ لیں، اس کے ساتھ کسی طرح کا معاملہ نہ کریں، لین دین کا اگر کوئی معاملہ چل رہا ہو تو فی الفور اس سلسلہ کو منقطع کر دیں، ہوائی ناکہ بندی کا حکم بھی دے دیا گیا ہے یعنی تمام بین الاقوامی پروازیں بند ہو گئیں ہیں، گویا جب تک یہ پابندیاں جاری رہیں گی کسی بھی ملک کا جہاز کابل ہوائی اڈے پر نہیں اترے گا، اسی طرح افغانستان کے کسی طیارہ کو کسی دوسرے ملک میں اترنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اسی طرح افغانستان کا جو اثاثہ غیر ملکی بینکوں میں جمع ہے اسے منجمد کر دیا گیا ہے، یعنی افغانستان نہ اسے واپس لے سکتا ہے اور نہ اسے استعمال کر سکتا ہے۔

یہ سزا افغانستان کے عوام کو اس جرم میں دی جا رہی ہے کہ طالبان نے اسے اسلامی حکومت بنانے کا اعلان کر دیا ہے، یہی امریکہ اس وقت جب افغانستان کی غیور عوام روسی جارحیت سے لڑ رہے تھے تو ان کی ہر طرح کی مدد کر رہا تھا اور انھیں مجاہدین کے لقب سے نوازتا تھا اور اب اسے دہشت پسند قرار دے کر نہ صرف اپنی طرف سے ہر طرح کی پابندی عائد کر رہا ہے بلکہ اس کے لئے اقوام متحدہ جو ادارہ امن کہا جاتا ہے اس کو بھی اس ظلم پر مجبور کر رہا ہے،

مگر انشاء اللہ اسے کامیابی نہ ملے گی، کابل سے جو خبریں آرہی ہیں ان سے اس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ راشٹریہ سہارا ۳۰ نومبر کے پرچہ میں یہ خبر چھاپی ہے۔

"کابل ۳۰ نومبر (ڈی پی اے) اقوام متحدہ نے ۱۴ نومبر سے افغانستان کی طالبان حکومت کو سزا دینے کے لئے اقتصادی پابندیاں عائد کی تھیں لیکن بظاہر تو یہ ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ یہ پابندیاں طالبان کو اس پر مجبور کرنے کے لئے لگائی گئی تھیں کہ وہ اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دیں لیکن ان پابندیوں سے عام افغانیوں پر کوئی اثر دکھائی نہیں پڑا ہے کیونکہ ان کی اکثریت برسوں سے انتہائی غربت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

ان پابندیوں کا الٹا اثر ہوا ہے کیونکہ ان سے طالبان میں آہنی عزم پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر پوری طرح عمل کریں گے اور مسلم دنیا میں امریکہ مخالف جذبات پیدا کریں گے۔ شروع شروع میں ان پابندیوں کی وجہ سے افغانیوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی تھی کیونکہ تاجروں نے غذائی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا تھا لیکن یہ صورت حال چند روز تک باقی رہی کیونکہ پھر طالبان نے ایران اور پاکستان کے ساتھ نئے تجارتی سمجھوتے کرائے جس سے صورت حال مستحکم ہو گئی اور کابل کے بازاروں میں ایک مرتبہ پھر اشیا اور کرنسی کا کاروبار زور پکڑ گیا اور تاجروں میں اعتماد پیدا ہو گیا سرائے شہزادہ کرنسی مارکیٹ، باغ غازی ہول سیل مارکیٹ تیل فروشوں کی گہما گہمی اس اعتماد کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ کرنسی مارکیٹ میں ایک ہزار سے زیادہ تاجر موجود رہتے ہیں۔ ان کے پاس افغانی کرنسی کے بنڈل کے بنڈل ہوتے ہیں اور وہ ہر ملک کی کرنسی سے انھیں تبدیل کرتے ہیں خواہ یہ کرنسی فلپائن کی پیسوز ہو یا ایران کی تومان باغ غازی مارکیٹ کے گیہوں کے آٹے کے ایک تاجر نے کہا کہ اگر امریکہ ہمارا ایک دروازہ کرتا ہے تو اللہ ہمارے لئے ایک ہزار دروازے کھول دے گا۔ اس مارکیٹ کے گوداموں اور دوکانوں میں ایک ایک کوئنٹل آٹے کی بوریاں لدی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستانی اور ایرانی خوردنی تیلوں کے کنستروں کی کثرت ہے۔ جہاں

تک پٹرول اور ڈیزل کا سوال ہے کابل کے شمال مضافاتی علاقہ میں اسکی مارکیٹ
میں ۸ / نومبر کو آگ لگ گئی تھی جس میں ڈھائی ہزار سے زائد پٹرول ڈیزل کے بیرل
جل گئے تھے لیکن اس وقت اس مارکیٹ میں پچہتر دو کانوں میں ان دونوں کے
اسٹاک موجود ہیں اور درجنوں آئل ٹینکر مارکیٹ کے باہر کھڑے نظر آتے ہیں
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ افغانستان میں تیل کی سپلائی کی فراوانی ہے"۔

اس سے پہلے طالبان کے امیر ملا محمد عمر نے مومنانہ عزم کا یہ بیان دیا تھا کہ ان پابندیوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس لئے کہ نہ ہم امریکہ کے مقروض ہیں اور نہ ورلڈ بینک کے اس لئے ہمیں اس سے کوئی گھبراہٹ نہیں ہے البتہ امریکہ کو سوچنا چاہئے کہ اس سے اس کا کیا نقصان ہوگا۔

۱۹۹۰ء کے بعد جب روس میں بکھراؤ شروع ہوا تو وہاں کی وہ مسلم جمہوریتیں جن کو لینن اور اسٹالن نے غیر انسانی جبر و ظلم سے اپنے اندر شامل کر لیا تھا ان میں سے جس جس نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا ان میں چیچنیا کی جمہوریت بھی تھی جس نے ۹۵ء میں آزادی کا اعلان کیا، اس وقت روس اس حیثیت میں نہیں تھا اس لئے اس نے کوئی بڑی مزاحمت نہیں کی مگر ۵ / برس بعد جب اسے اطمینان ہوا تو اس نے اسکی آزادی کو چھیننے کی کوشش کر دی ادھر کئی مہینے سے اس کے خلاف بڑے پیمانہ پر وہ فوجی کاروائی کر رہا ہے مگر چیچنیا کے غیور مسلمان اسکا مقابلہ کر رہے ہیں اور ابھی تک وہ اسکے دارالسلطنت گروزنی تک پوری کوشش کے باوجود نہیں پہنچ سکے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہاں بھی ان کا حشر وہی کرے جو اس سے پہلے افغانستان میں کر چکا ہے۔

بابری مسجد کی شہادت میں جن سیاسی لیڈروں اور عام لوگوں نے حصہ لیا تھا ان سب کو یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ سزا دے چکا ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی وہ جلد یا بدیر اپنا کام کرتی ہے ایک لمبی ڈھیل کے بعد اب اسکی لاٹھی کلیان سنگھ کی طرف متوجہ ہوتی ہے ابھی تو چیف منسٹری سے ہٹائے گئے ہیں اپنی پارٹی سے بھی ذلت کے ساتھ نکالے جانے کے آثار ہیں ہو سکتا ہے کہ انکی سیاسی حیثیت بھی جلد ختم ہو جائے جس کے آثار شروع ہو گئے ہیں اس لئے کہ ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

مجیب اللہ ندوی

قطعِ ید کی منسوخی

قرآن نے پہلی بار چوری کی سزا میں ایک ہاتھ کاٹ لینے کا حکم دیا ہے، اگر وہ دوبارہ کرے تو دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس حکم کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چوروں کو ہمیشہ یہی سزا دی۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قحط کے زمانے میں اس سزا کو بند کر دیا تھا۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ نے قطعِ ید کی سزا کو مطلقاً بند کر دیا ہوتا تو یقیناً یہ کہا جا سکتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب و سنت کے ایک ثابت شدہ حکم میں اپنے اجتہاد سے تبدیلی کی، مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سزا مطلقاً منسوخ نہیں کی بلکہ قحط کے زمانے میں اسے ملتوی کر دیا تھا۔ اب یہ سوال یہاں ہو سکتا ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطلقاً نہ سہی قحط کے زمانے میں اس سزا کو بند کر دینے کا حق تھا، کیا کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل و مثال موجود ہے؟ آئندہ سطروں میں ہمیں اسی سوال کا جواب دینا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس قحط میں چوروں کا ہاتھ کاٹنا بند کر دیا تھا اس کی ہلاکت خیزی کا حال یہ تھا کہ پورے جزیرہ میں خاک اڑنے لگی تھی، سرسبزی و شادابی کا نام و نشان تک باقی نہ تھا۔ فقر و فاقہ کی وجہ سے لوگ مردار اور چمڑے تک کھا جایا کرتے تھے۔ اسی ہلاکت خیزی کی وجہ سے اس قحط کا نام عام الرمادہ پڑ گیا تھا، رمادہ خاک اور راکھ کو کہتے ہیں یعنی اس قحط میں ہر طرف خاک ہی خاک اڑتی نظر آ رہی تھی اور لوگ فقر و فاقہ کی وجہ سے زمین سے لگ گئے تھے اور ان کے چہرے اور جسم کا رنگ تک سیاہ پڑ گیا تھا۔

یہ قحط ۱۸ھ میں پڑا تھا اور اس نے پورے جزیرۂ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا

اور اس کا سلسلہ تقریباً چھ سات ماہ تک رہا۔ اس میں عام باشندوں کا حال یہ تھا کہ وہ گھاس پھوس ہی نہیں بلکہ مردار، چمڑے اور ہڈی کا ستو کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن قحط کے انتظام کے سلسلہ میں گشت لگا رہے تھے کہ مدینہ کے قریب کچھ خانہ بدوش لٹیرے یا دشمن قسم کے لوگ نظر آئے[1]۔۔۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ یہاں کیسے آئے؟ بولے کہ فقر و فاقہ کی شدت نے مدینہ کی طرف آنے پر مجبور کیا[2]۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ایک مردار جانور کی بھنی ہوئی کھال نکالی، اور اس کی ہڈیوں کو نکال کر اس کا ستو بنانے لگے تاکہ اس کو کھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی تو چادر بچھا کر وہیں بیٹھ گئے، خود اپنے اہتمام میں ان کے لئے کھانا پکوایا اور ان کو اپنے سامنے کھلایا۔ پھر اپنے خادم اسلم کو مدینہ بھیج کر چند اونٹ اور کچھ کپڑے منگوائے اور ان کو کپڑے پہنا کر اور اونٹوں پر سوار کر کے وہاں سے واپس کیا[3]۔

جب تک قحط کا سلسلہ رہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دن بھر روزے سے رہتے تھے حکم تھا کہ ان کے سامنے گیہوں کی روٹی اور گھی نہ لایا جائے، صرف زیتون کا تیل اور جَو کی روٹی لائی جائے۔ اسلم کا بیان ہے کہ ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے جلد قحط کی کیفیت دور نہ کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جائیں گے[4]۔

اس قحط سالی کے رفع کرنے کے سلسلہ میں جو تدبیریں اختیار کی گئیں تھیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کی ساری مشینری اس میں لگا دی گئی تھی اور سارے ذرائع اس کے لئے وقف کر دیئے گئے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں حسب ذیل تدبیریں کی گئیں۔

---

[1] اصل میں لفظ محاربین استعمال ہوا ہے جس کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں۔

[2] یا تو ان کا ارادہ لوٹ مار کا تھا، یا پھر مدینہ کے قریب اس غرض سے آئے ہوں گے کہ شاید یہاں کفاف کا کوئی انتظام ہو سکے۔

[3] ازالتہ الخفا۔ ج ۲ ص ۱۸۴ [4] سیرۃ عمر بن الخطاب، ابن جوزی، ص ۶۹

۱۔ بیت المال میں جو کچھ تھا وہ سب غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا گیا۔
۲۔ احتکار کرنے والوں کو سختی سے روکا گیا۔
۳۔ تمام ممالکِ محروسہ کے امراء کو مدینہ غلہ بھیجنے کا حکم دیا گیا تاکہ مستحقین میں تقسیم کیا جائے چنانچہ اس حکم کے مطابق شام سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے غلہ سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ بھیجے۔ حضرت عمرو بن العاص نے مصر سے بحر قلزم کے راستہ سے ایک سو کشتی غلہ روانہ کیا۔
۴۔ اس پوری مدت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ گوشت، گھی، گیہوں کھایا اور نہ دودھ کا ایک قطرہ چکھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑا ہوگا۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ روزانہ سیکڑوں اونٹ ذبح کیے جاتے تھے، اور ان کا گوشت پکا کر مستحقین کو کھلایا جاتا تھا۔ غلہ کی مفت تقسیم کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام اعلان کرا دیا تھا کہ اگر خدا نے اس قحط سے جلد نجات نہ دی تو ہر کھاتے پیتے گھر میں چند غریبوں اور قحط زدوں کو بھیج دوں گا تاکہ وہ اپنے کھانے میں ان کو شریک کر لیا کریں کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کھا لیں گے تو دونوں ہلاکت سے بچ جائیں گے[2]

یہ اس قحط کی مختصر کیفیت بیان کی گئی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قطعِ ید کی سزا کو منسوخ نہیں بلکہ ملتوی کر دیا تھا۔

سور، نجس العین ہے مگر قرآن نے ایک بھوکے مضطر کو سدِ رمق کے بقدر اس کا گوشت بھی کھا لینے کی اجازت دی ہے۔ شراب، مردار وغیرہ کو قرآن نے قطعی حرام قرار دیا ہے مگر یہ چیزیں بھی ان لوگوں کے لئے بقدر سدِ رمق حلال ہیں جو فقر و فاقہ کی وجہ سے موت کے منہ میں جا پہنچے ہوں۔

غور کرنے کی بات ہے جس قحط میں لوگوں کے اضطرار کی حالت یہ ہو کہ وہ گھاس پھوس نہیں بلکہ ہڈی اور مردار کھا کر پیٹ بھرنے پر مجبور ہوں اور بھوک و فاقہ کی وجہ سے زمین سے لگ

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی [2] ایضاً ص ۷۰

گئے ہوں اور ہزاروں من غلہ اور گوشت مفت تقسیم کرنے کے بعد بھی لوگوں کے موت کے منہ سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو موت سے بچانے کے لئے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں کہ ایک ایک۔ دو دو فاقہ مستوں کو ہر کھاتے پیتے گھر میں بھیج دیا جائے گا۔ ایسی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ کے حکم کے تحت ان لوگوں کے ہاتھ کاٹتے جو اپنے کو موت سے بچانے کے لئے چوری پر مجبور ہو گئے تھے۔ یا وہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ والی آیت کے تحت ان کو مضطر قرار دے کر قطع ید کی سزا کو تھوڑے دن کے لئے ملتوی کر دیتے، کیا اس موقع پر شریعت کے دو حکموں میں سے کسی ایک حکم کو ترجیح دینا شرعی مصلحت کے مطابق نہ تھا؟ سزا کا موقوف کرنا منشائے قرآنی کے زیادہ مطابق تھا یا اس کو نافذ کرنا؟

پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا جو حکم دیا ہے وہ بالکل مطلق ہے، تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر کوئی کسی کی ایک سوئی ایک ورق کاغذ، ایک بٹی صابن چرالے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا؟ قرآن کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی چیزوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔

مروان کے زمانہ میں کسی غلام نے کسی کی تھوڑی سی کھجور چرالی۔ کھجور والے نے مروان کے پاس دعویٰ کیا۔ مروان نے غلام کو قید کرا دیا اور ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ اس غلام کا مالک ایک معروف صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور حکم شرعی دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا قطع فی ثمر ولا کثر پھل اور کھجور کی چوری میں ہاتھ کاٹا نہیں جا سکتا۔ مالک حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو لے کر مروان کے یہاں پہنچا اور اس کو یہ حدیث نبوی سنوائی۔ مروان نے فوراً غلام کو آزاد کر دیا۔ (ابوداؤد مع معالم السنن)

اس حدیث کی روشنی میں ائمہ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ دودھ، پکے ہوئے کھانے تازہ پھل اور گوشت وغیرہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار درخت میں لگے ہوئے پھل کے بارے میں دریافت کیا

تو آپ نے فرمایا:

ما اصاب منه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شئ علیه[1]

اگر کوئی ضرورت سے مجبور ہو کر کچھ پھل کھا پی لے تو اس پر کوئی سزا نہیں البتہ اس کو گٹھری باندھ کر گھر نہ لے جانا چاہئے۔

یہ فرمانے کے بعد آپ نے ایک اصول مقرر فرما دیا۔

ومن سرق شیئاً بعد ان یؤیه الجرین فبلغ المجن فعلیه القطع[2] (ابوداؤد)

غلہ اور پھل کے کھلیان یا گھر میں پہنچ جانے کے بعد جو شخص چوری کرے گا تو ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

پہلے جملہ میں تو آپ نے اہل ضرورت کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ بغیر اجازت کسی باغ سے پھل وغیرہ کھا لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ باندھ کر گھر لے جانے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ دوسرے جملہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے پھل یا غلہ کاٹ کر یا توڑ کر کھلیان یا گھر میں رکھ لیا ہے تو پھر اسکی چوری میں ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب وہ سو پچاس روپیہ کی قیمت کا ہو، دو چار روپے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر ضرورت دو چار آنے کی چیز چرانے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تعزیر کی جائے گی۔

---

[1] اگر وہ جمع کرنے کے لئے ایسا کرے گا تو پھر اس کو کچھ سزا دی جائے گی اور اس سے تاوان بھی لیا جائے گا۔

[2] ڈھال کی قیمت کے بارے میں ائمہ مختلف الرائے ہو گئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے دس درہم سرقہ کا نصاب مقرر کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ تین درہم میں قطع ید کا حکم دیتے ہیں یہ اختلاف مجن (ڈھال کی قیمت) ربع دینار کے اندازہ کی بنا پر ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کے عام حکم کے تحت ضرورت شدید یا عام ابتلا کی وجہ سے اتنی تخصیص فرمائی ہے کہ اگر کوئی حاجت مند چھوٹی موٹی چیزیں بغیر اجازت استعمال کرے یا چھپالے تو اس کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی تو جب عام الرمادہ میں لوگ اس سے زیادہ محتاج و ضرورت مند تھے اور حضرت عمرؓ نے قطع ید کی سزا ملتوی کر دی تو ان کا یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف کیسے ٹھہر گیا یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبیین و تخصیص کے عین مطابق تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کی وضاحت کے لئے ان کے ایک دوسرے فیصلہ پر بھی نظر ڈال لینی چاہئے جو انہوں نے اہلِ اضطرار کے بارے میں فرمایا تھا۔

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کی ایک قیمتی اونٹنی حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے چرائی مگر وہ پکڑے گئے۔ اونٹنی کا مالک ان کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا حضرت عمر کے سامنے غلاموں نے چوری کا اقرار کرلیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مالکوں کو بلاکر واقعہ کی اطلاع دی اور کثیر بن الصلت کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کا ہاتھ کاٹ لو۔ یہ حکم دینے کے بعد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ غلاموں نے فقروفاقہ سے مجبور ہوکر یہ غلط قدم اٹھایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلاموں کے مالک کو بلایا اور ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ تم ان سے کام لیتے ہو اور ان کو اتنا فاقہ مست رکھتے ہو کہ ان میں سے کوئی حرام چیز کھائے تو اس کے لئے حلال ہوجائے۔ تو میں ان کا ہاتھ ضرور کاٹ دیتا مگر اب ان کا ہاتھ کاٹنے کے بجائے تم کو سزا دوں گا۔ چنانچہ مالک سے اونٹنی کی قیمت پوچھ کر ان سے اس کی قیمت دلوائی۔[1]

آخر میں ہم حافظ ابن قیم کا وہ تبصرہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

فان السنة اذا كانت سنة مجاعة	قحط کے زمانے میں فقروفاقہ کی شدت عام
وشدة غلب على الناس الحاجة	آدمیوں کو اتنا مجبور اور ضرورت مند بنا دیتی ہے
والضرورة فلا يكاد يسلم السارق	کہ چور کے لئے بھی یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ سدِ رمق

---

[1] اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۲

من ضرورة قد عوها يسد به رمقه — کے لئے چوری سے محفوظ رہ سکے۔

پھر ایک طویل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

هو مأذون له في مقابلة صاحب المال على اخذ ماله يسد رمقه وعلم المجاعة يكثر فيه المحاويج والمضطرون ولا يتميز المستغني منهم والسارق لغير حاجة فاشتبه من يجب عليه الحد و من لا يجب عليه فدرئ نعم اذا بان ان السارق لا حاجة به وهو المستغني عن السرقة قطع ؎۲

چور کو یہ ڈھیل صرف ان دولت مندوں کے مقابلہ میں دی گئی ہے کہ ان کا مال وہ اس طرح لے کر اپنے جسم و جان کے رشتہ کو قائم رکھ سکیں (اور پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ) قحط کے زمانے میں ضرورت مندوں، بھوکوں اور مضطروں کی کثرت ہوتی ہے اور اس زمانہ میں یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہوتا ہے کہ کون مستغنی ہے اور ضرورت کے بغیر اس نے چوری کی ہے اس اشتباہ کی وجہ سے درگزر کیا گیا، البتہ جب واضح ہو جائے کہ چوری کرنے والے کو واقعی اس غلط اقدام کی کوئی ضرورت نہیں تھی تو اس کا ہاتھ ضرور کاٹ دیا جائے گا

ان تفصیلات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سزا کے التوا کا حکم اس لئے دیا کہ قحط کی حالت ایک اضطرار کی حالت ہوتی ہے جس میں آدمی سد رمق کے لئے حرام کھانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لئے قرآن کی

؎۱ اشارہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف جس میں آپ نے فرمایا کہ شبہ کی حالت میں حد کے اجراء سے باز رہو، ادرؤا الحدود بالشبهات موجودہ دور میں قانونِ فوجداری میں یہ دفعہ بنیادی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ شبہ کا فائدہ مجرم کو دیا جائے۔

؎۲ اعلام الموقعین ج ۳، ص ۲۳

رخصت کے مطابق اہلِ اضطرار سے درگزر کرنا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اس رخصت اور درگزر کے ساتھ اجرائے حد کا کوئی موقع نہیں رہ جاتا۔

(۲) سزا کے التوا کا عام حکم اس لیئے دیا گیا کہ اس وبائے عام کے وقت اہلِ حاجت اور غیر اہل حاجت یا مضطر یا غیر مضطر میں فرق کرنے کا نہ تو موقع ہی تھا اور نہ ہی یہ ممکن تھا۔ اس لئے اس اشتباہ کی حالت میں ارشادِ نبوی ادرؤا الحدود بالشبہات کے تحت عام درگزری سے کام لینا ضروری تھا۔

(۳) اگر کسی کے بارے میں متعین طور پر یہ معلوم ہو جاتا کہ اس نے بغیر کسی ضرورتِ شدیدہ کے چوری کی ہے تو اس کا ہاتھ قطعی کاٹ دیا جاتا۔

(۴) سزا کا التوا صرف زمانۂ قحط تک تھا۔ اس کے بعد پھر اسی طرح عمل درآمد کیا گیا جس طرح اس سے پہلے ہوتا تھا۔

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کتاب و سنت کے خلاف تھا، یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے کسی منصوص حکم میں تبدیلی کی۔

بقیہ الرشاد کی ڈاک

مناسبت سے اگر آپ ایک پیام بھیج دیں تو اس سے "نذرِ احتشام" کی قدر و قیمت میں گرانقدر اضافہ ہو سکے گا۔

امید ہے کہ چند سطریں لکھ کر آپ ہماری ہمت افزائی کریں گے جواب کے لئے آپ کی خدمت میں ایک لفافہ بھی روانہ کیا جا رہا ہے۔ والسلام

نیاز مند ڈاکٹر صفیہ بی اے ایم اے پی ایچ ڈی
شری کرشنا یونیورسٹی آف سنسکرت ریجنل سنٹر ندوا تھور۔ کونڈی
کالی کٹ ۶۷۳۳۲۰

مجیب اللہ انور ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

محترم بزرگو اور دوستو! ——— ایس آئی ایم کے ہمارے عزیز نوجوان جب بھی کسی پرعزیمت عنوان کے تحت اپنی کوئی کانفرنس یا اجتماع کرتے ہیں تو ۸۲ برس کے اس کمزور اور نحیف بوڑھے کو بھی یاد کر لیتے ہیں اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے ان کا پورا ساتھ دینے کے قابل تو نہیں ہوں مگر ان کی دعوت کو عموماً رد نہیں کرتا تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور ممکن ہے کہ میری باتوں سے ان کو کچھ مزید عزم و حوصلہ مل جائے اور میں بھی ان کی پرعزیمت دینی جدوجہد کے اجر و ثواب سے کچھ حصہ پا سکوں، ان نوجوانوں سے انس و محبت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بحمد اللہ یہ نوجوان حالی کے فلسفہ "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" کے قائل نہیں ہیں بلکہ یہ اقبال کے اس فلسفہ پر کاربند ہیں "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز"

ان عزیزوں نے افتتاحی خطبہ کے لئے جو عنوان دیا ہے ہندوستان کے موجودہ حالات کے لحاظ سے اس پر کچھ لکھنا یا بولنا بڑا نازک کام ہے بلکہ اس پر کچھ بولنا یا لکھنا ایک آزمائش ہے مگر پھر بھی جو کچھ بن سکا ہے وہ حاضرین اور ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

محترم بزرگو اور نوجوان عزیزو!

قرآن پاک میں حزب اللہ کے غلبہ کی بات صراحۃً دو جگہ دہرائی گئی ہے ایک سورہ مجادلہ میں دوسرے سورۂ مائدہ میں اور دونوں سورتوں میں حزب اللہ کی پہچان بھی بتائی گئی ہے۔ اسی طرح حزب الشیطان کا بھی کہیں صریح الفاظ میں ذکر ہے اور کہیں ان کی صفات کا ذکر کرکے ان کی پہچان

بتائی ہے جہاں حزب اللہ کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے بڑے تاکیدی انداز میں حزب اللہ کے غلبہ کا اعلان فرمایا ہے اور جہاں حزب الشیطان کا ذکر ہے وہاں اس کے نام کا اور خاسر ہونے کا ذکر ہے قرآن پاک میں دو جگہ یہی مفہوم اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ تم ہی بلند رہو گے اگر تم مومن بنے رہے کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ جہاں جہاں اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ کے ساتھ غلبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ایک جگہ یہ شرط لگائی ہے کہ وَلَا تَہِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غمگین ہو۔ دوسری جگہ بھی اسی طرح کے الفاظ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ وَلَا تَہِنُوۡا وَتَدۡعُوۡۤا اِلَی السَّلۡمِ وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ وَاللّٰہُ مَعَکُمۡ

بزرگو اور دوستو!

یہاں ایک سوال ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے غلبے اور ان کے بلند ہونے (سپریم) ہونے کی نہ صرف بات فرمائی ہے بلکہ اس کا اعلان فرمایا ہے۔ فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ اچھی طرح یقین کر لو کہ حزب اللہ ہی غالب رہیں گے اور وہی کامیاب ہوں گے اور حزب الشیطان ناکام رہیں گے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے مگر اس وقت دنیا میں ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہم جہاں اقتدار میں ہیں وہاں بھی سیاسی، اقتصادی، اور تہذیبی لحاظ سے مغلوب ہیں اور جہاں اقتدار سے محروم ہیں وہاں تو مغلوب ہیں ہی آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ مومن ہوتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کے وعدے کو غلط کہہ نہیں سکتے پھر اس صورت حال کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری کچھ خارجی اور داخلی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہم کو غالب ہونے کے بجائے مغلوب بنائے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ حزب الشیطان غالب دکھائی دیتے ہیں اس وقت تقریباً ۵۲ چھوٹی بڑی مسلم حکومتیں کرۂ ارض پر موجود ہیں مگر ان کا اتنا وزن بھی محسوس نہیں کیا جاتا جتنا کہ چھوٹی سی اسرائیلی حکومت کا محسوس کیا جاتا ہے آج وہ پوری دنیا کو کسی نہ کسی حیثیت سے مغلوب کئے ہوئے ہے آج دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اس سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے بے قرار ہے اور اس پر اس کو فخر ہے مگر طالبان کی حکومت کو کوئی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے جو افغانستان جیسے بڑے ملک کے بڑے رقبہ یعنی اسکے ۹۵ فیصد حصہ پر ۵ برس سے

کامیابی سے حکومت کر رہے ہیں۔

حزب اللہ کے غلبہ کے لئے جو صفات درکار ہیں پہلے ان آیات قرآنی پر ہم ایک نظر ڈال لیں اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے غلبہ کا یہ وعدہ کیوں نہیں پورا ہو رہا ہے۔ سورۃ مائدہ میں ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ○ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ

بیشک تمہارا دوست تو اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے تابعدار ہیں جو اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست بنائیں گے وہی حزب اللہ ہیں اور بیشک حزب اللہ ہی غالب ہو کر رہیں گے۔

سورہ مجادلہ میں ایک دوسرے انداز سے یہی بات دہرائی گئی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ان کو آپ ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں چاہے وہ انکے باپ یا بیٹا یا بھائی یا خاندان والے کیوں نہ ہوں یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان جما دیا ہے اور ان کی مدد کی ہے۔ اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں یہی اللہ کے گروہ کے لوگ ہیں اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

سورہ آل عمران اور سورہ محمد میں ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران)

تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن ہو۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (سورہ محمد)

تم کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ اپنی طرف سے صلح کی پیشکش کرو تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اوپر جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں پہلی آیت کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنین سے دوستی رکھتا ہے وہی حزب اللہ ہے اور سن لو حزب اللہ ہی غالب ہونے والا ہے۔

اس آیت سے چند آیت پہلے یہ کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو تم اپنا دوست نہ بناؤ وَلَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ سورۂ آل عمران میں یہی بات دوسرے انداز میں کہی گئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (آل عمران)

اے مسلمانو! اپنے بھائی مسلمانوں کے علاوہ ایسے لوگوں کو راز دار نہ بناؤ جو تم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں (اگرچہ وہ خوشی کو ظاہر نہ کریں) مگر جو ان کے دلوں میں ہے وہ ان کی زبان پر آ ہی جاتی ہے۔

یہ آیتیں اس وقت اتریں جب مسلمان ہر طرف دشمنوں کے گھیرے میں تھے ایک طرف مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف یہودی قبیلوں کی سازشیں چل رہی تھیں دوسری طرف قریش کے لوگ مسلمان کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے اور پورے جزیرۂ عرب کو ان کی دشمنی پر ابھار رکھا تھا تیسری طرف منافقین کا ایک گروہ مار آستین بن کر مصیبت بنا ہوا تھا اس لئے ایسے حالات میں مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے تم کو دوست و دشمن پہچاننا چاہئے بسا اوقات ذرا سی بے احتیاطی اور اپنے

اندرونی راز کے افشار کی وجہ سے پوری ملت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلام مستقل طور پر غیر مسلموں سے تعلقات رکھنے کو منع کرتا ہے بلکہ جب جنگ جیسے حالات پیدا ہو جائیں تو اس وقت مسلمانوں کو دشمنوں سے راز دارانہ دوستی سے منع کیا جائے گا ورنہ پرامن حالات میں ان کو دنیا کی قوموں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے اسے دوسری جگہ قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

(الممتحنہ)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور اچھا سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے لڑے نہیں اور تم کو گھروں سے نکالا نہیں اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وہ تو دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کی تعلیم دیتا ہے دوسری جگہ ہے۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

(مائدہ)

تم کو کسی قوم کی دشمنی اس پر نہ ابھارے کہ تم ان کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لو۔ عدل و انصاف ہی میں احتیاط ہے۔

گویا حزب اللہ کی پہچان یہ ہے کہ جب ایسے سنگین حالات پیدا ہو جائیں جو نزول قرآن کے وقت تھے تو ایسے وقت میں ان لوگوں کو دوست نہ بنانا چاہئے۔ جو تمہارے وجود تمہاری تہذیب اور تمہارے دین کو مٹانے میں لگے ہیں ان کے بجائے ان اہل ایمان سے دوستی رکھنا چاہئے جو نماز کے عادی ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور پھر پورے طور پر اللہ کے تابعدار بنے ہوئے ہیں دکھاوے کے لئے نہیں یہی لوگ حزب اللہ ہیں۔

نزول قرآن کے وقت دشمنوں اور دوستوں اور منافقین کی پہچان آسان تھی دوست اور دشمن سب الگ الگ تھے مگر اس وقت جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں ان سب کی عداوت و دشمنی اور دوستی سب منافقانہ ہوتی ہے اس لئے مسلمان ان سے برابر دھوکہ کھا رہے ہیں اور اس وقت بھی کھا رہے ہیں وہ دوست و دشمن میں تمیز نہیں کر پاتے ہیں اس سے پوری ملت کو نقصان پہنچتا ہے گویا حزب اللہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی دوست

نما دشمن سے واقف رہیں اور عام مسلمانوں کو بھی دوست نما منافقین سے آگاہ کرتے رہیں۔

دوسری آیت میں ایک دوسرے انداز سے یہی بات کہی گئی ہے پوری آیت اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تمام مفسرین لکھتے کہ یہ آیتیں ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کے رشتہ کے مقابلہ میں سارے رشتوں کو پس پشت ڈال دیا تھا مثلاً حضرت ابو بکر اپنے بیٹے عبد الرحمٰن کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے حضرت مصعب بن عمیر اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اور حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو جنگ میں قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے صاحبزادے عبد اللہ اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگی مگر آپ نے منع فرما دیا۔ اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر سعد بن خیثمہ کے والد خیثمہ نے سعد سے کہا کہ تم گھر کی دیکھ بھال کرو مجھے جہاد میں جانے دو بیٹے نے کہا والد محترم لو کان امر غیر الجنۃ لاثرتك بہ اگر جنت کے علاوہ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا میں آپ کو ضرور ترجیح دیتا ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاد میں شرکت کر کے جنت میں جانے کا موقع ملا ہے اس لئے میں اس میں ترجیح نہیں دے سکتا۔

تیسری چوتھی آیت میں بھی مسلمانوں کے غلبہ اور ان کے بلند ہونے کی بات کہی گئی ہے مگر دو تین شرطوں کے ساتھ یہ غلبہ مشروط ہے ایک یہ کہ حالات کتنے ہی سنگین ہوں ہمت ہارنی نہیں چاہئے اور مایوس نہ ہونا چاہئے اپنی طرف سے سپر ڈال کر صلح کی پیش کش نہ کرنی چاہئے ورنہ دشمن اسے کمزوری پر محمول کریں گے اور ان کی ہمت اور بلند ہو گی۔

حزب اللہ کے ذکر سے پہلے تقریباً سات آیتوں میں حزب الشیطان کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے اور ان کی خصوصیات یہ ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ	آپ نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے طرز عمل پر جو ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جن سے اللہ ناراض ہے نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ انکے

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝
اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ
ذِکْرَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ
اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ
اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ

(سورۃ المجادلہ)

ساتھ ہیں اللہ کا نام لے کر وہ جانتے ہوئے جھوٹی
قسم کھاتے ہیں انھوں نے اپنی قسم کو اپنے عیب کو اپنا
چھپانے اور اللہ کے راستہ سے روکنے کا ذریعہ بنایا
ہے ان کے لئے دردناک عذاب ہے ان پر شیطان
نے اپنا پورا تسلط جما رکھا ہے تو اللہ کی یاد سے
ان کو بالکل غافل کر دیا ہے یہ شیطان کے گروہ
کے لوگ ہیں اور شیطان کا گروہ ناکام ہونے
والا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے
حقیقتاً دشمنی رکھتے ہیں وہ ذلیل ہونے والے ہیں۔

اصلاً ان آیتوں میں ان منافقین کے کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے جو نہ دل سے مسلمانوں کے ساتھ تھے اور نہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ تھے ایسے لوگ بسا اوقات کھلے ہوئے دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اس لئے حق و باطل کی کشمکش کے وقت ایسے لوگوں سے اور زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی روشنی میں موجودہ دور کے سیاسی دوستوں اور ان کے وعدوں اور معاہدوں کو بھی دیکھنا چاہئے جو سراسر نفاق پر مبنی ہوتے ہیں جس طرح منافقین اپنی قسم اور حلف کو ڈھال بنائے ہوئے تھے بالکل اسی طرح طاقتور حکومتیں اپنی سیاسی دوستی اور معاہدوں کو کمزوروں کے مقابلہ میں ڈھال بنائے ہوئے ہیں ان کی دوستی اور ان کے معاہدے خواہ سیاسی ہوں یا اقتصادی یا تعلیمی و تہذیبی وہ عملی طور پر کم از کم ذہنی و فکری غلامی کا پیش خیمہ ضرور ہوتے ہیں کمزور قوم یا ملک کسی بڑی طاقت سے دوستی کا معاہدہ تو کر لیتا ہے مگر زبان حال سے اسے اسمٰعیل میرٹھی کا یہ شعر پڑھنا پڑتا ہے

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر — تو ہے خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

اوپر حزب اللہ کی پہچان کے سلسلے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق زیادہ تر انکی ذہنی اور فکری تربیت سے ہے یعنی ان کے ذہن و فکر میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جانے کہ دین پر کام کرنے والوں کی دوستی اور محبت کا معیار کیا ہونا چاہئے اور عملاً ان کو کیا کرنا چاہئے اس کی تفصیل

قرآن پاک کی دوسری آیتوں میں ملے گی۔

بزرگو اور میرے نوجوان عزیزو!

آپ لوگ ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ اس دنیا میں ہمیشہ سے دو نظام برابر موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ ایک نظام توحید دوسرا نظام شرک، نظام توحید کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول سے ملتا ہے اور نظام شرک کی باگ ڈور شیاطین من الجن والانس کے ہاتھ میں رہی ہے اور اس وقت بھی ہے نظام شرک ابتدا سے نظام توحید سے ٹکراتا رہا ہے اس لئے نظام توحید کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ انبیاء کرام کو بھیج کر نظام شرک کی خرابیوں، ریشہ دوانیوں اور اس کے برے نتائج سے آگاہ کرتا رہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہی صورت آج بھی دنیا میں باقی ہے اس وقت جو کشمکش ہے وہ نظام توحید اور نظام شرک کی ہے اوپر یہ آیت نقل کی گئی ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

تم کمزوری کا اظہار نہ کرو اور کشمکش کے وقت خود صلح کی پیش کش نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم واقعی مومن ہو۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نظام توحید کے ماننے والوں کو یہ نہ چاہئے کہ کسی کشمکش کے موقع پر کمزوری کا اظہار کریں اور ہمت ہار کر صلح کا ہاتھ شرک کی طرف بڑھائیں ایسا کرنا ان کی کمزوری کی علامت ہے، اس لئے منع کیا گیا ہے، ہاں نظام شرک کے ماننے والوں کی طرف سے صلح و مصالحت کی پیش کش ہو تو پھر اس کی طرف اپنا ہاتھ ضرور بڑھانا چاہئے ان کی طرف سے صلح کی پیش کش اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے نظام توحید کی برتری تسلیم کر لی۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ

صلح حدیبیہ جو بظاہر نظام توحید کی شکست کے مرادف تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین اسی لئے قرار دیا کہ نظام شرک سے نظام توحید کی ۱۹ سالہ کشمکش کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو برابر کی حیثیت دی بلکہ ان کی برتری تسلیم کر لی، موجودہ زمانہ کی زبان

میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ گویا وہ ایک میز پر بیٹھنے کے لئے تیار ہو گئے اس سے پہلے وہ مسلمانوں کو برابر کی حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

غرض یہ کہ نظام توحید کے ماننے والوں یا دوسرے الفاظ میں حزب اللہ کو کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیئے جس سے نظام توحید کی کمزوری ظاہر ہوتی ہو بلکہ ان کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے کو ہمیشہ "رباط دائم" میں سمجھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے۔ "انتم فی رباط دائم" تم ہمیشہ حالت جنگ کی تیاری میں اپنے کو سمجھو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بڑے تاکیدی انداز میں فرمایا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ

(التوبہ)

اور اپنی طاقت بھر تیاری رکھو ہر طرح کی قوت (افراد کی بھی اور اسلحہ کی بھی) اور پلے ہوئے جنگی گھوڑے تاکہ تم اپنے اور اللہ کے موجود دشمنوں کو مرعوب اور خوف زدہ کر سکو اور ان دشمنوں کو بھی جن کو تم ابھی نہیں جانتے اللہ انھیں جانتا ہے۔

اس آیت میں قوت کا لفظ نکرہ استعمال ہوا ہے عربی قاعدے کے مطابق جس میں ہر طرح کی مادی اور غیر مادی قوت شامل ہے نزول قرآن کے وقت پلے ہوئے گھوڑوں کی جنگ میں سب سے زیادہ اہمیت تھی موجودہ دور میں جنگی جہازوں اور میزائیلوں کی جو اہمیت ہے وہ سب اس سے مراد ہیں گویا غلبہ اور دنیا میں سب سے اعلیٰ مقام ملنے کے لئے یہ دائمی تیاری ضروری ہے تاکہ نظام توحید کا رعب نظام شرک پر طاری رہے۔

سو ڈیڑھ سو برس پہلے کسی ملک یا قوم کے مغلوب ہونے کی ایک ہی صورت تھی وہ یہ کہ ایک ملک دوسرے ملک پر یا ایک قوم دوسری قوم پر فوجی حملہ کر کے اس پر تسلط حاصل کر لے مگر موجودہ دور میں غالب و مغلوب ہونے کا معیار بدل گیا ہے اور اس میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے اب فوجی حملوں کے ذریعہ غلبہ حاصل کرنے کی صورت تو کم ہوتی ہے لیکن اس وقت مغرب کی جانب سے تعلیمی، تہذیبی، اقتصادی اور زبان و ادب کے ذریعہ جو یلغار کی جارہی ہے وہ فوجی

حملہ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

سو برس کے اندر ان ذرائع سے پوری دنیا کو اور خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کو جتنا فکری و تہذیبی نقصان پہنچا ہے وہ بڑے سے بڑے فوجی حملے سے نقصان نہیں پہنچا ہے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ پورے پورے مسلمان ملک کو انہیں غیر مادی ذرائع کے ذریعہ مغربی طاقتوں نے نہ صرف اسلام سے دور بلکہ بیزار بنا دیا ہے وہ اجتماعی احساس رکھنے والے اہل دین کے وہ اتنے ہی دشمن بنے ہوئے ہیں جتنے غیر مسلم ممالک ہیں آج حسنی مبارک اور ان کا ٹولہ سوڈان اور اخوان المسلمین کا اتنا ہی دشمن بنا ہوا ہے جتنا برطانیہ اور امریکہ ہے آج الجزائر میں حزب اسلامی کی جمہوری حکومت کو ختم کر کے ان پر فوجی ٹولہ اسی طرح اسلام پسندوں پر ظلم ڈھا رہا ہے جتنا کوئی دشمن ملک ظلم کرتا ہے ترکی کی عثمانیہ حکومت جس سے پورا یورپ خوف زدہ رہتا تھا اس ترکی کو مصطفےٰ کمال نے ایسی لادینی سیاسی ڈگر پر ڈال دیا ہے کہ وہاں زلزلہ کے موقع پر اسلام پسندوں کو راحت کے کام سے بھی روک دیا گیا اس بڑے زلزلے سے کچھ عبرت حاصل کرنے کے بجائے وہاں کی فوج کے ذمہ دار فخریہ بیان دے رہے ہیں کہ ہم سو برس تک سیکولرزم کا راستہ نہیں چھوڑیں گے۔ پہلے بھی اور آج بھی فوجی حملے ملک کے کسی ایک حصہ پر ہوا کرتے تھے یا ہوا کرتے ہیں مگر مذکورہ بالا خاموش ذرائع سے ملک کا ہر گوشہ متاثر ہوتا ہے اور ہر فرد اس کا شکار ہوتا ہے۔

اس وقت کے حالات نفیر عام کے حیثیت رکھتے ہیں جس میں ہر ہر فرد کو اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق موقع و محل کے لحاظ سے شر و فساد کے اس سیلاب کے مقابلہ کے لئے دوڑ پڑنا چاہئے بغرض یہ کہ فوجی حملہ سے ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ آدمی ہلاک اور زخمی ہوتے ہیں اور دس بیس بستیاں اور شہر برباد ہوتے ہیں مگر اس غیر مادی یلغار سے پورے پورے ملک اور پوری پوری نسل اپنی تہذیبی قدروں سے اس طرح محروم ہو جاتی ہے اور اپنے دل و دماغ سے ایسی بدل جاتی ہے کہ اس کی صورت پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔

مغرب اپنے تعلیمی اور تہذیبی غلبہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اب اس نے ایک اقتصادی یلغار ایشیا اور افریقہ کے ملکوں پر جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے کر رکھی ہے جس سے کتنے ترقی یافتہ ملک کو ترقی پذیر ممالک کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے یورپ نے تو اپنا نیا سکہ پورا جاری کر کے

کچھ تحفظ کر لیا ہے مگر ایشیا اور افریقہ کے ممالک اقتصادی زوال سے دوچار ہیں۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر ابھی حزب اللہ کے صفات پورے طور پر پیدا نہیں ہو سکے ہیں ورنہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ کا ظہور ضرور ہوتا۔ مگر بحمد اللہ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ دنیا کے مختلف حصہ میں نظام توحید کے ماننے والوں کی طرف سے حزب اللہ بننے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں اس سے نظام شرک لرزہ براندام ضرور ہو گیا ہے مگر ابھی غلبہ کی پوزیشن اسے حاصل نہیں ہو سکی ہے لیکن ان مجموعی کوششوں کے نتیجہ میں اللہ کی نصرت غیبی سے بعید نہیں ہے وہ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً کا منظر ہماری آنکھوں کو دکھادے۔ نزول قرآن کے وقت بھی حالات ایسے ہی سنگین تھے جس میں عددی قلت کے باوجود حزب اللہ کے غلبہ کا ظہور ہوا تھا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ حالات چاہے کتنے ہی سنگین ہوں نظام توحید کے ماننے والوں کو اپنی کوشش جاری رکھنی چاہئے ہمارے اختیار میں اللہ تعالیٰ نے کوشش دی ہے کوشش کا نتیجہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، اس لئے ہم پر امید ہیں کہ وہ اس کا مثبت نتیجہ جلد یا بدیر ضرور ظاہر ہو کر رہے گا

میرے دوستو اور عزیزو!

اللہ کی قدرت بہت وسیع ہے وہ ابابیلوں سے ابرہہ کے لشکروں کو شکست دے سکتا ہے وہ فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو بحر قلزم میں غرق کر سکتا ہے اور حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اسی جگہ سے سلامت پار کر سکتا ہے اور اپنے زمانہ کی سب سے بڑی طاقت ایران و روم کو نہتے صحابہ کرام کے ذریعہ پاش پاش کر سکتا ہے، ابھی پچاس برس پہلے کی بات ہے کہ برطانیہ جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا وہ ایک جزیرہ میں سمٹ کر رہ گئی اور روس جو دنیا کی دوسری بڑی طاقت بنا ہوا تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے بکھرتا جا رہا ہے تو اس ذات پاک سے بعید نہیں ہے کہ وہ نظام شرک کے سب سے بڑے ہبل امریکہ کو بھی کسی دن زمین بوس کر دے۔ وَلِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اسلام کا دیوان المظالم

اس عالم اسباب میں ظلم کی تاریخ اتنی قدیم ہے جتنی عالم انسانیت کی۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے اس کائنات ارضی میں ظلم کی ابتداء کی۔ اس کے بعد دنیا میں بڑے بڑے ظالم پیدا ہوئے جن کی ظالمانہ داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں ظالموں کے ظلم کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

جس طرح ابتدائے انسانیت سے ظلم کا سلسلہ شروع ہے اسی طرح ظالموں کو ظلم کی سزا دینے اور مظلوموں کی دادرسی کرنے والے بھی اس دنیا میں موجود ہے اور موجود رہیں گے۔

ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دینا اور مظلوم پر کئے گئے ظلم کی دادرسی کرنا اسلام کے دیوان المظالم کی بنیاد ہے۔

تاریخ اسلام میں اگرچہ دیوان المظالم کا عملی طور پر آغاز عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو چکا تھا لیکن اس نظام کو مکمل دیوان کی حیثیت خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دی گئی۔ اس کے بعد یہ دیوان مغلیہ عہد تک ہر اسلامی حکومت میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا لیکن اس کے باوجود اس دیوان کی تدوین و تحقیق پر باقاعدہ کوئی تحریری کام نہیں ہوا۔ البتہ جزوی طور پر دیوان المظالم کا ذکر ماوردی (م ۴۵۰ھ) اور ابو یعلیٰ (م ۴۵۸ھ) کی الاحکام السلطانیہ، شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب نویری (م ۷۳۲ھ) کی نہایۃ الارب، ابوالعباس احمد بن علی قلقشندی (م ۸۲۱ھ) کی صبح الاعشیٰ اور ابوالعباس احمد بن علی مقریزی (م ۸۴۵ھ) کی الخطط المقریزیہ میں ملتا ہے۔ انہی بنیادی ماخذ سے اس مقالے میں اسلام کے دیوانِ المظالم کا تفصیلی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

دیوان المظالم کے اس تصور کی بنیاد پر آج دنیا کے بیشتر ممالک میں اومبڈسمین

(Ombuds Man) کے نام سے پاکستان میں وفاقی محتسب کے نام پر ۱۹۸۳ء سے ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اس لیے آخر میں اسلام کے دیوان المظالم اور ادارہ احتساب پاکستان کا اختصار سے تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل اول ۔ ناظر المظالم کی صفات و شرائط اور لوازمات

اسلامی حکومت کا وہ ادارہ جو ظالم کو اس کے ظلم کی سزا اور مظلوم کو اس کا حق دلائے اسلام کا دیوان المظالم کہلاتا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ کو ناظر المظالم کہتے ہیں۔(۱) جرجی زیدان نے اس ادارے کو "عدالت مرافعہ" یعنی اپیل کی عدالت بھی قرار دیا ہے۔(۲) چونکہ دیوان المظالم ایک نیم عدالتی اور نیم پولیس کا ادارہ تھا۔ اس لئے ناظر المظالم کیلئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس میں کسی نہ کسی حد تک وہ صفات موجود ہوں جو ایک قاضی، ایک اعلیٰ انتظامی عہدہ دار اور ایک ذمہ دار پولیس افسر میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس کا بنیادی فرض یہ تھا کہ ظالم اور مظلوم کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرائے ان میں اگر کوئی انکار کرے تو اسے ڈرا دھمکا کر عدالت میں پیش کرے۔

ناظر المظالم کی اس اہمیت کے پیش نظر علماء اسلام نے اس کے لئے چند صفات و شرائط تجویز کی ہیں ان میں سے بعض ضروری شرائط کی حیثیت رکھتی ہیں جن کو ناظر المظالم کیلئے قانونی صفات و شرائط کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے بغیر ناظر المظالم کا تقرر درست نہیں ہوتا۔

ماوردی (م ۴۵۰ھ) نے ناظر المظالم کی صفات و شرائط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: " فکان من شروط الناظر فیہا ان یکون جلیل القدر، نافذ الامر عظیم الھیبۃ ظاہر العفۃ، قلیل الطمع وکثیر الورع" (۳)
یعنی ناظر المظالم کو عالی شان، امر کو نافذ کرنے والا بارعب باعفت بے طمع اور متقی ہونا چاہیئے۔

ان شرائط کے علاوہ ناظر المظالم کو پولیس کے دبدبے اور قاضیوں کے

وقار کی ضرورت ہے تاکہ اسے اپنے احکام نافذ کرنے کی قدرت ہو۔

یہ صفات و شرائط اس شخص میں پائی جانی ضروری ہیں جسے مستقل طور پر ناظر المظالم متعین کرنا ہو۔ اگر خلیفہ یا سربراہ مملکت کسی وزیر (۴) یا امیر کو یہ فرض سونپ دے کہ وہ عام اختیارات کے ساتھ ساتھ مظالم کی سماعت بھی کرے تو ایسے شخص کیلئے ان مذکورہ صفات و شرائط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔ اس طرح اگر ناظر المظالم کے اختیارات محدود کر دیے جائیں مثلاً یہ کہ۔

ناظر المظالم صرف انہی مقدمات کی سماعت کرے جن کا قاضی فیصلہ نہ کر سکیں یا قاضیوں کی قدرت سے خارج ہوں تو بھی مذکورہ صفات و شرائط میں کمی کی جا سکتی ہے لیکن پھر بھی اسے ان صفات کا حامل ہونا ضروری ہوگا۔

۱۔ ناظر المظالم میں حق کے مقابلے میں بلا خوف درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہو۔

۲۔ حرص سے پاک ہو۔

۳۔ رشوت لینے والا نہ ہو۔

لوازمات دیوان المظالم

ناظر المظالم کی عدالت میں ان افراد کا ہونا لازمی ہے۔ (۱) الحماۃ والاعوان (مسلح پولیس اور معاونین) ان سے مراد وہ پولیس اور اہل کار ہیں جو طاقتور اور قوی مجرم کو ناظر المظالم کی عدالت میں پیش کر سکیں۔

(ii) القضاۃ والحکام (قاضی اور حکام) قاضی اور حکام کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے ثابت شدہ حقوق اور فریقین مقدمہ کا جو واقعات ان کی عدالتوں میں پیش ہو چکے ہیں معلوم ہو سکیں۔

(iii) الفقہاء (فقیہہ) مشکل اور مشتبہ مسائل میں استفسار کے لئے فقہاء کا ہونا ضروری ہے۔

(iv) الکتاب (ریڈرز محررین) یہ فریقین کے بیانات اور ان کے موافق یا مخالف فیصلے تحریر کرتے ہیں۔

(۷) الشہود (گواہ) یہ حقوق واجبہ اور فیصلے کے گواہ بنائے جاتے ہیں۔

ان لوگوں کے علاوہ مختلف ادوار میں مزید لوگ بھی دیوان المظالم کے اجلاس میں شریک ہوتے رہے جیسے

فاطمین مصر کے دور میں وزیر المظالم، قاضی القضاۃ، صاحب دیوان المال اور سپہ سالار فوج بھی موجود ہوتے تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنے عہد میں مذاہب اربعہ کے قاضی القضاۃ، وکیل بیت المال، ناظر فی الحسبہ اور ارباب القلم والسیف کے وزراء کو بھی اس مجلس میں موجود رہنے کا حکم دیا تھا۔

بہر حال سربراہ مملکت اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق اس مجلس سے متعلق افراد میں کمی و بیشی کرسکتا ہے۔

ناظر المظالم کون متعین کرتا ہے

خلافت راشدہ سے عہد مغلیہ تک ناظر المظالم کے فرائض اکثر و بیشتر سربراہ مملکت خود ادا کرتے تھے البتہ اگر خلیفہ یا سلطان کسی مصروفیت یا مصلحت کی بناء پر خود اس فرض کو ادا نہ کرتے تو پھر یہ فرض کسی اور کو سونپ دیتے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے سب سے پہلے اس مقصد کیلئے حضرت محمد بن مسلمہ علیہ السّلام کو مقرر کیا (۹) اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان مظالم سے متعلق تصفیہ طلب مقدمات قاضی ابوادریس الازدی کے سپرد کر دیتا تھا۔ (۱۰) جعفر بن یحیٰ کو عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ناظر المظالم متعین کیا (۱۱) خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں احمد بن مسلم صاحب المظالم کا ذکر کیا ہے۔ (۱۲) سلاطین دہلی کے پہلے حکمران التمش (م ۱۲۰۶ء) نے ضیاء الدین محمد کو علاؤ الدین خلجی (م ۱۲۹۵ء) نے ملک فخر الدین کو اور سکندر لودھی (م ۱۴۸۸ء) نے میاں (۱۵) بھوا کو امیر داد (ناظر المظالم) مقرر کیا۔ چونکہ ناظر المظالم کا شمار عمائدین سلطنت میں ہوتا تھا لہٰذا سربراہ مملکت ہی اس کا تقرر کرتے۔

قاضی المظالم

اموی دور سے لے کر مغلیہ دور تک مسلمانوں میں شہنشاہیت قائم رہی۔ اس عرصہ میں جتنی بھی حکومتیں معرض وجود میں آئیں ان میں بالعموم وفاقی طرز حکومت اپنایا گیا۔ یعنی یہ حکومتیں متعدد صوبوں پر مشتمل ہوتیں اور بعض علاقے مرکز کے تحت قائم کرتے۔ مرکز میں ناظر المظالم مقرر کیا جاتا جس کا دائرہ اختیار پوری مملکت پر محیط ہوتا۔ جب کہ صوبائی دارالحکومتوں میں گورنروں کو مظالم کی سماعت کا اختیار دیا گیا (۱۶) باقی شہروں میں مظالم سے متعلق قاضی تعینات کیے جاتے (۱۷) جنہیں اہل عرب قاضی المظالم کے نام سے موسوم کرتے۔ سلاطین دہلی قاضی المظالم کو نائب (۱۸) امیر داد اور مغل حکمران میر عدل کہتے

مقام عدالت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشمول مظالم ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ مسجد نبوی میں ہی فرمایا کرتے۔ ہدایہ میں ہے۔

"کان رسول اللہ یفصل الخصومة فی معتکفه (۲۰)

یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام اعتکاف یعنی مسجد میں ہی فیصلے فرمایا کرتے تھے۔

خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ نے بھی مظالم کی سماعت کیلئے کوئی مقام مخصوص نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب بھی اور جہاں بھی کوئی مظلوم آجاتا اس کی دادرسی اسی وقت اور اسی مقام پر کردی جاتی۔ جیسے حضرت علیؓ نے ایک بار ایک دیوار کے سائے میں مظلوم کی دادرسی کی (۲۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز نماز سے فراغت کے بعد مسجد سے باہر نکلے تو ایک شخص نے اپنی مغصوبہ زمین کے متعلق دادرسی چاہی اور آپ نے اسی وقت ریکارڈ طلب کر کے فیصلہ کر دیا۔

ہشام بن عبدالملک سے لے کر عباسی خلفاء تک ان کے علاوہ سلاطین عثمانی، سلاطین دہلی اور مغل حکمرانوں مجالس مظالم کا انعقاد شاہی محلات میں کیا کرتے تھے۔ قاضی المظالم اکثر وبیشتر اپنی عدالت مساجد میں لگاتے۔ البتہ مغلیہ دور کے قاضی المظالم کبھی کبھی فوجدار (ضلعی مجسٹریٹ) کی کچہری میں عدالت قائم کر لیتے۔

ماوردی کے نزدیک مستقل طور پر تعینات ہونے والے ناظر المظالم اور قاضی المظالم کو چاہیئے کہ وہ اپنی عدالت کے باہر کوئی ایسی رکاوٹ قائم نہ کرے جو لوگوں کیلئے دشواری کا باعث ہو جب کہ جزوی طور پر مقرر ہونے والے ناظر المظالم اور قاضی المظالم کو چاہیئے کہ وہ مظالم کی سماعت کیلئے کوئی دن مخصوص کرے تاکہ اس روز عوام خود حاضر ہو اپنے مقدمات پیش کریں اور باقی ایام میں اپنے اصل فرائض ادا کرے۔

فصل دوم | فرائض و دائرہ کار ناظر المظالم

ماوردی (م ۴۵۰ھ) نے الاحکام السلطانیہ میں حکام (سرکاری ملازمین) کے مظالم کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ ناظر المظالم بشمول ان مظالم کے جن مقدمات کی سماعت کر سکتا ہے وہ یہ ہیں۔

ا۔ جور العمال فیما یجبونہ من الاموال (تحصیل داروں کا محاصل کی وصولی میں زیادتی کرنا)

ناظر المظالم کا فرض ہے کہ اگر تحصیل دار قوانین کے مطابق محاصل وصول نہیں کرتے یعنی زیادتی کرتے ہیں تو زیادہ وصول شدہ رقم اگر سرکاری خزانے (بیت المال) میں جمع کرا دی گئی ہے تو بھی ان کے خلاف کاروائی کرے اگر خود رکھ لی ہے تو اس رقم کو اصل مالکوں کے حوالے کر کے اس کے خلاف کاروائی کرے۔

عصر حاضر میں تحصیلداروں کے علاوہ ہر وہ سرکاری یا نیم سرکاری ملازم اس میں شامل ہو سکتا ہے جس کا فرض محاصل کی وصولی سے ہو۔

کتاب الدواوین (ریکارڈ کیپر) | سرکاری رجسٹروں میں داخل و خارج کرنے

والے منشی جسے دور حاضر میں ریکارڈ کیپر کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ چونکہ رعایا کی جائداد کے امیں ہوتے ہیں اس لئے ان کی کاروائی پر کڑی نظر رکھنا ناظر المظالم کا فرض ہے۔ اگر ان میں کوئی داخل یا خارج میں کمی و بیشی کرے تو اسے درست کرنا اور ایسا کرنے والے

کو سزا دینا بھی ناظر المظالم کا فرض ہے (۲۶) جیسے تو اسے درست منصور کو جب یہ اطلاع موصول ہوئی کہ اس کے چند منشیوں نے سرکاری رجسٹروں میں تغیر و تبدیل کیا ہے تو اس نے ان کو اپنے پاس بلا کر سزا دی۔

۳۔ النظر فی تعدی الولاۃ علی الرعیۃ واخذھم بالعسف فی السیرۃ۔ (رعایا پر حکام کے ظلم و تعدی اور تشدد کے ناجائز رویہ پر کڑی نگاہ)

ناظر المظالم کو چاہیئے کہ اگر کوئی سرکاری ملازم کسی صورت میں بلا جواز عوام پر ظلم و تشدد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ناظر المظالم کو چاہیئے کہ مقدمہ رجسٹر ہونے کے بعد حالات و معاملات کی مکمل تحقیق و تفتیش کرے۔ اگر جرم ثابت ہو جائے تو اس کو اس ظلم سے روکے اور مناسب تنبیہ کرے۔

ان تینوں اقسام میں مدعی یا مستغیث کا ہونا ضروری نہیں۔ خود ناظر المظالم کو ان کی نگرانی اور اصلاح کرنی چاہیے البتہ اگر مدعی یا مستغیث ہو تو پوری تحقیق کے بعد مجرم کو قرار واقعی سزا دینی چاہیے۔

۴۔ تظلم المسترزقۃ من نقص ارزاقھم او تاخرھا عنھم تنخواہیں تقسیم کرنے والوں کا ظلم جیسے تنخواہ کم دینا یا دیر سے دینا۔

ناظر المظالم جن مقدمات کی سماعت کر سکتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ملازمین کی تنخواہیں کم دینا یا تاخیر سے دینا۔ اس مقدمہ میں ناظر المظالم کو چاہیے کہ وہ تنخواہوں کے رجسٹر کا معائنہ کرے اور دیکھے کہ اس کے مطابق جاری ہوئی ہیں یا نہیں؟

اگر کسی ادارے نے ملازم کو تنخواہ کم دی ہے یا بالکل نہیں دی تو ناظر المظالم ان سے تنخواہ لے کر اس ملازم کو دلوائے اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو بیت المال سے تنخواہ جاری کرے۔

ایک فوجی افسر نے ایک بار عباسی خلیفہ مامون الرشید کی خدمت میں لکھا کہ فوجی سپاہی آپس میں لڑتے ہیں اور ادھر ادھر لوٹ مار کرتے پھرتے ہیں تو مامون الرشید نے جواباً لکھا اگر تم انصاف کرتے اور تنخواہیں پوری تقسیم کرتے تو وہ آپس میں نہ لڑتے اور نہ لوٹ مار کرتے اس کے ساتھ ہی اس افسر کو معزول کر دیا اور سپاہیوں کی تنخواہیں باقاعدہ جاری کر دیں۔

ماوردی نے اگرچہ اس ظلم کا تعلق صرف تنخواہوں تک محدود رکھا ہے لیکن اس کے دائرہ میں وہ تمام واجبات آ سکتے ہیں جو کسی شخص نے حکومت سے لینے ہوں۔

۵۔ رد المغصوب (اموال مغصوبہ کی واپسی)

ماوردی نے اموال مغصوبہ کو ان دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

اول "غصوب سلطانیہ قد تغلب علیها ولاۃ الجور کاملاک المقبوضہ عن اربابها اما الرغبۃ فیها واما التعد علی اهلها"

یعنی وہ اموال جن کو ظالم بادشاہوں نے اپنی رغبت سے یا لوگوں سے ظلماً چھین لئے ہوں۔

دوم: "ماتغلب علیها ذووالایدی القویۃ وتصرفوا فیها تصرف الملک بالقهر والغلبۃ"

وہ اموال جن کو طاقتور امراء عام لوگوں سے غصب کر کے زبردستی مالک بن جائیں۔

اول الذکر اموال کا اگر ناظر المظالم کو خود علم ہو جائے تو وہ ان کی واپسی کا حکم دے اور اگر معلوم نہ ہو تو مستغیث کے استغاثہ دائر کرنے پر موصوف کر دے۔ استغاثہ کے بعد سرکاری ریکارڈ دیکھے اگر اس میں مالک کے لینے کا ذکر ہے تو واپسی کا حکم دے اس معاملے میں شہادت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک یمنی کو اس کی زمینیں سرکاری ریکارڈ دیکھ کر ہی واپس دلوائی تھیں۔ جس کو ولید بن عبدالملک نے غصب کر لیا تھا۔

ثانی الذکر اموال مغصوبہ کی واپسی استغاثہ دائر کرنے پر ہی موقوف ہے ماوردی کے نزدیک اس کی واپسی چار صورتوں پر منحصر ہے۔ (بقیہ صفحہ ۵۴ پر)

مجیب اللہ ندوی

اسلام میں مسجد کی حیثیت

بابری مسجد کی بازیابی پر غور کرنے والوں کو یہ تحریر بھیجی گئی۔

ابتدائے آفرینش سے اس دنیا میں دو نظام چلا آ رہا ہے ایک نظام توحید دوسرا نظام شرک۔ نظام توحید کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدوسی سے جڑا ہوا ہے اور نظام شرک وکفر کی باگ ڈور شیاطین من الجن والانس کے ہاتھ میں ہے نظام توحید کے مراکز ابتدا سے مسجدیں رہتی ہیں اور دنیا کی تمام مسجدوں کا مرکز بیت اللہ شریف رہا ہے اور نظام شرک کا کوئی ایک مرکز نہیں رہا ہے بلکہ وہ ہزاروں خانہ میں بٹا رہا ہے اس دنیا کی کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے خواہ وہ انسان و جن ہوں یا حیوانات اور پرندے ہوں یا جمادات و نباتات ہوں جو نظام شرک کی مسجود نہ بنی ہو اور آج بھی نہ ہو، مندر، گرجا، صوامع اور ان کے دوسرے مراکز عبادت سب اس کی لامرکزیت کا مظہر ہیں۔ اس لئے مسجدوں اور نظام شرک کی عبادت گاہوں میں بنیادی فرق ہے۔

نظام شرک کی فطرت ہمیشہ نظام توحید کے ساتھ ٹکرانے کی رہی ہے اس لئے جب بھی اسے اقتدار ملا ہے اس نے نظام توحید کے ان مراکز کو نظام شرک کی گندگی سے پامال کرنے کی کوشش کی ہے خواہ بیت المقدس ہو یا بیت اللہ شریف ہو سب کے ساتھ اس کا یہی معاملہ رہا ہے نظام شرک کا یہی وہ جذبہ ہے جس نے ہندوستان میں بابری مسجد اور بعض دوسری مسجدوں میں مورتیاں رکھ کر نظام توحید کے ان مرکزوں کو ناپاک کرنے کی کوشش کی اور پھر اسے ظالمانہ طور پر گرا ڈالا۔ اس کے برخلاف نظام توحید کے ماننے والوں نے نظام شرک کے مراکز اور انکے معبدوں سے کبھی کوئی تعارض نہیں کیا اگر کہیں اس کی مثالیں ملتی ہیں تو اس کا سبب خود اس کی داخلی خرابیاں، ہی ہیں۔ البتہ نظام توحید کے ماننے والوں کو یہ حکم ضرور ہے کہ اگر نظام توحید کے مراکز کو شرک کی گندگی سے آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو وہ شرک کی گندگی سے ان

کو پاک کرنے کی کوشش کریں اس لئے کہ۔

اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا — مسجدیں صرف اللہ کی عبادت کے لئے ہیں ان میں کسی غیر اللہ کی پرستش جائز نہیں۔

اسی بنا پر فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا اس وقت آپ کی اور صحابہ کرام کی زبان مبارک پر یہ پرشور کلمہ تھا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ امام رازی اور دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ مسجد نہیں بلکہ مساجد کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کفار قریش نے خانہ کعبہ کو شرک کی گندگی سے آلودہ کر دیا تھا اور حضور نے اسے پاک فرمایا یہی حکم ہر مسجد کا ہے جو دنیا میں بنائی گئی سب سے پہلی مسجد کا ہے

مسجدوں کی حیثیت اسلام میں شعائر کی ہے یعنی ان کی حرمت اور عظمت قائم رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ جو اللہ کے پہچان یعنی شعائر اللہ کی عظمت کرتا ہے تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص اور ایسے افراد کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے جو مرکز توحید یعنی مسجد کی بے حرمتی کرے یا اس میں عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرے تو اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ رسوائی اور ذلت رکھ چھوڑی ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کرنے سے روکے اور انکی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگوں کو ان (مسجدوں) میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے الا یہ کہ ڈرتے ہوئے داخل ہوں ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم۔

یہاں بھی لفظ مسجد واحد نہیں بلکہ جمع مساجد استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسجد کے ساتھ بے حرمتی یا اس کو توڑنے کی یا اس میں عبادت کرنے میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک بڑی ظالمانہ حرکت ہوگی۔ امام رازی لکھتے ہیں۔

المراد به کل المساجد — اس سے مراد ہر مسجد ہے۔

جن لوگوں نے اسے محض مسجد حرام پر محمول کیا ہے اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگر مان لیا جائے کہ یہ آیت مسجد حرام کے لئے نازل ہوئی تو اس کا مفہوم یہ سمجھا جائے گا۔

ان المسجد موضع السجود فالمسجد الحرام لا یکون فی الحقیقۃ مسجداً واحد بل مساجد — مسجد کے معنی سجدے کی جگہ ہے تو مسجد حرام حقیقت میں ایک مسجد نہیں بلکہ اس سے مراد تمام مسجدیں ہیں۔

پھر آگے مسجد کی تخریب، اور بے حرمتی اور عبادت میں رکاوٹ اور اس کی تخریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

السعی فی تخریب المسجد قد یکون الوجھین احدھما منع المصلین و المتعبدین والمتعھدین له من دخوله فیکون ذالك تخریب۔ والثانی بالھدم والتخریب۔ — مسجد کی بربادی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس میں نمازیوں اور عبادت کرنے والوں اور اس کی حفاظت کرنے والوں کے لئے رکاوٹ پیدا کی جائے تو یہ بھی تخریب ہے، دوسرے اسے ڈھا دیا جائے یا اس میں توڑ پھوڑ کی جائے۔

حدیث نبوی میں مسجد کے اندر شور کرنا، دنیا کی باتیں کرنا، گمشدہ چیز تلاش کرنا ہلکی پھلکی گندگی کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کو شرک کی گندگی سے آلودہ کرنا کتنا بڑا ظلم ہوگا۔

قرآن پاک کی آیات اور مفسرین کی جو رائیں نقل کی گئی ہیں ان سے یہ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) مسجد نظام توحید کا مرکز ہے اس کو کسی حال میں شرک کی گندگی سے آلودہ نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) مسجدیں اسلامی شعائر میں ہیں ہر شعار اسلامی کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔

(۳) مسجد میں ذکر و عبادت کرنے میں رکاوٹ پیدا کرنا یا اس کی بے حرمتی کرنا، گرا دینا یا توڑ پھوڑ کرنا، کسی طرح کی گندگی کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

(۴) اگر کسی مسجد کو ظلم و جبر سے شرک کی گندگی سے آلودہ کر دیا گیا تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ جب

بھی ان کو موقع ملے اس کو شرک کی گندگی سے پاک کریں۔ جیساکہ حضور نے خانۂ کعبہ سے اس میں رکھی ہوئی مورتیوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

(۵) بابری مسجد کو پہلے مورتی رکھ کر شرک کی گندگی سے ناپاک کیا گیا اور بعد میں اسے ظلم اور جبر سے گرادیا گیا، یہ ظلم ہے اور ظلم کے خلاف سخت ردیہ زبان وقلم سے اختیار کرنے اور علی الاعلان مذمت کرنے کی قرآن پاک اجازت دیتا ہے لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا (النساء) اللہ تعالیٰ بری بات کا علی الاعلان اظہار کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم ہوا ہے وہ ظالم کے خلاف کھلے بند زبان وقلم یا کسی اور طریقہ سے اپنے جذبات کا اظہار کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ مظلوم کی بات کو سنتا ہے اور ظالم نے جو کچھ کیا ہے اسے جانتا ہے۔

کسی شخص کے عیب کو علی الاعلان بیان کرنا یوں حرام ہے مگر فاسق جو علی الاعلان گناہ کرے اس کے عیب کو علی الاعلان بیان کرنا صحیح ہے حدیث نبوی میں ہے "اذکروا الفاسق بما فیہ کی یحذر الناس" علی الاعلان گناہ کرنے والے کے عیب کو بیان کرنا کہ لوگ اس کی برائی سے بچ سکیں۔

بابری مسجد کو علی الاعلان گرانے سے بڑا اور کون گناہ ہوسکتا ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں بابری مسجد کے معاملہ پر ہمیں غور کرنا چاہئے۔ فقط

خادم

مجیب اللہ ندوی ۔ جامعۃ الرشاد

اعظم گڑھ

مجیب اللہ ندوی

دو ہفتہ بمبئی اور اورنگ آباد میں

۲۸، ۲۹، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو بمبئی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا عمومی اجلاس رکھا گیا تھا، راقم الحروف اس سے پہلے والے اجلاس میں شریک نہیں ہو سکا تھا اس لئے کمزوری اور علالت کے باوجود اس میں شرکت کا ارادہ اس خیال سے کرنا ضروری محسوس ہوا کہ ملت کا ایسی ایک ایسا متحدہ ادارہ ہے جو کم سے کم متنازعہ ہے اور ہمارے بچے کھچے پرسنل لا کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، ممکن ہے کہ عمر کے اس آخری مرحلہ میں پھر دوبارہ شرکت کا موقع نہ ملے۔

راقم کے ساتھ وکیل احمد انصاری جونپور اور مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی مدرسہ فیض عام بھی ساتھ جانے والے تھے مگر کمزوری کے پیش نظر ان دوستوں نے راقم الحروف کو فلائٹ سے جانے کا مشورہ دیا اور وہ لوگ خود ۲۵ر اکتوبر کو ٹرین سے روانہ ہو گئے، راقم الحروف ۲۷ر اکتوبر کو ۵ بجے کی فلائٹ سے روانہ ہوا، فلائٹ ڈائرکٹ نہیں تھی اس لئے لکھنؤ اور دلی ٹھہرتے ہوئے تقریباً ۹ ½ بجے رات میں بمبئی پہنچی، روانہ ہونے سے پہلے مجلس استقبالیہ بمبئی کے دفتر کو فون کر دیا گیا تھا کہ کوئی آدمی ہوائی اڈہ پر رہے مگر وہاں کوئی موجود نہیں تھا اس لئے بہت پریشانی ہوئی، بارہا ہوائی جہاز سے سفر کا موقع ملا ہے مگر راقم الحروف کو بغیر رفیق سفر، سفر میں سخت گھبراہٹ طاری رہتی ہے، بہرحال "بہر درویش برجان درویش" سامان کے چکر سے سامان حاصل کیا اور گاڑی لے کر باہر نکلا معلوم ہوا کہ ٹیکسی دور جا کر ملے گی، اتفاق سے ایک ٹیکسی والا قریب ہی مل گیا اور اس نے سوار کر لیا، میں نے اس سے کہا کہ مجھے تال ناڈو حج ہاؤس لے چلو وہ جانتا نہیں تھا اور میں بھی اس کے نام کے علاوہ پورا پتہ نہیں جانتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ شالیمار ہوٹل کے قریب ہرے رنگ کی مسجد (نواب کی مسجد) ہے وہاں لے چلو مگر پھر بھی وہ نہ سمجھ سکا، میں نے کہا حج ہاؤس لے چلو خیر خدا خدا کر کے حج ہاؤس پہنچا، ٹیکسی والا سٹرک پر سامان اتار کر روانہ ہو گیا، معلوم ہوا کہ استقبالیہ کا دفتر

چھٹی منزل پر ہے، اب سڑک سے وہاں تک سامان کون پہنچائے ادھر ادھر دیکھتا رہا کہ شاید کوئی استقبالیہ کا رضاکار نظر آجائے مگر کوئی دکھائی نہیں دیا سڑک سے گزرتے ہوئے ایک نوجوان نے پوچھا کہ آپ کس کے انتظار میں کھڑے ہیں میں نے بتایا کہ اوپر جانا ہے یہ سامان وہاں تک پہنچانے کے لئے کسی کا انتظار کر رہا ہوں اس نے کہا چلئے میں لے چلتا ہوں، میں نے نام پوچھا تو بتایا کہ میرا نام بشیر الدین ہے، چنانچہ اس نے اٹیچی اور ہینڈ بیگ اٹھایا اور لفٹ تک لے جاکر اوپر پہنچایا، افسوس ہے کہ اس فرشتہ صفت نوجوان کا صرف نام ہی پوچھ سکا۔

راقم الحروف برابر کہا کرتا ہے کہ اپنی جگہ پر ہر آدمی بادشاہ ہوتا ہے مگر اس کو اپنی اصل حیثیت جاننی ہو تو وہ سفر کرے یا پھر اپنے سے کسی بڑے بزرگ کے یہاں جائے جہاں اس کو اپنی قدر و قیمت کا پتہ چل جائے گا جہاں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوگی، یہی حال سفر کا ہے اس میں چاہے کتنا بڑا آدمی ہو جب تک کوئی خصوصی انتظام نہ ہو اسے عام آدمیوں کی صف میں کھڑا ہونا ہوتا ہے بلکہ دھکا کھانا بھی پڑتا ہے۔ اوپر پہنچا تو کوئی ذمہ دار دکھائی نہیں دیا، کچھ دیر بعد امارت شرعیہ کے مبلغ محمد اختر صاحب نظر آئے وہ تپاک سے ملے ان سے میں نے کہا کہ آپ مجھے تامل ناڈو حج ہاؤس پہنچائیے، انہوں نے فون کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں جگہ خالی نہیں پھر دو ایک جگہ فون کیا تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا، آخر میں انہوں نے مجھے مولوی عبدالرحیم صاحب قاسمی کے ساتھ ۱۲ بجے رات میں گلف ہوٹل بھیج دیا ——— یہ ابو عاصم صاحب کا ایک معیاری ہوٹل ہے۔ انھوں نے اپنے اس ہوٹل کے آٹھ کمرے مسلم پرسنل لاء کے ممبران کے لئے مخصوص کر دیئے تھے، رات کے وقت ان کے موجود ذمہ داروں نے بڑی عزت سے ٹھہرایا مگر میرے لئے دو چیز اس میں تکلیف دہ تھی، ایک انگلش سسٹم کا استنجا خانہ دوسرے اے سی مولوی عبدالرحیم صاحب کو میں نے روک لیا، اور ان سے میں نے کہہ کر پہلے اے سی بند کرایا ٹھنڈک کی وجہ سے بار بار استنجے کے لئے جانا پڑتا تھا۔

بہرحال کسی طرح رات کٹ گئی صبح کو مولانا احمد کمال رشادی ندوی کا دریافت خیریت کے لئے مدن پورہ سے فون آیا میں نے ان سے کہا کہ آپ فوراً آجائیں چنانچہ آدھے گھنٹے میں وہ آگئے

میں نے کہا کہ آپ تامل ناڈو حج ہاؤس فون کیجئے اور میرا نام لے کر کہئے وہ وہاں آنا چاہتے ہیں شوکت صاحب میرے لئے کوئی جگہ ضرور خالی کریں گے انھوں نے میرا نام سنتے ہی کہا کہ فوراً ان کو لے کر آجائیے، چنانچہ انہوں نے ایک اچھا کمرہ خالی کراکے مجھے جگہ دی وہاں پہنچ کر اطمینان ہوا اس میں ہر چیز دیسی ہی انداز کی ہے اور نماز کے لئے ایک بڑا کمرہ خاص ہے اور اذان و نماز کا بھی پورا اہتمام ہے اور مرکزی جگہ پر ہے اس میں آمدورفت کی بھی آسانی ہے اس لئے جی لگتا ہے، مجھے افسوس ہے کہ عجلت میں عزیزم ابوعاصم سے ملاقات نہ ہوسکی ورنہ ان سے شکریہ کے بعد کہتا کہ مجھ جیسے دیہاتی مولویوں کے لئے بھی کچھ دیسی انداز کا اہتمام رکھئے، بحمداللہ آپ خود ہمارے معاشرہ کے پروردہ ہیں۔

راقم الحروف نے اس ناگوار بات کو طول اس لئے دیا کہ مغربی تہذیب نے ہمارے دل و دماغ میں اتنا گھر کرلیا ہے کہ ہوٹل تو ہوٹل مذہبی جگہوں مثلاً حج ہاؤس میں بھی اسے ہم نے جگہ دے دیا جس میں پاکی اور ناپاکی کا سرے سے کوئی تصور نہیں، دوسری بات یہ کہ مسلم پرسنل لا ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے زیادہ ذمہ دار اور متفق علیہ ادارہ ہے اس کا نظام بھی نہایت ذمہ دارانہ ہونا چاہیئے تھا اس میں کمی کی وجہ سے راقم کو اتنی زحمت اٹھانی پڑی، اسی طرح کتنے لوگوں کو اٹھانی پڑی ہوگی معلوم ہوا کہ بعض ذمہ دار حضرات کو کئی کیلومیٹر پیدل چلنا پڑا اس لئے کہ ٹیکسی والوں کی اس دن ہڑتال تھی۔

۲۸ر اکتوبر کو مغرب بعد مجلس عاملہ کی میٹنگ شروع ہوئی جس میں ۶ر خالی جگہوں کو پر کرنا تھا اس موقع پر مختلف حضرات نے اپنے اپنے تاثرات اور مشورے بھی پیش کئے راقم الحروف نے دو باتیں عرض کیں ایک یہ کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کو ایک مؤثر اور عوامی ادارہ بنانے کے لئے کم ازکم ہر صوبہ میں اس کا متحرک دفتر ہونا چاہیئے تاکہ صوبہ کے صاحب احساس اور قانون داں حضرات کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل ہوسکے چنانچہ اورنگ آباد جانا ہوا تو وہاں ہائی کورٹ کے کئی ممتاز وکلاء مثلاً سید اظہرالدین نقشبندی اور غلام مصطفےٰ بیجاپوری نے یہ بات کہی کہ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ اس سلسلہ میں ہم لوگوں سے بھی قانونی مدد لی جائے، صرف چند حضرات تک اسے محدود نہ رکھا جائے انھوں نے یہ بھی کہا کہ مسلم وومن پروٹیکشن ایکٹ کے لاگو ہونے کے بعد اس میں

یہ ترمیم ضروری ہے کہ طلاق شدہ مسلم خواتین پر ۱۲۵ کرمنل ایکٹ لاگو نہیں ہوگا اس لئے کہ دونوں میں تضاد ہے۔

دوسری تجویز راقم نے یہ پیش کی کہ مسلم پرسنل لا میں سکنڈ لائن بنانی ضروری ہے تاکہ اس میں مزید تقویت پیدا ہو، میری تجویزیں اہمیت کے ساتھ نوٹ کی گئیں۔ دیکھئے ذمہ دار حضرات کیا فیصلہ کرتے ہیں۔

دوسرے دن قدرے عمومی اجلاس تھا جس میں اساسی اور میقاتی اور موعوعین خصوصی سب شریک تھے اس اجلاس میں صدر کا انتخاب ہونا تھا چنانچہ متفقہ طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا انتخاب ہوا، مولانا اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے ان کا صدارتی خطبہ اور پیغام مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی نے پڑھا اختتامی خطبہ قاضی مجاہدالاسلام صاحب نے اور استقبالیہ خطبہ عبدالستار شیخ نے پڑھا، پھر مختلف تجویزیں پیش ہوئیں جن میں ایک تجویز سید شہاب الدین صاحب کی طرف سے بابری مسجد کی شہادت کی تاریخ ۶؍دسمبر کو دلی میں ایک بڑے جلسہ کے انعقاد کی تھی اس پر ذمہ داروں کی طرف سے کچھ ہمت افزا آئیں دکھائی نہ دیں اس موقع پر راقم نے یہ کہا کہ کیا ملت کے اس بڑے حادثہ کو ہم بھول جائیں میں سمجھتا ہوں کہ اس عظیم حادثہ کو نہ صرف یاد رکھیں بلکہ آئندہ اپنی نسل کو یاد رکھنے کی وصیت کر جائیں بحمداللہ دوسرے حضرات نے بھی تائید کی۔

دیکھئے بابری مسجد کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ ۶؍دسمبر کے لئے کیا پروگرام دیتا ہے اس کا علم نہ ہو سکا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بورڈ کی طرف سے کوئی پروگرام نہ دیا گیا تو مختلف تنظیمیں الگ الگ پروگرام کا اعلان کریں گی اور یہ بات اچھی نہ ہوگی۔

۳۰؍اکتوبر کو جلسہ عام پر بورڈ کا اجلاس ختم ہو گیا۔

۳۱؍ کو صبح کی فلائٹ سے کانپور ایس، آئی، ایم کی کانفرنس میں شرکت اور حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کی عیادت کا پروگرام تھا مگر لکھنؤ کی فلائٹ میں نمبر ایک ویٹنگ لسٹ میں نام ہوتے ہوئے جگہ نہیں مل سکی اس لئے ہوائی اڈے سے واپس ہونا پڑا۔ ایس، آئی، ایم کی دوسری زونل کانفرنس ۵؍نومبر کو اورنگ آباد میں ہونے والی تھی، تنظیم کے نوجوانوں نے اس میں

شریک ہونے کا وعدہ پہلے سے لیا تھا اس لئے بمبئی میں دو دن رک کر اورنگ آباد آیا، چلا گیا، اورنگ آباد جانے کا ایک داعیہ اس لئے بھی تھا کہ وہ ایک تاریخی جگہ ہے جہاں بے شمار بزرگوں کے ساتھ مغلیہ حکومت کے تاجدار اعظم حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بھی آسودۂ خاک ہیں جہاں کے چپہ چپہ پر ان کے نقوش ہائے ثبت ہیں، چنانچہ پہنچنے کے دوسرے دن مولانا سمیع اللہ ندوی اور وہیں کے رہنے والے ایس، آئی، ایم کے ایک نوجوان جو ایک ہفتہ تک میری خدمت میں لگے رہے، بڑی شرمندگی ہے کہ اس وقت ان کا نام ذہن سے نکل گیا ہے ان کی راہنمائی میں ہم لوگ خلد آباد گئے جو اورنگ آباد سے ۲۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، مولوی سمیع اللہ نے بتایا کہ خلد آباد کی تاریخی حیثیت اور وہاں مدفون بزرگوں کی پوری تاریخ سے جناب عبدالحی صاحب صدر درگاہ کمیٹی سب سے زیادہ واقف ہیں وہ خلد آباد آئے ہوئے ہیں، ان کو تلاش کرتا ہوں ان کی راہنمائی میں پوری معلومات مل جائیں گی مگر وہ بہت دیر میں ملے اور میری طبیعت خراب بھی تھی اس لئے پوری زیارت گاہوں تک نہ جا سکا۔ مگر جو معلومات وہاں لکھے ہوئے کتبات اور عبدالحی صاحب نے فراہم کیں وہ حسب ذیل ہیں۔

خلد آباد اور دولت آباد کے قرب و جوار میں جن ممتاز بزرگوں کے مزار یا ان کی خانقاہیں آج تک موجود ہیں ان میں ایک حضرت شیخ منتخب الدین زرزری زربخش ہیں ان کا لقب زری زربخش اس لئے پڑ گیا کہ جو کچھ فتوحات ان کو ملتیں ان سب کو غرباء اور اہل ضرورت پر صرف کر دیتے، موسوی خاں جو آصف جاہ اول کا میر منشی اور شاعر تھا اس نے ان کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔ ؎

آں جواں مردے کہ در راہ خدا
زر بمحتاجان رسانہ از زر زری یست

یہ ہانسی کے رہنے والے تھے اور بابا فرید گنج شکر کے مرید تھے انہی کے حکم سے یہ دیوگری اور دولت آباد آئے ان کا مزار خلد آباد میں ہے جس کا پہلا نام روضہ اور پھر خلد آباد پڑا، ان کی وفات ۷۰۹ھ میں ہوئی۔

ان کے چھوٹے بھائی حضرت برہان الدین غریب نواز تھے یہ بھی پایہ کے بزرگ تھے

ان کی خانقاہ آج بھی موجود ہے ان کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی۔ یہاں پانچویں ہجری کے ایک بزرگ حضرت محمد مومن عارف باللہ دولت آبادی کا مزار اور ان کی خانقاہ ہے تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ سرزمینِ دکن میں سب سے پہلے جو بزرگ تشریف لائے وہ یہی حضرت مومن تھے اس وقت یہاں ہندو راجاؤں کی حکومتیں تھیں شرک کے اس ظلمت کدہ میں توحید کی روشنی سب سے پہلے انہی نے پھیلائی ان کی تاریخ وفات ۵۰۰ھ ہے۔ سعدی ہند امیر حسن سنجری دہلوی بھی یہیں آسودہ خاک ہیں جن کو امیر خسرو کی طرح نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ایک خصوصی امتیاز حاصل تھا انہی نے حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات فواد الفواد کے نام سے جمع کیا جو شیخ کے حالات کا صحیح ترین ماخذ ہے۔ ان بزرگوں کے ساتھ یہاں تاجدار ہند حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے ان کے مزار پر نہ تو مسقف قبہ بنا ہے اور نہ کوئی زینت و آرائش ہے نہ ہی چادر چڑھتی ہے۔ بلکہ کھلے ہوئے آسمان کے نیچے ہے مزار کا اصل حصہ کھلا ہے اور بغل میں دو پتھر کی سلیں لگی ہیں پہلے کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، نواب میر عثمان علی خاں نے اپنے عہد حکومت میں بارہ چودہ فٹ لمبی چوڑی سنگ مرمر کی جالی اسے گھروا دیا ہے، وہاں پہنچ کر دل و دماغ پر عجیب و غریب رقت و حسرت کی کیفیت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے دیر تک دعائے مغفرت کرتا رہا اور اس سوچ میں ڈوبا رہا کہ جو شخص پچاس برس تک ہندوستان کے چپہ چپہ کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندتا رہا آج اس کی ملت کی زبان، تہذیب اور وجود کو یہاں روندنے کی کوشش کی جارہی ہے اور بے اختیار زبان پر دعا کے یہ کلمات آگئے کہ اے اللہ تیری قدرت بہت وسیع ہے تو ایک بار پھر کوئی دوسرا عالمگیر پیدا کر دے جو حالات کا رخ بدل دے اور اس ملت کو وہ وقار بخش دے جو اس کا حق ہے۔

دولت آباد قلعہ تک اس لئے نہ جا سکا حالانکہ یہ مسلمانوں کی عظمت پارینہ کا ایک زندہ نشان ہے جس کی عظیم ترین مسجد کی حرمت کو مشرکانہ تہذیب رکھنے والوں نے پامال کر دیا جس کو دیکھ کر ایک غم اور تازہ ہوجاتا ہے۔ [illegible] سے کچھ فاصلہ پر شاہ عالم کا بنوایا ہوا ایک دوسرا تاج محل ہے جو انہوں نے اپنی والدہ کے مزار پر بنوایا تھا، یہ بالکل

تاج محل کے طرز پر بنایا گیا ہے بس فرق یہ ہے کہ آگرہ کا تاج محل سنگ مرمر کا ہے اور اس سفید عمارت پر سیپی کا پلاسٹر ہے۔ لڑکپن میں اسمٰعیل میرٹھی کی کتاب میں پن چکی والی نظم پڑھی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

نہر پر چل رہی ہے پن چکی　　　اپنے دھن کی ہے کام کی پکی

بچپن سے بڑھاپے کی عمر تک کبھی اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا وہاں جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھا معلوم ہوا کہ اس میں کسی پہاڑ کے جھرنے سے پانی آتا ہے جس کے منبع کا آج تک پتہ نہیں چل سکا، انگریزوں نے کئی جگہ کھدائی کی مگر پتہ نہ چل سکا البتہ اس کھدائی سے یہ نقصان ہوا کہ اس کے پانی کی روانی کچھ کم ہوگئی اس پن چکی کی بغل میں حضرت مومن عارف باللہ کی جو خانقاہ ہے اس کے واردین اور صادرین کے لئے جو لنگر جاری تھا اس کے لئے آٹا اسی پن چکی سے پیسا جاتا تھا، آج بھی چکی کے پتھر باقی ہیں مگر آٹا پیسنے کا کام اب بند ہے۔

اورنگ آباد قیام کے دوران مدرسہ کاشف العلوم کے ذمہ دار حضرات اپنے مدرسہ میں لے گئے اس دن وہاں کامیاب ہونے والے لڑکوں کے انعام تقسیم کرنے کا پروگرام تھا اس موقع پر طلبہ سے کچھ کہنے کا بھی اتفاق ہوا اور کچھ خاص انعامات راقم نے اور کچھ محترم مولانا فصیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے تقسیم کئے۔ پھر کچھ دیر دفتر میں ٹھہرے اور دو نئی شاندار عمارتیں بھی دیکھیں جو زیر تعمیر ہیں پھر وہ حضرات اپنی اس نئی وسیع زمین پر لے گئے جو ابھی ابھی انھوں نے ۸، لاکھ روپیہ میں خریدی ہے جس میں طبیہ کالج اور دوسرے شعبوں کے کھولنے کا ارادہ ہے یہ اورنگ آباد سے تقریباً نو کلو میٹر پر ہے۔

۵ر نومبر سے ایس۔ آئی۔ ایم کا اجلاس شروع ہوا، جس میں راقم نے فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ کے موضوع پر اپنا افتتاحی خطبہ پڑھا جو میں لکھ کر ساتھ لے گیا تھا، اس کے بعد دوسرے پروگرام ہوتے۔ خاص طور پر تنظیم کے صدر عزیزم صلاح الدین صاحب کا صدارتی خطبہ بڑا ہی فکر انگیز اور پر درد تھا، اس کا لی شیشن اور طلبہ سیشن بہت ہی اہمیت کا حامل تھا خاص طور پر طلبہ سیشن میں تقریباً ڈھائی ہزار طلبہ شریک تھے اس کا سلسلہ تقریباً ڈھائی گھنٹہ چلا مگر مجال نہیں کہ کوئی طالب علم اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہوا ہو بلکہ پورا مجمع گوش بر آواز تھا، کاش ہمارے

مدارس کے طلبہ میں یہ ڈسپلن اور مقصد سے انہماک پیدا ہو جاتا، اس میں عزیزم شاہد بدر کی تقریر "ملت کی زبوں حالی اور انتشار" پر بڑی رقت آمیز تھی، پورے مجمع کی آنکھیں نم تھیں۔

۷ر نومبر کو اس کانفرنس کا آخری سیشن تھا جس میں مجھ سے کچھ آخری ہدایتوں اور نصیحتوں کے لئے کہا گیا تھا، اپنی بساط بھر ان کو کچھ مفید مشورے دیئے۔

یہاں پر یہ بات بھی عرض کر دینی ضروری سمجھتا ہوں کہ آزادی سے پہلے ہمارے علماء اور خواص عزیمت کی راہوں پر خود چلتے تھے اور عوام کا اور اپنے شاگردوں کا مزاج بھی مجاہدانہ بناتے تھے مگر آزادی کے بعد یہ جذبہ قدرے سرد پڑتا جا رہا ہے یہاں تک کہ اہم علماء ان لوگوں کے ہمنوا بن گئے ہیں جنھوں نے انگریزوں کے زمانہ میں منسوخیِ جہاد کا فتویٰ دیا تھا مثلاً غلام احمد قادیانی اور محمد حسین بٹالوی وغیرہ حتیٰ کہ اب کسی جلسہ یا مسجد میں تقریر کے دوران جہاد کا لفظ کسی مقرر کی زبان پر آ جائے تو امام اور متولی اور کچھ مصلیوں پر لرزہ طاری ہونے لگتا ہے یہی نہیں بلکہ بعض ان تنظیموں کے ذمہ دار افراد پر بھی یہی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے جو انقلاب امامت کا مقصد ہی لے کر اٹھی تھیں۔

ایس۔آئی۔ایم کے نوجوان اپنے پر عزیمت پروگراموں کے ذریعہ اس مجاہدانہ جذبہ کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ بحمداللہ ان میں بڑی بڑی صلاحیتوں کے نوجوان موجود ہیں مگر وہ اپنے برتاؤ سے یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ وہ اتنی بڑی بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ جہاں تک عوامی خدمت کا موقع ہوتا ہے وہاں بھی یہی پیش پیش نظر آتے ہیں مسلم پرسنل لا کے جلسہ کے موقع پر تین دن جلسہ گاہ سے لے کر کھانے پینے کے انتظام تک یہی پیش پیش تھے، اسی طرح اپنے بڑوں کے احترام میں بھی وہ کوتاہ نظر نہیں آتے، خود راقم الحروف ذاتی طور پر ان کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس لمبے سفر میں ہر سہولت بہم پہنچائی۔ میرے کمر کی ہڈی میں گر جانے کی وجہ سے درد تھا اسکے علاج کے سلسلہ میں کئی ایکسرے کروائے اور ہڈی کے اچھے سے اچھے ڈاکٹروں سے رجوع کیا

۸ر کو اورنگ آباد سے چلتے ہوئے انہوں نے مجھ سے ۲۰،۲۱ نومبر کو احمد آباد میں ایک اہم پروگرام میں شرکت کے لئے کہا اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی اس طرح بنوا لیا کہ میں اعظم گڑھ جا کر وہاں سے پھر شریک ہو سکوں مگر میں نے اپنی صحت کے پیش نظر معذرت کر دی جس کا مجھے افسوس ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

عرب و ہند کے تعلقات

ایک جائزہ

مولانا سید سلیمان ندوی کی تاریخی تصنیفات میں "عرب و ہند کے تعلقات" ایک معرکۃ الآراء اور نہایت محققانہ تصنیف ہے یہ دراصل ان خطبات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ۲۲،۲۳ مارچ ۱۹۲۹ء میں ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد کی فرمائش پر الٰہ آباد میں دیئے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ہندوستانی اکیڈمی ہی نے اسے شائع کیا اور انعام سے بھی نوازا۔

سید صاحب کی یہ تصنیف چونکہ ایک منفرد موضوع پر پہلی تحریر تھی اس لئے بیحد مقبول ہوئی چنانچہ اب تک اس کے کئی ایڈیشن طبع ہوکر مقبول عام ہوچکے ہیں۔ جناب سید الحق دیسنوی نے جو سید صاحب کے ہم وطن بھی تھے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اسلامک کلچر حیدرآباد میں بالاقساط ۳۳-۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ بعدازاں حکومت پاکستان نے اسے کتابی صورت میں شائع کیا، ایک اور انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد صلاح الدین صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ کے قلم سے ہے جسے انسٹی ٹیوٹ آف انڈو میڈلسٹ کلچرل اسٹڈیز حیدرآباد نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا ہے،

عرب و ہند کے تعلقات کے موضوع پر گو اب متعدد کتابیں لکھی جاچکی ہیں متعدد نئے گوشے اور پہلو بھی اجاگر کئے گئے ہیں، مگر سید صاحب کی یہ تصنیف نقش اول ہونے کے باوجود آج بھی اپنے موضوع پر معلومات و مضامین کے لحاظ سے ان تمام تصنیفات سے منفرد ہے۔

سید صاحب کی شخصیت علامہ شبلی ہی کی طرح جامع کمالات تھی مختلف اسلامی علوم وفنون میں وہ یکساں مہارت اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے انھوں نے اپنی ان تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اسے ایک عظیم الشان تصنیف بنادیا ہے، یہ ان کے مسلسل ۲۴ برس کے تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ یہاں اس کا تعارف و تجزیہ اور اس کی چند خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح

عرب و ہند کے تعلقات پانچ ابواب اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے پہلے باب کے شروع میں عربوں کی ہندوستان سے محبت و شیفتگی کا ذکر ہے مثلاً سید صاحب لکھتے ہیں۔

"اہل عرب کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندوستان سے ان کا تعلق صرف چند ہزار برس کا نہیں بلکہ پیدائش کے شروع سے یہ ملک ان کا پدری وطن ہے۔" (ص۱)

اس کے بعد انہوں نے متعدد واقعات و روایات کے ذریعہ عربوں کی ہندوستان سے واقفیت اور موانست کا ذکر کیا ہے۔ پھر لفظ "ہند" پر بحث کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا نام ہند کیسے پڑا۔ چنانچہ سید صاحب لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس پورے ملک کا کوئی ایک نام نہ تھا ہر صوبہ کا نام الگ الگ تھا یا ہر ریاست کا نام اس کی راجدھانی کے نام سے مشہور تھا اہل فارس نے جب اس ملک کے ایک صوبہ پر قبضہ کیا تو اس دریا کا نام جس کو اب دریائے 'سندھ' کہتے ہیں اور جس کا نام عربوں کی زبان میں 'مہران' ہے 'ہندھو' رکھا، پرانی ایرانی زبان اور سنسکرت میں 'س' اور 'ہ' آپس میں بدلا کرتے ہیں اس کی متعدد مثالیں ہیں اس لئے فارس والوں نے اس کو 'ہندھو' کہہ کر پکارا اور اس سے ملک کا نام ہندھو پڑ گیا، عربوں نے جو سندھ کے علاوہ اس ملک کے دوسرے شہروں سے بھی واقف تھے انھوں نے سندھ کو سندھ ہی کہا لیکن اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے شہروں کو ہند قرار دیا اور آخر میں یہی نام تمام دنیا میں مختلف صورتوں میں پھیل گیا اور 'ہ' کا حرف 'الف' ہو کر فرنچ میں 'انڈ' اور 'انڈیا' اور اس کی مختلف صورتیں ہو کر تمام دنیا میں مشہور ہو گیا اور خیبر سے آنے والی قوموں نے اس کا نام ہندواستھان رکھا جو فارسی تلفظ میں ہندوستان بولا جاتا ہے یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ ہند کا لفظ عربوں کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ انھوں نے ملک کے نام پر اپنی عورتوں کا یہ نام رکھا چنانچہ عربی شاعری میں یہ نام وہ حیثیت رکھتا

ہے جو فارسی میں لیلیٰ اور شیریں کی ہے"۔ (ص ۱۲-۱۳)

اس کے بعد تاریخی شواہد سے بتایا گیا ہے کہ دنیا کی پہلی بحری تجارتی قوم فنیشین عرب تھے جو شام کے سواحل پر آباد ہو گئے جن کے اثرات ظہور اسلام سے صدیوں پہلے ہندوستان پہنچ چکے تھے۔

عرب و ہند کے تعلقات کی قدامت واضح کرنے کے لئے سید صاحبؒ نے ستیارتھ پرکاش (پہلا پرو۔ ادھیایہ ۱۴۷) کے مصنف سوامی دیانند کی کتاب سے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ "مہابھارت میں جب کوروؤں نے راکھ کا گھر بنا کر پانڈوؤں کو اس کے اندر جلا کر پھونک دینا چاہا تو ودرجی نے یدھشٹر کو عربی زبان میں بتایا اور یدھشٹر جی نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا"۔ (ص ۱۰-۱۱)

اس واقعہ کے بارے میں سید صاحبؒ نے لکھا ہے کہ گو اس کا مشکل سے یقین آسکتا ہے تاہم ایک بڑے پنڈت نے اس کو تسلیم کیا ہے اس لئے اس کے انکار کی مجھ میں جرأت نہیں۔ (ص ۱۱)

اسی باب میں سید صاحب نے ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے اور فتح سندھ کی اجمالی تاریخ قلم بند کی ہے اور مسلمان سیاح اور جغرافیہ نویس مثلاً ابن خردازبہ (۲۵۰ھ) سلیمان تاجر (۲۳۷ھ) ابوزید حسن سیرافی (۲۶۴ھ) ابودلف مسعر بن مہلہل (۳۳۱ھ) بزرگ بن شہریار (۳۰۰ھ) مسعودی (۳۰۳ھ) اصطخری (۳۴۰ھ) ابن حوقل (۳۳۱ھ) بشاری مقدسی (۳۷۵ھ) البیرونی (۴۰۰ھ) ابن بطوطہ (۷۰۹ھ) وغیرہ کی کتابوں سے قدیم ہندوستان کے حالات قلم بند کئے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ ان مسلمان سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے ہندوستان کی اس دور میں بڑی تاریخی خدمت انجام دی، اسی میں ضمناً ہندوستان کے عام حالات کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں کے قدیم تعلقات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے بعد ازاں ان مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں کا تذکرہ ہے جو اگرچہ ہندوستان نہیں آئے مگر اپنی کتابوں میں اس کے حالات لکھے ہیں ان میں ابن رستہ (۲۹۰ھ) قدامہ بن جعفر (۲۹۶ھ) بلاذری (۲۷۹ھ) ابن الندیم (۳۷۰ھ) شمس الدین دمشقی (۷۲۸ھ) ادریسی (۵۶۰ھ) زکریا قزوینی (۶۸۲ھ) ابوالفداء (۷۳۲ھ)

یاقوت حموی (۶۲۷ھ) نویری (۷۳۳ھ) اور شہاب الدین عتیری (۷۴۸ھ) کے حالات اور ہندوستان کے متعلق ان کی تاریخی خدمات اور کارناموں کا ذکر ہے۔

تجارتی تعلقات دوسرے باب میں تجارتی تعلقات کی قدامت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عرب تاجروں کی اہمیت کے ساتھ تجارتی راستوں، منزلوں اور بندرگاہوں کی تفصیل ہے بعد ازاں دوسری اقوام تجارت اور ہندوستان کی پیداوار مصنوعات اور سامان تجارت، تجارتی درآمد و برآمد عرب کے ہندوستانی تاجروں، بحر ہند میں چلنے والے جہازوں کی وسعت ہندوستان کی بحری تجارت اور یہاں کی دولت و ثروت کا مفصل ذکر ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بحر روم کو چھوڑ کر افریقہ کے پشت سے بحر ہند میں داخل ہونے کے راستہ کی تلاش کا سہرا واسکوڈی گاما کے سر باندھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس راستے کی تلاش سب سے پہلے عربوں نے کی اور واسکوڈی گاما کو ہندوستان پہنچانے والا بھی ایک عرب تاجر ابن ماجد تھا جس کا لقب اسد البحرین یعنی سمندروں کا شیر تھا[1]

علمی تعلقات تیسرے باب میں عربوں کے ہندوستان سے علمی روابط کا تذکرہ ہے اور دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ہندوستان سے علمی روابط کا آغاز اگرچہ بنوامیہ کے دور سے شروع ہوا مگر اصل علمی تعلقات کا آغاز عہد عباسی میں خاندان برامکہ کے ذریعہ ہوا برامکہ کی کوششوں سے ہند و فضلا بغداد پہنچے اور انہوں نے ہندوستان کے مختلف علوم و فنون کا عربی زبان میں ترجمہ کیا برامکہ کے بارے میں عام خیال ہے کہ وہ ایرانی مجوسی تھے مگر سید صاحب کا دعویٰ ہے کہ "برامکہ بدھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کا اصل تعلق ہندوستان سے تھا نہ کہ ایران سے[2]"

برامکہ کے زوال کے بعد مامون کے عہد میں بھی یہ سلسلہ قائم رہا سید صاحب نے اس باب میں طب، نجوم، جوتش، ہیئت، ریاضی، موسیقی، جنگ و سیاست، منطق و کیمیا، جفر و رمل، قصص و حکایات اور اخلاق و حکمت کی جو کتابیں سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئیں اور جن ہندو فضلاء نے

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۱۱۴

بغداد میں یہ خدمت انجام دی ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے اس باب کے آخر میں البیرونی کے حالات لکھے ہیں البیرونی نے ہندوستان کی وہ خدمت انجام دی جو اس عہد کے کسی ہندو فاضل سے بھی نہ ہو سکی، سید صاحب رقم طراز ہیں

"بیرونی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان علمی سفارت کا کام انجام دیا اس نے عربوں اور ایرانیوں کو ہندوؤں کے علوم سے اور ہندوؤں کو عربوں اور ایرانیوں کے تحقیقات سے آگاہ کیا اس نے عربی جاننے والوں کے لئے سنسکرت سے اور سنسکرت جاننے والوں کے لئے عربی سے کتابیں ترجمہ کیں اور اس طرح وہ قرض ادا کیا جو ہندوستان کا مدت سے عربی زبان کے علوم و فنون پر چلا آ رہا تھا۔" [1]

مذہبی تعلقات

چوتھے باب میں مذہبی تعلقات کی تفصیل ہے سید صاحب نے پہلے ان خیالات کی تردید کی ہے جو عام طور سے انگریز مؤرخوں نے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے بارے میں مشہور کر رکھے تھے سید صاحب نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان حکمراں اگرچہ مسلمان تھے مگر وہ مجموعی طور سے اسلام کے نمائندہ نہ تھے اور نہ ان کی حکومت اسلامی حکومت تھی یہاں تک کہ ان کے اکثر اسلام کے صلح و جنگ اور حاکم و محکوم کے قوانین سے بھی واقف نہ تھے [2] اس لئے ان کے اعمال و افعال کو مذہب سے جوڑنا اور اس سے اسلام پر تنقید کرنا کسی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔ سید صاحبؒ کا خیال ہے کہ اسلام کے اصل نمائندے عرب تھے۔ ان کا نظام حکومت اسلامی نظام حکومت تھا اور ان کے عہد حکمرانی میں ظلم و زیادتی کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملیں گی ان کے اندر بڑی مذہبی رواداری اور فراخدلی تھی انہوں نے اپنے محکوم قوموں کے مذہبی رسم و رواج میں کوئی مداخلت نہیں کی اور نہ ان کی عبادت گاہوں پر کہیں ہاتھ لگایا اور جزیہ کے بعد ان کو مسلمانوں کے برابر درجہ دیا، سندھ کی حکومت اسی روش پر قائم رہی اور ہندوؤں کو اہل کتاب کے مشابہ قرار دے کر ان کی عورتوں اور ذبیحہ کے سوا ہر چیز میں انہیں اہل کتاب کے برابر

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۷۷ [2] ایضاً ص ۱۸۷

حقوق دیئے۔ اسی ضمن میں سید صاحب نے کافر و مسلم، اہل کتاب اور جزیہ جیسے اہم مسائل و مباحث زیر بحث لاکر ان امور کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور کی ہیں۔

ان مباحث کے بعد اصل مذہبی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور سید صاحب نے دکھایا ہے کہ عربوں کے ہندوستان سے گوناگوں تعلقات ہی کی وجہ سے عرب سیاح و مورخین کو یہاں کے مذاہب کی تحقیقات کا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے نہایت تلاش و تفحص اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ یہاں کے مذاہب کا حال لکھا اوپر جن عرب مصنفین، مورخین اور سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ ابن الندیم، طاہر مقدسی، ابوالعباس ایرانشہری، عبدالکریم شہرستانی اور عبدالقاہر بغدادی وغیرہ نے خاص طور سے اپنی تصانیف میں ہندو مذاہب، ان کے فرقے، عقائد، مذہبی رسم ورواج، علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور ثقافت کے بارے میں تفصیل سے لکھا۔ سید صاحب نے ان کے بیانات کی روشنی میں علمی تعلقات کی مرقع کشی کی ہے۔

فرقہ سمنیہ کا ذکر عربی تاریخ و تذکروں میں موجود ہے اس پر سید صاحب نے بڑی محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ فرقہ سمنیہ دراصل بدھ تھے اور ہندوستان میں ابتدائی اسلامی فتوحات کے زمانہ میں جن علاقوں سے مسلمانوں کا خاص تعلق رہا وہاں زیادہ تر بدھ ہی آباد تھے۔

اس باب میں سید صاحب نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے ایک دوسرے پر اثرات کی بھی نشاندہی کی ہے چنانچہ انھوں نے مذہبی تعلقات کے ضمن میں دکھایا ہے کہ اسلام کا اثر رفتہ رفتہ ہندوستان پر پڑا، بعض ہندو راجہ مسلمان ہوئے اور ان کے درمیان مذہبی روابط اس قدر بڑھے کہ سندھ کے ایک راجہ نے قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کرایا، سید صاحب کا خیال ہے کہ ہندوستان میں توحید خالص کا تصور بھی اسلام کے اثرات کا ہی نتیجہ ہے، اسی طرح مسلمان بھی جس طرح ہندوؤں سے متاثر ہوئے سید صاحب نے ان کی بھی نشاندہی کی ہے۔

فتوحات اسلامی سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادیاں

پانچویں اور آخری باب میں سید صاحب نے ہندوستان میں اسلامی فتوحات سے قبل کی مسلمانوں کی آبادیوں کی تاریخ لکھی ہے یہ باب دراصل گزشتہ ابواب کے مباحث کا ماحصل ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ دکن اور جنوبی

ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کی حکومتیں سب سے آخر میں قائم ہوئیں وہاں مسلمان پہلے سے آباد تھے اور وہاں کا کوئی ساحلی اور تجارتی شہر مسلمانوں سے خالی نہ تھا۔ یہاں تک کہ بعض شہروں میں ان کی آبادیاں کئی کئی ہزار تھیں اور وہاں کے ہندو راجاؤں پر ان کا بڑا اخلاقی اثر تھا اور وہ ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے اور ان کو ہر طرح کی سہولتیں بھی فراہم کرتے تھے مسلمانوں کی یہ آبادیاں مسجدوں سے معمور تھیں یہی نہیں جہاں زیادہ آبادیاں تھیں وہاں ان کا مذہبی نظام اس طرح قائم تھا کہ وہ اپنے باہمی معاملات و مسائل کا فیصلہ اسلامی قوانین کے ذریعہ کرتے اور اسکے لئے باقاعدہ ائمہ و قضاۃ مقرر تھے۔

اس باب میں مسلمانوں کی آمد کی تاریخ اور ان کی اہم آبادیوں کے مفصل حالات لکھے گئے ہیں ان میں مالدیپ، سراندیپ، ملیبار، کولم (ٹرانکور) کارومنڈل چھیمور (چیمور) تھانہ (بمبئی)، کھمبایت، گاری گندھار، (بھڑوچ کے قریب) بیرم، گوگہ (بھاؤنگر کے پاس) چنداپور (گوا کے قریب) ہنور (احاطہ بمبئی) ملیبار میں ابی سرور باکنور (موجودہ برکور) منگلور، ہیلی (کناکور کے قریب) جرپٹن (سری کنداپورم) دہ پٹن، یدھ پٹن، کالی کٹ، جالیات، سیلون، گاڑی، وداسمندر (میسور کا قدیم دارالسلطنت) وغیرہ خاص قابل ذکر ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی آمد، ان کا نظام معاشرت اور ہندوؤں سے ان کے تعلقات کی تمام تفصیلات نہایت تحقیق سے قلم بند کی گئی ہیں۔

باب کے آخر میں سندھ و ملتان کے مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ لکھی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملہ سے پہلے بھی یہاں کئی سو مسلمان آباد تھے۔

دولت عباسیہ کے ابتدائی ادوار تک سندھ میں مسلمانوں کی تاریخ بہت واضح انداز میں ملتی ہے مگر اس کے بعد وہاں کی طوائف الملوکی کے زمانہ کی تاریخ غیر واضح ہے غزنویوں اور غوریوں سے پہلے یہاں کئی دوسرے مسلمان خانوادوں نے حکمرانی کی بلکہ ایک ایک وقت میں دو دو حکومتیں قائم رہیں۔ سید صاحب نے ان خانوادوں کے حالات نہایت تلاش و تفحص کے ساتھ لکھے ہیں اس کے علاوہ سندھ کے بعض اہم شہروں کے مختلف قسم کے حالات بھی لکھے گئے ہیں اور بعض قدیم شہروں کے جائے وقوع کی تعیین بھی کی گئی ہے جن کے اب صرف

نام تاریخوں میں ملتے ہیں۔

آخر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں سید صاحب نے نئی معلومات پیش کی ہیں اس میں ایک مسلمان آبادی سوپارہ، جاٹ طبیب اور سندھ کے شاہانہ جوتوں کا تذکرہ ہے۔

یہ پوری کتاب انگریزوں کے اس الزام کی کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا تعلق محض فاتحانہ اور حملہ آورانہ تھا تردید معلوم ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب سے یہ پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ سے بہت پہلے ہندوستان سے ان کے علمی، تجارتی، مذہبی وغیرہ متنوع تعلقات و روابط قائم رہے۔

یہ کتاب سید صاحب کی بیس سال کی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے اس کی اہمیت یوں بھی ہے کہ جب یہ کتاب لکھی گئی تھی اس وقت اس موضوع پر کوئی اور کتاب نہیں تھی آج گو اس موضوع پر بڑا لٹریچر تیار ہوگیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب بھی اس کی انفرادیت و اہمیت قائم ہے انہوں نے ۱۹۲۹ء میں جو کچھ لکھا تھا اس کی تائید حال میں دریافت ہوئے Geniza Record سے بھی ہوتی ہے[۱]

چند خصوصیات یہ کتاب کسی عہد کی مسلسل تاریخ نہیں ہے اس کے باوجود ہندوستان سے عربوں کے ابتدائی تعلقات کی تاریخ کے ساتھ تجارتی، علمی اور مذہبی اور سیاسی ہر طرح کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے ضمناً تہذیب و تمدن، ثقافت اور طرز معاشرت کا بھی اجمالی ذکر ہے ڈاکٹر عبدالباری نے لکھا ہے کہ۔

"عرب و ہند کے تعلقات کلچرل روابط کے مخصوص فن پر ایک ایسی تفصیلی اور تحقیقی، اسلام کی پہلی باضابطہ تمدنی تاریخ ہے جس کی نظیر ہمیں خود اسلامی تاریخ نویسی میں کہیں نہیں ملتی"[۲]

حقائق بیان کرنے میں بڑی صداقت و صراحت سے کام لیا گیا ہے اور اصل واقعہ کی چھان بین کرنے اور اس کی روح تک رسائی حاصل کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے

---

[۱] مطالعہ سلیمانی ص ۵۹ [۲] ایضاً ص ۱۵۸ - ۱۵۹

واقعات نقل کرنے میں روایت و درایت کے اصولوں سے بھی پوری طرح کام لیا گیا ہے سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ

" اس کتاب میں سید صاحب روایت کے ساتھ درایت کے اصول پر بھی سختی سے پابند رہے ہیں وہ جب تک کسی روایت کو اچھی طرح پرکھ نہ لیتے اس کو قبول نہ کرتے ۔ ۔ ۔ ۔ عرب و ہند کے تعلقات میں ان کی درایت کی بہت سی مثالیں ملیں گی "۔ [1]

واقعات کے اسباب کی تفتیش کو علامہ شبلی نے ایک مؤرخ کے لئے ضروری قرار دیا ہے سید صاحب نے زیر تبصرہ کتاب میں اس اصول تاریخ سے بھی کام لیا ہے یہاں طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال نقل کی جاتی ہے ۔

" محمد بن قاسم ثقفی نے صرف چند ہزار فوج کی مدد سے سندھ پر حملہ کیا اور ہندوستانی راجاؤں کی بہادری و دلیری کی روایت کے باوجود پہلے ہی حملہ میں وہ سندھ پر قابض ہو گیا۔ سید صاحب نے اس کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ جب مسلمان سندھ کی سرحد پر پہنچے اس وقت بدھوں اور برہمنوں کے درمیان جنگ تھی بدھوں نے خود کو برہمنوں کے مقابلہ میں بے دست و پا پاکر مسلمانوں کی طرف صلح و محبت کا ہاتھ بڑھایا اور ہر جگہ ان کا شاندار استقبال کیا اور ساتھ بھی دیا اس لئے پہلے ہی حملہ میں سندھ پر قبضہ ہو گیا"۔ [2]

واقعات میں تسلسل پیدا کرنے کے لئے مؤرخ کو قیاس سے کام لینا ہوتا ہے تاکہ تاریخ کو مربوط و منظم انداز میں پیش کیا جائے سید صاحب نے قیاس و اجتہاد سے بھی کام لیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اصلاً قیاس و قرینوں کی ہی متقاضی تھی ورنہ بہت سے واقعات بے ربط معلوم ہوتے اور اس عہد کی تاریخ اتنی وضاحت و ترتیب سے سامنے نہ آپاتی ۔

واقعات کا تعلق جن فنون سے ہو مؤرخ کو اس کا واقف کار ہونا چاہئے ورنہ وہ واقعہ کی روح تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا ہے، سید صاحب ان فنون سے بھی واقف معلوم ہوتے

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ، ایک مطالعہ ص ۳۱۹ [2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۲۱-۲۳

ہیں کیونکہ انھوں نے جو واقعات لکھے ہیں ان میں بڑی باریک بینی کے ساتھ ان کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

اس کتاب میں سید صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس میں مورخانہ غیر جانبداری صاف عیاں ہے جہاں انہوں نے اسلام سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے وہیں ہندوستان سے اپنی وطنی محبت کے اظہار میں کمی نہیں آنے دی ہے اس طرح پوری کتاب کے مطالعہ کے بعد کہیں یہ تاثر قائم نہیں ہوتا کہ سید صاحب نے طرف داری کو راہ دی ہو۔

کتاب کے اسلوب نگارش کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ قطعی مورخانہ ہے تحصیل حاصل ہے اس میں کہیں بھی انشا پردازانہ اسلوب سے کام نہیں لیا گیا ہے اور نہ بے جا لفاظی سے کام لیا بلکہ ہر لفظ کو شعوری طور پر استعمال کیا گیا ہے جس سے سید صاحب کے انتخاب الفاظ کی بے مثال صلاحیت بھی آشکارا ہوتی ہے۔

سید صاحب نے ماخذ و مراجع کی نشاندہی میں بھی غیر معمولی اہتمام کیا ہے جن مراجع سے اخذ معلومات کئے گئے ہیں یا جن کا حوالہ دیا گیا ہے اگر ان کی فہرست نقل کی جائے تو ایک مضمون تیار ہو سکتا ہے۔ غرض یہ کہ پوری کتاب اصول تاریخ کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔

انگریز مورخین کا رد و ابطال

انگریز مورخین کے ہفوات کا رد و ابطال دبستان شبلی کے مورخین کا ایک اہم وصف ہے سید صاحب اس دبستان کے گل سرسبد تھے چنانچہ انھوں نے اپنی دوسری تصانیف کی طرح اس کتاب میں بھی انگریز مورخوں کے غلط خیالات کی تردید کا فریضہ انجام دیا ہے یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثلاً سید صاحب نے پوری تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ تاریخ کے مشاہدات سے پہلے ہی ہندوستان میں عربوں کی آمد و رفت جاری تھی[1] اور مسلمانوں کے حملہ سے کہیں پہلے ہندوستان کے ان کے تجارتی، علمی، مذہبی اور سیاسی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص ۷

ہندوؤں کے بارے میں مشہور مؤرخ الفنسٹن نے لکھا ہے کہ انھوں نے کسی سمندر کو پار کرنے کی ہمت نہیں کی[1] سید صاحب نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ ہندوؤں میں ایک ایسی ذات تھی جو جہاز بناتی، چلاتی کھیتی اور دریاؤں کو پار کرتی تھی[2]

اس طرح کے انگریزوں کے اور بھی متعدد غلط بیانات کی جابجا تردید سید صاحب نے کی ہے ضمناً ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑانے اور ان میں نفرت و عداوت اور نفاق پیدا کرنے کے لئے تاریخ میں جس انداز کو روا رکھا گیا ہے ان سب کی سید صاحب نے تردید کی اور اپنی تحریر کو اس انداز سے پیش کیا کہ اس کے صفحہ صفحہ سے قومی یک جہتی، اتحاد، موانست اور وطن دوستی کے جذبات جھلکتے ہیں۔

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص ۸۲ [2] ایضاً ص ۸۳

بقیہ دیوان المظالم

۱۔ غاصب غصب کا اعتراف کرے۔

۲۔ ناظر المظالم اس کے متعلق ذاتی علم رکھتا ہو کیونکہ قاضی کے برعکس ناظر المظالم ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کرسکتا ہے۔

۳۔ کوئی دوسرا شخص غاصب کے غصب کی شہادت دے۔

۴۔ غاصب کے غصب کی عام شہرت ہو کہ فلاں چیز کا فلاں شخص حقیقی مالک ہے۔ اور فلاں شخص اس کا غاصب ہے۔

ان تمام صورتوں میں ناظر المظالم کا فرض ہے کہ وہ مغصوبہ جائیداد اصل مالک کو لوٹا دے۔

مجیب اللہ ندوی

وفیات

افسوس ہے کہ ادھر ایک سال کے اندر ایک درجن سے زیادہ ممتاز علمی، دینی اور ملی شخصیتیں ہم سے جدا ہوئی ہیں اور ان سے جو خلا پیدا ہوا ہے بظاہر وہ پورا ہوتا نظر نہیں آتا، ابھی حال ہی میں ہندوستان سے باہر کے عالم حدیث شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اور ہند و نیپال کے ممتاز عالم مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری کا انتقال ملت کا حالیہ حادثہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شیخ ناصر الدین البانی کی حدیث نبوی کے ذخیرہ پر وسیع نظر ضرور تھی اور انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے کام بھی کیا مگر ان کا علم خود رو قسم کا تھا اس لئے کہ انھوں نے قابل اعتماد اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ حاصل نہیں کیا تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بے شمار احادیث ضعیفہ وصحیحہ کے بارے میں انتہا پسندانہ اپنی رائے ظاہر کی ہے اور اس سلسلہ میں اکابر اسلاف کو محدثین مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور بے شمار اکابر پر جرح کر ڈالی ہے۔

بہرحال موجودہ دور کے ایک مشہور عالم تھے چونکہ یہ تقلید ائمہ کے سخت خلاف تھے اس لئے اہل حدیث (غیر مقلد) حضرات اور علم حدیث پر سطحی علم رکھنے والے ان کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، لیکن جن لوگوں کو ان کے مبلغ علم کا اندازہ کرنا ہو تو ان کو ہندوستان کے معروف محقق عالم محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ استدراک پڑھنا چاہیئے جو انہوں نے ان کی کتاب پر "الالبانی واخطائہ" کے نام سے لکھی ہے جس میں ان کے علم اور حدیث دانی کی پوری پردہ دری کی ہے جو پہلے ہندوستان میں پھر بیروت سے کتابی شکل میں شائع ہو گئی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے تحقیق سے ترمذی کی شرح لکھی ہے اور بہت

سی حدیثیں جن کو ضعیف کہا جاتا ہے ان کو قوی اور حسن تک قرار دیا ہے مگر البانی صاحب نے ان کو موضوع قرار دے دیا ہے، اسی طرح صحاح ستہ کی بہت سی حدیثوں کے بارے میں انہوں نے انتہا پسندی کی رائیں دی ہیں۔ مثلاً ۱۵ شعبان کی رات کے بارے میں اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کر کے مولانا مبارکپوری نے اس کی فضیلت ثابت کی ہے مگر یہ اسے موضوع کہتے ہیں، مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اس طرح بے شمار غلطیوں کی نشاندہی کی ہے،

بہرحال اس دور کے وہ ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کرے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری رح

مولانا ایک ممتاز عالم اور متعدد دینی کتابوں کے مصنف تھے، وہ مسلکاً اہل حدیث تھے مگر ان میں مسلکی تنگ نظری نہیں تھی بلکہ مزاج میں اعتدال تھا اس لئے وہ ہر طبقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے انہی خصوصیات کی وجہ سے وہ رابطۂ عالم اسلامی کے ممبر بنائے گئے اور تاحیات اسکے ممبر رہے، اللہ تعالیٰ نے زبردست قوت حافظہ دی تھی، تقریر میں قرآن پاک کی آیات اور لمبی لمبی حدیثیں بے ساختہ پڑھتے جاتے تھے، اس طرح تاریخی واقعات بھی ان کے نوک زبان تھے راقم سے بھی ان کو انس تھا، اس لئے دو بار جامعۃ الرشاد بغیر کسی دعوت کے تشریف لائے۔ اور یہاں رات گزاری اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا پھر واپس جا کر ہمت افزا خط لکھا، طبیعت میں بے تکلفی اور سادگی تھی وہ میٹھے کے بے حد شوقین تھے دوستوں کو کھلاتے بھی اور بے تکلف دوستوں سے اس کی فرمائش بھی کرتے انہوں نے احقر کو بھی کئی بار یہ عزت بخشی۔ ایک بار سراج العلوم حاضری ہوئی تو میری حیثیت سے زیادہ اعزاز کیا اور طلبہ کے سامنے کچھ کہنے کا موقع بھی دیا۔ علمائے سلف کا نمونہ تھے، خوشحال گھرانے کے فرد تھے مگر کسی ادا سے اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ مدرسہ کے لئے کوئی رکھ رکھاؤ قائم نہیں رکھتے تھے،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں اور دین کے لئے ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

رشحاتِ تحریر

مکرمی جناب مولانا حبیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

کچھ عرصہ پہلے آپ کا علمی ماہنامہ "الرشاد" ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کی لائبریری میں نظر سے گزرا۔ اس کے علمی مضامین نے اپنا گرویدہ کر لیا۔

"اسوۂ حسنہ" سلسلہ مضامین کا تو کیا ہی کہنا اپنی مثال آپ ہے چنانچہ اس علمی رسالہ کے اجراء کرانے کی غرض سے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اس کا اجرا کر دیں گے۔ برائے کرم و مہربانی فرمایئے کہ اس کا سالانہ چندہ کس طرح آپ تک پہنچایا جائے۔

ہاں اگر پاکستان سے آپ کے سالانہ چندہ کے عوض کوئی کتاب منگوانا چاہتے ہوں تو بندہ ارسال کر سکتا ہے فوری طور پر چند اداروں کی فہرست مطبوعات بھیج رہا ہوں آپ اس میں سے کتابیں منتخب کر لیں جو میں بھیج دوں گا۔

اس کے علاوہ "الرشاد" کے تمام پچھلے شمارے مل سکتے ہیں یا نہیں؟ (آگاہ کریں گے) اپنے ادارے کی فہرست کتب مطبوعات ضرور ارسال کریں۔ اور مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے۔ والسلام دعا کا طالب

ابن قاسم

مکان ۲۱۴ سٹریٹ ۸۲ سیکٹر جی ایون تھری (۱۱۳) اسلام آباد پاکستان

مخدومی و معظمی حضرت استاذ گرامی قدر دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خدا کرے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہو۔

"الرشاد" کا مطالعہ ہمیشہ کیا کرتا ہوں سب سے پہلے "رشحات" بصد شوق پڑھتا ہوں پرچہ

کے مطالعہ سے آپ کی ملی سرگرمیوں کا علم ہوتا رہتا ہے، اس درمیان آپ کی علالت کی خبر بھی شائع ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے تاکہ اس ملت ہندیہ کے لئے آپ کے ذریعہ عظیم کام ہو، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور جناب والا کی ذات گرامی اس ملت کے لئے عظیم سرمایہ ہیں۔ الرشاد کے سارے قارئین کو رشحات کا بے حد انتظار رہتا ہے۔

بہت دنوں سے خدمت عالیہ میں حاضر نہ ہو سکا ہوں باوجودیکہ دلی خواہش رہتی ہے کہ اپنی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر استفادہ کروں اللہ مجھے توفیق دے اور آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے آمین۔

میرے مشفق بزرگ! یوں تو بچپن میں آپ کے سایہ تربیت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کی دیگر صفات حمیدہ کے سوا ایک خاص صفت جو میرے قلب و دماغ میں نقش کا عجز ہے آپ نے پسماندہ اور گرے پڑے لوگوں کو سہارا دیا ہے اور دل سے ایسی تربیت کی کہ وہ کسی قابل بن جائے، میرے ساتھ بھی آپ کا ہمیشہ حسن سلوک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے۔ والسلام

طالب دعا

عبدالسبحان ندوی مدرسہ اسلامیہ، رانچی بہار

محترم عالی! سلام و نیاز! امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

ہم کو بڑی مسرت ہے یہ لکھتے ہوئے کہ ہم تلامذۂ پروفیسر اقتشام ندوی نے یہ طے کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ریٹائرڈمنٹ کے موقع پر ان کی خدمت میں "نذر اقتشام" کے نام سے ایک کتاب پیش کی جائے۔ عربی و اردو ادب کی علمی محفلیں ان کی ذاتِ گرامی سے گزشتہ تیس برس سے روشن ہیں۔ تصانیف کے علاوہ اردو کے معتبر رسائل اور مجلات میں ان کے علمی مقالات برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ بنالیا ہے، ان کی نگرانی میں ۱۵ ڈاکٹریٹ کے مقالے تیار ہوئے اور ۴۰ ایم فل۔ کے۔ ڈاکٹر صاحب کے ۲۵۰ مقالے معتبر مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ کے تعلقات ڈاکٹر صاحب سے بہت قریبی ہیں۔ اس موقع کی

بقیہ صـــ۱۲ پر

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

نئی کتابیں

نمونۂ سلف مولانا محمد احمد صاحبؒ از جناب مولانا شمس الحق ندوی صاحب
صفحات ۲۸۵ قیمت ۹۰/ روپے۔ طباعت وکتابت معیاری۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۹ء
ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس نمبر ۹۳ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ پرتاب گڑھی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں انکی ذات مرجع خلائق اور سرچشمہ ہدایت تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا پرتاب گڑھی کی شخصیت اور ان کی مبارک مساعی پر خاطر خواہ کام نہیں ہوا حضرت الاستاذ مولانا حبیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ کی کتاب اہلِ دل کی باتیں اور مولانا عمار صاحب کی تذکرہ مولانا محمد احمدؒ اور چند مضامین الارشاد اور دیگر رسائل میں ضرور آئے لیکن حضرت پرتاب گڑھی کے فیضان معرفت کے لئے یہ بہت کم ہے۔

خوشی ہے کہ مولانا شمس الحق صاحب کی یہ کتاب اس کمی کی تلافی کرتی ہے جس میں انھوں نے اپنے بزرگوں، احباب اور خوردوں سے عمدہ مضامین اس خوبی سے حاصل کئے ہیں کہ ان سے مولانا پرتاب گڑھی کی جامع شخصیت کے تقریباً تمام دلکش پہلو سامنے آگئے ہیں ہر صاحب مضمون کو مولانا پرتاب گڑھی سے ایک تعلق رہا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ڈاکٹر تقی الدین ندوی اور پروفیسر اعتبار ندوی کے علاوہ امتیاز پرتاب گڑھی اور میمونہ خاتون کے مضامین کا خاص اثر ہے۔

یہ مجموعہ ہر خاص وعام کے پڑھنے کے لائق ہے۔

تعلیم کی اہمیت ؛ سنت نبوی کی روشنی میں :۔ علامہ یوسف القرضاوی ۔
مترجم ۔ جناب ابو مسعود اظہر ندوی ۔ صفحات ۱۸۰ قیمت ۴۰/= روپے ۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء ۔ ناشر ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ڈی ۔ ۳۰۷ ابو الفضل انکلیو جامعہ نگر اوکھلا نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مسلمانوں کی پس ماندگی اور زبوں حالی کی بنیادی وجہ ان میں تعلیم کی کمی ہے آج وہ دوسری قوموں سے علم وفن کے ہر میدان میں فضیلت دور کی بات ہے ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتے اور تعلیم میں پچھڑے پن ہی کی وجہ سے ان کی ترقی کی ہر خواہش و کوشش بے سود بلکہ ذلت و خواری میں تبدیل ہو جاتی ہے حالانکہ اسلام میں حصول علم اور اس کے فروغ و اشاعت اور اس کی اہمیت و فضیلت جس قدر بیان کی گئی ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی ، قرون اولی کے مسلمان اپنی علمی و تعلیمی فضیلت و برتری ہی کی وجہ سے بام عروج تک پہنچے تھے بعد کی علم وفن کی ہر بہار انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور اب یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ جن علوم کی بنا پر یورپ کو دنیا کی قیادت میسر آئی اس کی بنیاد ہمارے ہی اسلاف نے رکھی تھی۔

زیر نظر کتاب کی تالیف کا مقصد اسی عظمت رفتہ کی یاد دہانی اور اپنے گم شدہ علمی وقار کی بازیافت ہے ۔ چنانچہ دنیائے اسلام کے ممتاز عالم اور کتاب کے فاضل مصنف نے قرآن و احادیث کی روشنی میں تعلیم کی اہمیت و فضیلت ، مقاصد ، فوائد اور اس کی ترویج و اشاعت پر اس طرح بحث کی ہے کہ موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا ۔ اپنے موضوع پر اس قدر جامع ، پر مغز اور معلومات افزا کتاب اردو میں مشکل سے ملے گی ۔ ترجمہ کے لئے جناب ابو مسعود اظہر ندوی صاحب لائق ستائش و مبارک باد ہیں ۔ کتاب ہر شخص کے لئے قابل مطالعہ ہے ۔

مولانا سید زبیر علی ، شخصیت اور خدمات :۔ جناب سید ساجد علی ٹونکی صاحب
صفحات ۸۰ ۔ قیمت ۴۰/= روپے ۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۹ء
ناشر :۔ مدرسہ فاطمۃ الزہرا ، محلہ رجبن ۔ ٹونک ، راجستھان

مولانا سید زبیر علیؒ ٹونک کے رہنے والے تھے لیکن قدرت نے ان کو جنوبی افریقہ میں اسلام کی خدمت کے لئے چنا، ان کے والد قاری سید ظہور علی بھی اسلام کے مخلص مبلغ تھے اور جد اعلیٰ سید ناصر علیؒ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ان رفقاء میں تھے جنھوں نے معرکۂ بالاکوٹ میں حصہ لیا تھا اس طرح اس خاندان کو تبلیغ و دعوت میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

زیر نظر کتاب مولانا سید زبیر علیؒ کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے جن سے جنوبی افریقہ میں ایک مخلوق فیض یاب ہوئی، اندازہ ہوتا ہے کہ جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی موجودہ دینی فضا کی تشکیل میں ان کی کوششوں کا بڑا حصہ ہے۔ لائق مؤلف بھی اسی خاندان کے ایک فرد ہیں انھوں نے تذکرہ کے حالات سے واقفیت کے لئے خود افریقہ کا سفر کیا اور ہر ممکن ذرائع سے معلومات مہیا کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا، جنوبی افریقہ کے بعض جغرافیائی حالات اور وہاں کے ان مدارس ومکاتب کا بھی ذکر آگیا ہے جن کا تعلق مولانا سید زبیر علی کی ذات سے ہے۔ مولانا کے خاندان کے متعدد افراد کا بھی ذکر خیر آگیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ مولانا زبیر علی صاحب کی لائق رشک زندگی کے اور واقعات بھی آجاتے، البتہ کتابت کی سیکڑوں غلطیاں راہ پاگئی ہیں جن کی جانب توجہ ضروری ہے۔

احادیث لَیْسَ مِنَّا :۔ مولانا سید عبدالقادر ٹونکی۔ ترجمہ و حواشی جناب محمد فاروق خاں صاحب ایم اے۔ صفحات ۴۷۔ قیمت ۲۰/۔ سنہ اشاعت اپریل ۱۹۹۶ء

ناشر۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ڈی ۳۰۷ دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر اوکھلا نئی دہلی ۲۵

متعدد احادیث شریفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس منا۔ لیس منی۔ لیس من امتی اور انا بری منہ۔ وھو بری منی کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں ایسی احادیث [redacted] عبدالقادر ٹونکی مرحوم نے ۸۰ برس قبل کیا تھا اب اس کو جناب محمد فا[redacted] صاحب ترجمہ و تشریح کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے اس عمدہ انتخاب سے امید ہے کما حقہ استفادہ کیا جائے گا اس کے لئے لائق شارح شکریہ کے مستحق ہیں البتہ حواشی کو متن ہی میں رہنے دیا جاتا تو بہتر ہوتا، اصل کہیں اور تشریح کہیں سے عام

لوگوں کو پڑھنے میں دشواری ہوگی۔ اس انتخاب میں اضافہ کی بھی گنجائش تھی۔

صفحہ ۱۹ار پر ایک حدیث کے راوی کا نام نہیں دیا گیا ہے حالانکہ معمولی تلاش سے وہ نام مل جاتا، اگر فاضل مترجم الگ تحریر میں عربی زبان وادب میں لیس ضمنا وغیرہ کے استعمال اور اس کی اثر انگیزی اور ادبی حیثیت پر روشنی ڈال دیتے تو اسکی افادیت دوچند ہو جاتی۔

باتیں ان کی یاد رہیں گی مرتبہ:۔ مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب۔
صفحات ۳۱۲۔ قیمت درج نہیں۔ کتابت وطباعت معیاری۔
سنہ اشاعت ۱۹۹۶ء ناشر کتب خانہ مظہری۔ گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲ کراچی، پاکستان۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے مشہور خلیفہ مولانا عبدالغنی پھول پوریؒ اور مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کے فیض یافتہ جناب حکیم محمد اختر صاحب کے بعض فرمودات و ملفوظات جناب مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ مرتب و محفوظ کرکے ان سے استفادہ کا عمدہ موقع فراہم کر دیا ہے، بقول مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس میں قرآن ہے، حدیث ہے، فقہ ہے، تصوف ہے، سوز وگداز ہے، تربیت و اصلاح ہے، تذکیر و موعظت ہے، علمی نکات ہیں عارفانہ نکتہ سنجیاں ہیں، دل کو چھوتے ہوئے اشعار ہیں اور دماغ پر نقش چھوڑ جانے والی باتیں ہیں۔

ایسے اوصاف سے آراستہ مجموعے کا مطالعہ ہر شخص کے لئے یکساں نافع ہے

تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

محترم مرتب الرشاد کی قابل قدر علمی ودینی تصانیف

اسلامی فقہ حصہ اول، دوم، سوم قیمت حصہ اول ۹۰/ دوم ۱۱۰/ سوم ۸۰/ روپے

قرآن پاک اور اسکی تعلیم ——— قیمت ۸/۰۰ "

اہل دل کی باتیں ——— " ۲۵/۰۰ "

خطبۂ نکاح ——— " ۱۰/۰۰ "

مسئلہ کفارت ——— " ۸/۰۰ "

جہیز کی شرعی حیثیت ——— " ۸/۰۰ "

دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں ——— " ۱۲/۰۰ "

عبادت اور خدمت ——— " ۱۵/۰۰ "

سرمد اوران کی رباعیاں ——— " ۴۰/۰۰

خواجہ میر درد اوران کی شاعری ———

ریاض الحدیث ——— " ۲۵/۰۰ "

وقت ایک دولت ہے ——— " ۴/۰۰ "

اسلامی قانون اُجرت (زیرطبع ہندوستان میں) ——— " ۳۵/۰۰ "

تبع تابعین ——— " ۵۵/۰۰ "

اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات ——— " ۶۵/۰۰ "

اہل کتاب صحابہ وتابعین ——— " ۳۵/۰۰ "

اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام (زیرطبع ہندوستان میں) ——— " ۶۵/۰۰ "

فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مؤلفین (" " ") ——— " ۵۵/۰۰ "

فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل ——— " ۴۵/۰۰ "

اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم ——— قیمت سیٹ ۳۶/۰۰ "

نماز او خشوع اور تواضع ——— قیمت ۵-۵/۰۰ "

خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ ——— " ۲۵/۰۰ "

ثبوتِ رجم ——— " ۳۵/۰۰ "

ایمان وعقیدہ ——— " ۳۵/۰۰

مقالات علامہ سید سلیمان ندوی سیمنار ——— زیرطبع

ملنے کا پتہ: مہتمم مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ یوپی

Regd. No Azm/N.P. 42/84
Regd. No. 34837/81
Phone 20461

MONTHLY JAMETUR RASHAD
AZAMGARH – 276001 (U.P.) INDIA

Nisbat Offset Press Tanda Ambedkar Nagar